نگارِ پاکستان

سالنامہ سنہ ۱۹۹۳ء

نصرا نمبر

بانی:- علامہ نیاز فتح پوری

مدیر:- ڈاکٹر فرمان فتح پوری

مراسلت: سی ۲۸، بلاک ۱۳ ڈی، گلشنِ اقبال کراچی فون: ۴۶۳۳۶۷

نگار پاکستان

خدا نمبر

سالنامہ ۱۹۹۳ء

مدیر:۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری

دسمبر ۱۹۹۳ء

نگار پاکستان

بانی:۔ علامہ نیاز فتح پوری

مدیر:۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر سرفراز نیازی
سرشار صدیقی
امراؤ طارق
ریاض نیازی

مراسلت: سی ۲۸، بلاک ۱۳ ڈی، گلشنِ اقبال کراچی
فون ۴۶۳۳۶۷

رجسٹرڈ ایس نمبر ۲۴۷۲
جاری شدہ سنہ ۱۹۲۲ء

تعلیمی اداروں کیلئے محکمۂ تعلیم سے منظور شدہ
سرکلر نمبر ڈی / ایف ڈی ۳۶۶۰

زیر اہتمام
فتح پور ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی رجسٹرڈ

صدر دفتر
۶۰، ورلی روڈ، گارڈن ایسٹ کراچی

زیرِ نظر شمارہ	چالیس ۴۰ روپے
زرِ سالانہ	سو ۱۰۰ روپے

سیّد اختر حُسین نے ایجوکیشنل پریس سے چھپوا کر
۱۵۹ اے قمر کتاب گھر اُردو بازار سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

کتابیات

اس خصوصی شمارہ میں جن انگریزی کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان میں سے
خاص خاص کا نام درج کیا جاتا ہے۔ دوسری کتابوں کے حوالے فٹ نوٹ کی صورت
سے ہر مضمون کے ساتھ درج کر دئے گئے ہیں۔

Grant Allen	Evolution of the indea of God
James Hastings	encyclopaedia of Religion and Ethics
Joseph Mccabe	A Rationalist Encyclopaedia
Funk and Wagnall	Standard Dictionary of Folklore Mythology and legend
C. P. Tiele	Outlines of the History of Religion
Dr . A . Churchward	Origin and Evolution of Religion
Joseph Gaer	How the Great Religions Began
Life Magazine	The World,s Great Religions
R . A . Gregory	Religion in Science and Civilization
A . C .Boquet	Comparative Religion
Bhagvan Das	The Essenlial Unity of all Religions

Radha Krishnan	History of Eastern and Western Philosophy
M . Hiriyanna	The Essentials of Indian Philosophy
Swami Abhedanand	Divine Heritage of Man
M . ds . Morgan	Pre - Historic Man
A . Hytt Verrill	Old Civilization of the New World
C . Huart	Ancient Persia and Iranian Civiization
George Rawlinson	Phoeicia
W . A . Craigie	Religion of Ancient Scandinavia
B . Anwyl	Celtic Religion
Charles Seltman	The Twelve Olympians
W . G Aston	Shinto the Religion of Japan
Luzac	Encyclopaedia of Islam
Mohammed Ali	The Religion of Islam
A . Guillaume	Islam (Peligan Series)
J . A . Subhan	Sufism Its Saints and Shrines

ملاحظات

مذہب بڑے دلچسپ اور وسیع مطالعہ کی چیز ہے۔ علم الانسان، جغرافیہ، تاریخ، نفسیات اور ہیئت و علم الجو سب ہی علوم اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

---------*---------

مذہب فطری ہو یا غیر فطری لیکن اخلاقیات مذہبی یقیناً فطری چیزیں ہیں۔ کیونکہ متمدن انسان کی تمدنی تنظیم و ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

---------*---------

مذہب کی اساس خدا کے تصور پر قائم ہے اور گو وہ ایک منطقی نتیجہ ہے انسان کے جہل و مجبوری کا لیکن کس قدر عجیب بات ہے کہ اسی تاریکی و بے اختیاری نے انسان میں خود آگاہی پیدا کی اور خدا کی جستجو میں انسان خدا تک پہونچا ہو یا نہ پہونچا ہو لیکن اس نے اپنے آپ کو ضرور دریافت کر لیا۔

---------*---------

انسان کا جمادات، نباتات و حیوانات سے گذر کر قوت مجردہ تک پہونچ جانا اور فطرت کے سربستہ رازوں کو واشگاف کر دینا عقل انسانی کا بڑا کارنامہ ہے لیکن انسان کو اس منزل تک صرف خدا کی جستجو نے پہونچایا۔

---------*---------

مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ دراصل جغرافیہ، تاریخ و ماحول سے پیدا ہونے والے نفسیاتی رجحان کا مطالعہ ہے اور اس لئے گونا گوں دلچسپیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔

---------*---------

عہد قدیم سے عہد حاضر تک انسان نے کس کس طرح خدا کا تصور کیا، اس راہ میں اس نے کتنی ٹھوکریں کھائیں اور پھر کس طرح آہستہ آہستہ وہ کائنات پر چھا گیا، یہ داستان بہت منتشر و طویل ہے لیکن ہے بے انتہا دلچسپ اور انہیں منتشر اجزاء کو اس خاص نمبر میں یکجا کیا گیا ہے۔

--------*--------

میں نہیں سمجھتا کہ اس موضوع پر کسی ایشیائی زبان میں اتنی جامع و موجز کتاب اس سے قبل شائع ہوئی ہو۔

خدا نمبر کیا ہے، اور کیونکر مرتب ہوا۔ یہ دو سوال سب سے پہلے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ سوال اول کا جواب یہ ہے کہ "خدا نمبر" کوئی مذہبی تالیف نہیں ہے۔ اس کا تعلق نہ الہیات سے ہے نہ فقہ و حدیث سے اور نہ عقائد اسلام سے بلکہ صرف تاریخ ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کا تصور مختلف اقوام و ملل میں کیوں اور کس طرح قائم ہوا اور پھر وہ مادہ کی گرفت سے آزاد ہو کر رفتہ رفتہ کیونکر عالم تنزیہہ میں آیا۔

۲۔ چونکہ اس کی ترتیب زیادہ تر منحصر تھی اس بات پر کہ اس موضوع کی تاریخی کتابوں کا مطالعہ کر کے مواد فراہم کیا جائے۔ اس لئے ضرورت تھی مجھے کسی معاون کی جو تراجم والتقاط کی اس صبر آزما خدمت کو انجام دے۔ اس کام کیلئے سب سے پہلے میری نگاہ شیخ محمد اسحاق صدیقی پر پڑی جو نہ صرف میرے دوست بلکہ عزیز شاگرد بھی ہیں۔ اور میں شکر گذار ہوں کہ انہوں نے ترجمہ واقتباس کی خدمت بڑی خوبی سے انجام دی۔

جن کتابوں سے اس کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے ان کے نام درج کر دیئے گئے ہیں اور اس سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ یہ خصوصی اشاعت کتنی اہم کتابوں کا نچوڑ ہے۔

نیاز

مذہب کا آغاز و ارتقاء

مذہب کیا ہے ؟

مذہب کی ایسی تعریف کرنا جو تمام مذاہب کے جملہ روایتی معتقدات پر حاوی ہو، بہت مشکل ہے تاہم بنیادی طور پر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ مذہب نام ہے انسان کے احساس بیچارگی اور کسی ایک یا متعدد اعلی قوتوں کے اعتراف و پرستش کا۔ پھر مذہب نام صرف ذہنی احساس ہی کا نہیں بلکہ اس کے زیر اثر کردار و عمل کا بھی ہے جسے اصطلاح میں شعائر کہتے ہیں۔

مذہب اور اخلاق

بعض مذاہب نے اخلاقیات کو مذہب کا ضروری جزو قرار دیا ہے لیکن دراصل یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص کسی اعلے قوت کی پرستش نہ کرے لیکن پھر بھی وہ سماج کا ایک اچھا فرد ثابت ہو۔ مثلاً قدیم اہل یونان زنا کو برا سمجھتے تھے لیکن خودان کے دیوتا بار بار اس کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسی طرح بائیبل کثرت ازدواج کی تائید کرتی ہے۔ لیکن عیسائی بیک وقت ایک عورت سے زیادہ شادی نہیں کرتے۔

الہام یا ایجاد

ہر چند زمانہ قدیم کے ہر مذہب نے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اب اس خیال کے مویدوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کہ مذہب خود انسان کی ایجاد ہے۔

ابتدائی جامذہبیت

اگر نظریہ ارتقاء صحیح ہے (اور اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں) تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل خالی الذہن تھا اور جانوروں کی طرح ۔۔ بھی کسی شے کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ لیکن چونکہ غور و فکر انسان کی فطری عادت ہے اس لئے اول جب اسے مناظر فطری و حوادث طبیعی سے واسطہ پڑا ہوگا تو ضرور اس نے سمجھنے کی کوشش کی ہوگی کہ پہاڑوں کی آتش فشانی، طوفان برق و باد، دریاؤں کی طغیانی، سردی کی شدت، آفتاب کا طلوع و غروب کیا ہے۔ وہ ذہنی و جسمانی حیثیت سے ان تمام باتوں سے متاثر ہوتا ہوگا۔ سود و زیاں کا سوال بھی اس کے آتا ہوگا اور عملی طور پر اس نے دفع کرنے کی کوشش کی ہوگی اور غالباً اسی سلسلہ کی ابتدائی چیزوں میں آگ کا انکشاف بھی تھا جس کی اسے سخت ضرورت تھی اور اس طرح سرد ممالک میں آگ کی پرستش شروع ہوگئی اسی کے ساتھ جب وہ کاشت کارانہ زندگی بسر کرنے کیلئے پانی برسانے والے آسمان کو امید و بیم کی نگاہوں سے دیکھنے لگا، تو اپنی بے چارگی اور کسی دوسری عظیم قوت کے وجود کا احساس اس میں اور زیادہ قوی ہوگیا۔

روح کا انکشاف

مناظر فطرت کو دیکھ کر قدیم انسان پر مختلف قسم کے جذبات طاری ہوتے تھے، لیکن وہ ان کی ماہیت کو نہ سمجھ سکا تھا۔ اپنے جسم کی حفاظت، غذا کی فراہمی اور جنسی جذبات کی تسکین کے بعد جس چیز نے اس کے دماغ کو پریشان کیا وہ اپنے کسی عزیز کی موت تھی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ وہ کیا چیز تھی جو اس شخص میں بولتی تھی اور کیا شے تھی جو اس کے اعضاء کو جنبش دیتی تھی کہ اب اس کے نکل جانے کے بعد نہ تو وہ بولتا ہے اور نہ اپنے جسم کو حرکت دے سکتا ہے۔

پھر جب انسان نے اپنے اعزاواقربا کو خواب میں دیکھا تو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ ضرور اب بھی کسی نہ کسی طرح زندہ ہیں اگرچہ ان کا جسم فنا ہوگیا لیکن روح باقی ہے جو ہے تو ہوا کے مثل لیکن اپنی قدیم حالت پر قائم ہے۔ اور اسے اب بھی ضروریات

زندگی کی حاجت ہے۔اس خیال کی بناء پر مردہ کے ساتھ ساتھ اس کا سارا سامان بھی دفن کیا جانے لگا۔

اسلاف واکابر پرستی

مردوں کے ساتھ ان کا سامان دفن کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کہیں وہ اپنے سامان کیلئے زندوں کو پریشان نہ کریں۔انسان خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ جاتا ہے، یہ مقولہ بعد کا ہے،پہلے تو لوگ اپنا سارا سازوسامان ساتھ لے جایا کرتے تھے بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جس غار یا گھر میں موت ہو جاتی تھی تو لوگ اسے چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے والے کی روح یا اس کا بھوت زندوں کو پریشان کرے۔

زندگی میں جس شخص کی زیادہ عزت ہوتی تھی مرنے کے بعد بھی اس کے مرتبہ کا امتیاز باقی رکھا جاتا تھا۔سردار قبیلہ، ساحروں، جادوگروں اور بادشاہوں کی روحیں بہت بڑی روحیں تھیں۔لہذا انھیں خوش کرنے کیلئے بہت کچھ کیا جاتا تھا،یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو دیوتا یا خدا سمجھا جانے لگا۔

مظاہر پرستی

(ANIMISM) اس کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح انسان و حیوان میں روح موجود ہے۔اسی طرح مظاہر فطرت بھی ارواح کے حامل ہیں۔کیونکہ بغیر اس کے آفتاب کی حرکت، بجلی کی چمک اور ہوا کی سنسناہٹ کی تشریح نہیں کی جاسکتی تھی۔ الغرض قدیم انسان کو ہر جگہ روح ہی روح نظر آتی تھی، کوئی سعید، کوئی خبیث، اور بیماری کو ارواح خبیثہ کے اثرات کا نتیجہ سمجھ کر انھیں زیر کرنے کیلئے جادو ٹونے اور جھاڑ پھونک سے مدد لی جاتی۔

جب انسان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہر چیز روح کی حامل ہے تو اس نے اپنے تصور سے کام لے کر ان کی مختلف صورتیں قرار دیں اور ان کے مجسمے بنانے لگے۔

سماج کا اولین نظام امہاتی نظام (MATRAIACHAL) تھا اور مرد کے مقابلہ میں عورت کو زیادہ فضیلت حاصل تھی (یہاں تک کہ بچوں کے نام ماں کے نام پر رکھے جاتے تھے) اور چونکہ زمین جس پر انسان رہتا بستا تھا ماں کی طرح اس کی زندگی کا سامان فراہم کرتی تھی اس لئے سب سے پہلے زمین کی پرستش شروع ہوئی اور اسے مادر زمین یا دھرتی ماتا کہنے لگے اور مختلف ملکوں میں اسے مختلف ناموں سے پکارنے لگے۔ اسکے بعد جب کارزار حیات میں مرد کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی، پسپو کئی اور امہاتی نظام کی جگہ ابوی نظام نے لے لی تو الوہیت کے تصور میں بھی تغیر پیدا ہوا اور دھرتی ماتا کے مقابلہ میں "آسمانی باپ" کی اہمیت زیادہ ہو گئی اور اس سلسلہ میں چاند، سورج وغیرہ کی بھی پرستش ہونے لگی۔

سورج اور چاند

چاند کی پرستش نسبتاً کم ہوئی، سورج کا شمار معبودان اعلیٰ میں تھا، چنانچہ مصر کا دیوتا اوسیرز اور ہورس، بابل کا شمس، اشوریوں کا آشور سب آفتاب ہی تھے۔ یونان، ایڑوریہ، جرمنی، برطانیہ اور اسکنڈی نیویا کے لوگ بھی آفتاب پرست تھے۔ ہندوستان میں ویدک دور سے لے کر اب تک "سوریہ پوجا" ہوتی آئی ہے اور جاپان میں اپنے بادشاہ میکاڈو کو بھی آفتاب ہی کا اوتار مانا جاتا ہے جب انسان نے سیر وشکار کی زندگی چھوڑ کر کاشتکارانہ زندگی شروع کی اور سورج کی حرکات سے غلہ بونے اور کاٹنے کا زمانہ متعین کیا تو شمس پرستی کا عروج ہونے لگا۔

سیارے

سیاروں کی پرستش مختلف اقوام نے کی ہے لیکن اسے انتہا تک پہنچانے والے اہل بابل تھے۔ سیارہ پرستی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے تنجیم اور بعد میں فلکیات کی بنیاد پڑی۔ قدیم سیارہ پرستی کا ثبوت ہندی اور انگریزی دنوں کے نام سے بھی ہوتا ہے۔

چاند، سورج کی طرح ہر ستارہ کا ایک دیوتا تھا اور اس میں روح کا پایا جانا تسلیم کیا جاتا تھا لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "قطب ستارے" کو حاصل تھی کیونکہ وہ آسمان کا مرکزی نقطہ ہے اور تمام ستارے اس کے گرد گھومتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مصر قدیم کے دیوتا ہورس کا قول ہے کہ:۔

"میں ... ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشین ہے
اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری طاقتیں ہیں"

سمیری قوم کا سب سے بڑا معبود انو بھی قطب ستارے کا دیوتا تھا اور ہندوؤں کے برہما کا تعلق بھی قطب ستارے سے ہے۔ اسی طرح جاپان میں سب سے بڑے خدا کے نام کے معنی ہیں:۔

"آسمان کے مقدس مرکز کا مالک دیوتا ......"

پہاڑ

یہ نہ صرف اپنے پر شکوہ منظر کی بناء پر قابل پرستش ٹھہرے، بلکہ اس لئے بھی کہ وہ بادلوں کو روک کر پانی برسانے کا سبب تھے۔ علاوہ ازیں وہ آسمان سے قریب تر تھے جسے سب سے بڑا معبود مانا جاتا تھا۔ ہر قوم نے بعض پہاڑوں کو مقدس مانا ہے۔ مثلاً ہندوؤں میں کیلاش پربت، یہودیوں میں کوہ صیون اور مسلمانوں میں کوہ طور۔

مختلف اقوام کی دیوتاؤں میں بھی ایک ایسے مقدس پہاڑ کا ذکر پایا جاتا جو دیوتاؤں کا مسکن ہے مثلاً ہندوؤں کا سمیرو، بابل والوں کا کھر ساک کرا، چینیوں کا کوئین لوئین، یونانیوں کا اولمپس، ایرانیوں کا البرز (یا ہرا برزایتی) وغیرہ وغیرہ

درخت

مقدس پہاڑ سے ایک مقدس درخت کا تصور بھی وابستہ ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا سوم، ایرانیوں کا ہوسم، نارڈک قوم کا ایش یگ ڈرازل، یہودیوں کا شجرۃ الحیات (یا شجرۃ العلم) مسلمانوں کا طوبیٰ وغیرہ، اہل بابل اپنے "بہشتی درخت" کی نقل بنا کر پوجتے تھے

جسے اشیرا کہتے تھے۔ نارڈک قوم میں بھی مقدس درخت کی پرستش ہوتی تھی اور یہ رسم عیسائیوں میں "کرسمس ٹری" کی صورت میں اب بھی جاری ہے۔

اس روایتی درخت سے قطع نظر ہر ملک میں درختوں کا احترام کسی نہ کسی صورت میں ضرور پایا جاتا ہے۔ عموماً انھیں جاندار مانتے ہیں۔ ہندوستان میں درختوں کو بھوتوں، جنوں اور شہیدوں کا مسکن مانا جاتا ہے، اسی لئے رات کو پھول توڑنے یا دوپہر کو درخت (خصوصاً پیپل) پر چڑھنے سے لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں کسی وقت درختوں سے لڑکیوں کی شادی کرنے کا بھی رواج تھا۔

آگ

عناصر اربعہ میں سب سے زیادہ آگ کی پرستش ہوئی ہے۔ غالباً اس کی بنیاد اس زمانہ میں پڑی جب انسان نے آگ کو دریافت کیا تھا اور چونکہ ایک مرتبہ آگ بجھنے پر اس کا دوبارہ فراہم کرنا مشکل ہوتا لہٰذا جہاں تک ممکن ہوتا آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔ آگ کو زمین پر آفتاب کا نمائندہ مانا جاتا تھا۔ سورج یا آگ کی روشنی ہی کی بناء پر یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا نور محض ہے۔ بجلی بھی آگ کی ایک صورت تھی جسے "خدائی تازیانہ" اور غضب الٰہی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض اقوام نے آتش فشاں پہاڑوں کی بھی پوجا کی ہے۔ قدیم ہند کے آریہ لوگوں میں اگنی سب سے بڑا معبود تھا۔ اب بھی جب ایک ہندو چراغ روشن کرتا ہے تو اسے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتا ہے۔ پارسی زمانہ قدیم سے آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر شہر میں ایک بڑا آتش کدہ ہوا کرتا تھا جہاں رات دن آگ روشن رہا کرتی تھی۔ اٹلی میں بھی یہی رواج تھا۔ وہاں آگ کی دیوی کا نام ویسٹا تھا۔

پانی

آگ کے بعد پانی سب سے بڑا معبود تھا۔ زمانہ قدیم کی تمام مشہور تہذیبیں دریائی وادیوں میں پروان چڑھی تھیں۔ مصر میں رود نیل، عراق میں دجلہ و فرات،

ہندوستان میں سندھ اور گنگا و جمنا، چین میں ہوانگ ہو کی وادیاں زمانہ قدیم میں تہذیب کا خاص مرکز تھیں اس لئے ہمیں تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ یہاں کے باشندوں نے کسی نہ کسی صورت سے ان دریاؤں کی بھی پرستش کی ہے۔ اہل مصر نیل ندی کو دیوتا مانتے تھے جس کا نام ہاپی تھا۔ عراق میں پانی کا دیوتا ایا پوجا جاتا تھا اور ہندوستان میں اب بھی گنگا جل مقدس ہے اور دریائے سرسوتی کی دیوی علوم و فنون کی مربی بن گئی ہے۔ دریاؤں کو خوش کرنے کیلئے انسان نے قربانیاں بھی پیش کی ہیں اور بسا اوقات اپنے ہی بنائے جنس کو بھینٹ چڑھایا ہے۔

ہوا اور مٹی

آگ اور پانی کے مقابلے میں، ہوا کی پرستش کم ہوئی ہے اگرچہ ہر ملک کی دیومالا میں ہوا کا دیوتا ضرور پایا جاتا ہے۔ مٹی کو زمین کے ساتھ ہی پوجا گیا ہے علیحدہ نہیں اس کا تعلق کاشتکاری اور جذبہ حب الوطنی سے رہا ہے۔

اعضائے جنسی

غذا اور پانی کی طرح جنسی خواہش بھی بالکل فطری تقاضا ہے اور اس کی تسکین کے دو مقصود ہوتے ہیں، ایک حصول لذت اور دوسرے افزائش نسل اور اسی اہمیت کے پیش نظر اعضائے جنسی کی پوجا مصر، عراق، ہندوستان، یونان، روم وغیرہ ہر جگہ ہونے لگی۔

حیوان پرستی

(ZOOLATRY) کا پتہ ہر جگہ چلتا ہے۔ شاید کوئی جانور ایسا ہو جس کی پرستش نہ کی گئی ہو۔ مصری گبریلے (SCARAB) سے لیکر ہاتھی، شیر تک پوجے گئے ہیں۔ حیوان پرستی کا آغاز غالباً جانوروں کے خوف سے ہوا۔ لیکن بعد میں جب انسان کا عقیدہ یہ ہوا کہ مردوں کی روحیں حیوانی قالب میں نمودار ہوتی ہیں تو حیوان

پرستی کا رواج زیادہ ہو گیا اور اس سلسلہ میں انسان اور حیوان ملے ہوئے "مرکب دیوتا (COMPOSITE GODS) پیدا ہو گئے۔ جیسے ہندوؤں میں گنیش جی، وشنو کے بعض اوتار بھی اسی نوعیت کے تھے۔

مصری حیوان پرستی کا ایک شرمناک پہلو بھی تھا یعنی یہ کہ عورتیں اپنے کو مقدس جانوروں کے سامنے (جو مندروں میں پائے جاتے تھے) پیش کر دیتی تھیں۔ اسی طرح جاپان میں آئنو قوم کے لوگ اپنی عورتوں سے ریچھ کے بچوں کو دودھ پلواتے تھے اور جب ریچھ جوان ہو جاتا تو اسے رسیوں سے باندھ کر میدان میں لایا جاتا اور اس پر تیر اندازی کی جاتی تھی۔ بعد ازاں اس کا گوشت سب ملکر کھاتے۔ ریچھ ان کا معبود یا "ٹوٹم" تھا۔

ٹوٹم پرستی

(TOTEMISM) بھی حیوان پرستی ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ شمالی امریکہ کی اوجبوا (OJIBWA) قوم اپنے مقدس جانوروں کو "ٹوٹم" کہتی تھی اس ٹوٹم پرستی کا رواج شمالی امریکہ کے قدیم باشندوں کے علاوہ افریقہ، آسٹریلیا اور ہندوستان میں بھی رہا ہے اور کسی حد تک اب بھی ہے۔ جانوروں کے علاوہ پیڑ پودے یا بعض دوسری چیزیں بھی ٹوٹم ہو سکتی ہیں۔

توحید کا تصور اور سماجی نظام

بائبل کا بیان ہے کہ "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود انسان نے خدا کو اپنا ایسا تصور کیا۔

زمانہ قدیم کے بادشاہ اپنے کو "خدا کا سایہ" کہتے تھے لیکن اگر بادشاہ وجود میں نہ آتے تو خدا کا یہ تصور غالباً پیدا نہ ہوتا۔

ہیکٹر ناٹن کہتا ہے کہ:۔

"چونکہ مذہب سماجی نظام کا انعکاس ہوا کرتا لہٰذا کسی ایسی قوم میں

توحید کا تخیل پیدا ہونا محال ہے جس میں بادشاہ نہ گزرے ہوں ۔
جب بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں تو یہ خیال پیدا ہوا کہ کائنات کا
بھی کوئی حکمراں ہے ۔ کائناتی خدا کے تصور سے پہلے قبائلی اور عاملی
معبودوں کا تصور عام تھا ۔"

ہر شہر کا ایک الگ دیوتا ہوا کرتا تھا ۔ جب کوئی شخص اپنے شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں جاتا تو اسے اپنے معبود کو چھوڑ کے وہاں کے معبود کو اختیار کرنا پڑتا تھا اور جب ایک شہری ریاست دوسری شہری ریاست کو زیر کر لیتی تھی تو فاتح شہر کا معبود فاتح اور مفتوح شہر کا معبود مفتوح مانا جاتا تھا اور جب ایک شہری ریاست کئی شہری ریاستوں کو زیر کر لیتی تھی تو فاتح ریاست کے معبود کی اہمیت بہت بڑھ جاتی تھی ۔ یہ صورت ہمیں قدیم عراق میں نظر آتی ہے ۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ فاتح معبود میں مفتوح معبود کی صفتیں ضم کر دی گئیں ۔ اس اصول نے جسے (SGNCRETIOM) کہتے ہیں توحید کا تخیل پیدا کرنے میں بڑی مدد کی ہے ۔

توحید ناقص

(HENETHEISM) مذاہب عالم کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عابد اپنے معبود کی پرستش کرتے وقت دوسرے معبودوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے مخصوص معبود سے وہ تمام صفات منسوب کرتے ہیں جو خدا کے شایان شان ہیں ۔ اسے ہم توحید ناقص کہہ سکتے ہیں ۔ اس کی عمدہ مثال ہندو مذہب ہے ۔ آج بھی ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ ہزاروں دیوتا موجود ہیں لیکن جب وہ اپنے معبودان اعلیٰ (وشنو ، شیو ، رام ، کرشن) کی پرستش کرتے ہیں تو ان سے وہی صفات منسوب کرتے ہیں جو خدائے برتر و اعلیٰ میں ہونا چاہئیں ۔

توحید خالص

(MONOTHEISM) اس تصور کو نہ تو ایرانی پیدا کر سکے ۔ کیونکہ ■ (TRINITY) ثنویت (DUALISM) کے قائل تھے اور نہ عیسائی جو تثلیث قائل ہیں ۔ ایرانیوں نے خداوند کا نام یزداں رکھا اور خداوند شر کا ہرمن (شیطان) اسی طرح عیسائی " باپ، بیٹا اور روح القدس " کی تثلیث مانتے ہیں ۔ ہندوؤں میں بھی توحید کا تصور پیدا ہو چکا تھا ۔ لیکن چونکہ انہوں نے مختلف دیوی دیوتاؤں کو بھی ایک ہی خدا کی مختلف صورتیں سمجھا اور بت پرستی کو بھی نہ چھوڑا اس لئے وہ موحد نہ کہلا سکے ۔

ثنویت، تثلیث اور شرک کی تردید اور بت پرستی کا مکمل استیصال اسلام نے کیا، ہرچند ظہور اسلام سے قبل بھی یہودیوں اور عیسائیوں میں توحید کا عقیدہ پایا جاتا تھا لیکن وہ اتنا صاف اور منزہ نہ تھا جو اسلام نے پیش کیا ۔

وحدت الوجود

(MONISM) توحید میں خدا کا تصور شخصی تصور ہے اور انسان و خدا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو صانع و مصنوع یا خالق و مخلوق میں ہونا چاہیے برخلاف اس کے وحدت الوجود یا عقیدہ ہمہ اوست کے مطابق روح اور مادے کی تفریق غلط ہے ۔ دنیا کی ہر شے خود خدا ہے اسی طرح جیسے قطرہ، حباب، جھاگ، لہریں وغیرہ پانی ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور اگر انسان کوشش کرے تو ■ بھی خدا ہو سکتا یا خدا سے مل سکتا ہے ۔ یہی فلسفہ وحدانیت ہے جسے سب سے پہلے ہندوؤں نے اپنشدوں میں پیش کیا اور پھر مسلمانوں نے اسے اختیار کیا اور اسلامی تعلیمات سے مل کر تصوف کی شکل میں ظاہر ہوا ۔

الحاد یا کفر

(ATHESIM) اس کے معنی ہیں خدا کے وجود سے انکار کرنا یا اسے نہ ماننا تاریخ مذہب شاہد ہے کہ پہلے انسان کثرت پرست تھا ۔ اس کثرت پرستی سے توحید پیدا ہوئی اور

۱۔ خدا کو صاحبِ صورت و صاحبِ صفات مانا جانے لگا۔

۲۔ پھر خدا کو بے صورت لیکن صاحب صفات مانا گیا۔

۳۔ اور تیسری منزل میں آکر خدا کو بے صورت اور بے صفت مانا گیا۔ بدھ اور چین مذہب میں خدا کا یہی تخیل پایا جاتا ہے اور یہ مذہب ملحد کہلاتے ہیں۔

الحاد کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بدھ اور چین مذہب کے وجود میں آنے سے پہلے یا ان کے زمانہ میں ہندو قدیم میں چارواک نامی ایک فرقہ تھا جو پکا ملحد تھا۔ اسی طرح اسلام نے بھی بڑے بڑے ملحد پیدا کئے ہیں۔ آخر میں یورپ اور امریکہ کا نمبر آیا جہاں اب اسکا اثر بڑھتا جارہا ہے۔ انکے علاوہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ خدا یا دوسری غیر مادی اشیاء کی ماہیت ہم جان ہی نہیں سکتے کیونکہ ہمارا ادراک اور تعقل محدود ہے اور یہ مسائل ہماری عقل کے لئے ناقابل فہم ہیں۔ اس عقیدہ کو لاادریت (AGOROSTICISM) کہتے ہیں۔



یہ آسمان کے دیوتا زیوس (یونانی) یا جوپیٹر (رومی)
کی تصویر ہے
آسمان کو مختلف اقوام نے خدا یا اس کا مسکن مانا ہے

ابتدائی اقوام کا مذہب

اس وقت بھی دنیا میں بعض قومیں ایسی پائی جاتی ہیں، جن کا تمدن قدیم حجری عہد کا ہے۔ یہ وہ قومیں ہیں جو اب سے تقریباً لاکھ سال قبل ترقی پذیر اقوام سے جدا ہو گئی تھیں اور ان کی ترقی رک گئی تھی ان کے عقائد کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین انسان کا مذہبی تصور وماحول کیا تھا۔

نیگریٹو اقوام

اس نسل کے لوگ جزیرہ فلپائن، انڈمان، سیلون، ملایا، آسٹریلیا، تسمانیہ اور افریقہ وغیرہ میں آباد ہیں اور تہذیب وشائستگی کی سب سے ادنی منزل میں ہے۔ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے مذہب کہا جاسکے یہاں تک کہ ان میں مظاہر پرستی بھی نہیں پائی جاتی۔ ان میں سے بعض روح کو "سایہ" کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی آدمی کا سایہ برقرار رہتا ہے۔

آسٹریلیا کے جنگلی باشندے نیگریٹو لوگوں سے ذرا اونچی سطح پر ہیں۔ ان میں بقائے روح کا واضح تخیل پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک ایسی اعلیٰ ہستی کے معتقد ہیں جسے سب کا باپ کہتے ہیں۔ مختلف قبائل میں اس کے مختلف نام ہیں ان میں ایک بائی بھی ہے جس کے معنی "بنانے والا" کے ہیں۔ اسے ایک بوڑھا شخص ظاہر کیا جاتا ہے جو پہلے زمین پر رہتا تھا۔ پھر آسمان پر سے کسی دوسری جگہ چلا گیا جہاں وہ اب بھی رہتا ہے اور انسانوں کی نگہداشت کرتا ہے اسی نے آسمان، زمین، انسان، جانور اور درخت پیدا کئے اور اسی نے انسانوں کو ہتھیار بنانا، جال بننا وغیرہ مختلف مشاغل حیات سکھائے۔

ڈاکٹر اے۔ ڈبلیو۔ ہووٹ (Dr. A.W. HOWITT) کا خیال ہے

"سب کے باپ" کا تخیل محض قبیلے کے بزرگ پر مبنی ہے اور ہیکٹر ہاٹن (HECTOR HAWTON) نے بھی اس خیال کی تردید کی ہے کہ آسٹریلیا کے قبائل میں خدا کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ کسی قوم میں خدا کا تصور پیدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں بادشاہ گزرے ہوں۔ اور آسٹریلیا میں بادشاہی تو درکنار سرداروں کا بھی پتہ نہیں ہے۔

میلانیشیا کے باشندے آسٹریلیا کے جنگلی باشندوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں یہ لوگ فیجی، نیوگنی اور جزائر سالومن وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان میں انسانی اور غیر انسانی روحوں اور دیوتاؤں کا ابتدائی تخیل موجود ہے وہ ایک خاص ہستی کے قائل ہیں جسے مانا کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی پراسرار قوت ہے۔ جو انسانوں، حیوانوں، درختوں، الغرض کائنات میں ہر جگہ مخفی ہے اور ساری کامیابی، صحت اور مادی خوش حالی اس غیر مرئی قوت کا نتیجہ ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ مانا اگر طوفان روک سکتا ہے تو اسے لانے پر بھی قادر ہے ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مردوں کی روحیں یکسر مانا ہوتی ہیں۔

پالی نیشیا کے لوگ میلانیشیا کے لوگوں سے زیادہ اونچی سطح پر ہیں تاروآان کا خاص معبود ہے۔ جو خالق ہے وہ کائناتی بیضہ کی تاریکی میں چھپا تھا۔ جسے توڑ کر وہ باہر آیا(۱) اور کچھ عرصہ تک جنت تنہا رہا پھر اس نے ایک عورت کو پیدا کیا جس کی مدد سے اس نے زمین، آسمان اور سمندر کو بنایا بعض روایات کے مطابق اس نے زمین کو مچھلی کی طرح کانٹے سے پکڑ کر سمندر کی گہرائی سے باہر نکالا۔ پھر اس نے کچھ لال مٹی لے کر انسان بنایا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے آدمی پر گہری نیند بھیجی اور اس کی ایک ہڈی نکال کر عورت بنائی۔ یہ روایت غالباً عیسائی تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

پروفیسر میکس ملر (PROF. MAX . MULLER) افریقی مذہب کے عناصر اعلیٰ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اگر ہم افریقی اقوام کو توحید کا قائل مانیں تو اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ توحید کی حدوں سے بہت قریب ہیں۔"

اوجی (OD JI) یا اشانتی (ASHANTI) قبائل کے نزدیک آسمان

سب سے بڑا معبود ہے جسے وہ شخصی، خدا، خالق اور تمام اچھائیوں کا مالک مانتے ہیں۔ تاہم دنیا کی حکومت اس نے اپنی پیدا کی ہوئی روحوں کے حوالے کردی ہے۔ جو پہاڑوں، وادیوں، جنگلوں، دریاؤں اور سمندروں میں رہتی ہیں ان میں سے بعض سعید ہیں اور بعض خبیث۔ ان میں ایک بدترین روح کا تصور بھی پایا جاتا ہے جو انسانوں کی دشمن ہے اس کا مقابلہ ہم شیطان سے کرسکتے ہیں۔

ییبوٗ(YEBU) لوگ خدا کی یوں حمد کرتے ہیں:۔

"آسمان کے خدا بیماری اور موت سے ہماری حفاظت کر اے خدا ہمیں خوشی اور دانش عطا کر"

یوروبا(YORUBA) لوگ بھی آسمان کے خدا میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ جسے اولورون(OLORUN) کہتے ہیں۔

آکرا (AKRA) لوگوں میں سب سے بڑے دیوتا کا نام جونگ مار (JONGMAA) ہے جس کے معنی "بارش کے دیوتا" کے ہیں۔ غالباً یہ نیونگ مو (NYONGMO) کی بدلی ہوئی صورت ہے جو گولڈ کوسٹ پر خدا کا نام ہے۔ وہاں اس کے معنی آسمان کے ہیں جو ہر جگہ ہمیشہ سے موجود ہے۔

گولڈ کوسٹ کے نیگرو لوگوں میں بہت پرانے زمانہ سے نیونگ مو کو خدائے برتر و بزرگ مانا جاتا ہے۔ جس نے دنیا کو بنایا اور اس پر حکومت کرتا ہے اسے وہ "ہمارا بڑا دوست" یا " جس نے ہمیں بنایا" کہتے ہیں۔ کسی بڑی مصیبت کے وقت ان کے منہ سے یہی نکلتا ہے کہ:۔

ہم خدا کے ہاتھوں میں ہیں وہ جو مناسب سمجھے گا کریگا۔" یا

"خدا قدیم ہے"

"وہ سب سے بڑا ہے"

"وہ مجھے دیکھتا ہے"

"میں اس کے ہاتھوں میں ہوں"

ماکوا(MAKUA) لوگوں میں خدا، آسمان اور بادل کے لئے ایک ہی نام

ہیں۔ خرطوم سے تقریباً تین سو میل جانب جنوب ڈنکا(DINKA)[2] لوگ آباد ہیں ان لوگوں میں خدا کو ڈینگ ڈٹ (DENGDIT) کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی ہیں "بارش عظیم" اس کا دوسرا نام ہے نیالچ(NYALICH) جس کے معنی ہیں "اوپر کا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بارش کا دیوتا ہے۔ اور آسمان اس کا مقام ہے اس دنیا کا خالق اور اس کے نظام کا بانی بھی مانا جاتا ہے۔

داھومی (DAHOMEY) میں سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا ہے۔ لیکن اس کی پرستش نہیں کی جاتی۔ کیمیرون (CAMERUNS) کے دوالھا (DUALLAHS) لوگوں میں خدا کے لیے وہی نام ہے جو سورج کا ہے۔ آکرا لوگ طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کی پرستش کرتے ہیں۔

ابو (IBU) لوگ دنیا کی بنانے والی ایک ہستی میں اعتقاد رکھتے جسے تشو کو (TSHAKO) کہتے ہیں اس کے دو آنکھیں اور دو کان ہیں جن میں سے ایک زمین پر ہے اور ایک آسمان پر۔ وہ غیر مرئی ہے اور کبھی نہیں سوتا۔ وہ سب کچھ سنتا ہے لیکن انہیں کے قریب جاتا ہے جو اس کے پاس آتے ہیں۔ نیک لوگ اسے مرنے کے بعد دیکھیں گے اور برے لوگ آگ میں جائیں گے۔ بش مین(BUSHMAN) بھی خدا میں اعتقاد رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ:۔

"اسی نے سب چیزیں بنائی ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں"۔

اسی طرح زولو(ZULO) لوگ بھی خالق میں یقین رکھتے ہیں۔

امریکہ مغربی اقوام کے یورپ میں آباد ہونے سے قبل وہاں جو لوگ آباد تھے وہ امریکن ہندی کہلاتے تھے۔ کولمبس نے جب امریکہ کا سپتہ لگایا۔ تو یہ سمجھا کہ میں ہندوستان پہونچ گیا ہوں اس لئے وہاں کے باشندوں کو جن کا رنگ سرخی مائل تھا۔ اس نے سرخ ہندی کہا اور تب سے یہ نام مشہور ہو گیا۔ امریکن ہندی مختلف قبائل میں منقسم ہیں اور اب ان کی نسل فنا ہونے کے قریب ہے۔ ان میں ٹوٹم پرستی اور جادو ٹونے کے سوا میلانیشیا کے مانا کی طرح ایک روحانی قوت کا اعتقاد پایا جاتا ہے جسے الگان کوئی(ALGONQUIAN) زبان میں مانیتو(MANITU) کہتے ہیں۔ یہ

لفظ ہر فوق البشر قوت حتیٰ کہ ریل اور موٹر کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ ساؤک، دلاورے اور دوسرے الگان کوئی قبائل میں خالق اور دوسری فوق الفطرۃ ہستیوں کو بھی مانیتو کہا جاتا ہے دلاورے لوگوں میں خالق کے لئے ایک خاص نام ہے ۔ کیتا ستووت، جس کے معنی "طاقت عظیم" کے ہیں ۔

اراکوئی (IRAQUOIS) لوگوں میں مانیتو اورینڈا (ORENDA) ہے جسے طلسمی قوت سمجھا جاتا ہے ۔ سو (SIAUX) کے لوگ فوق الفطری قوت کو واکن (WAKAN) یا واکنڈا (WAKANDA) کہتے ہیں ۔ مثلاً واکنڈا تلوار کے معنی ہیں "بہت تیز تلوار" الغرض خالق کے بارے میں یہ قبائل کوئی خاص تصور نہیں رکھتے ۔





۱ ۔ اس سے ملتی روایات ہندوستان اور چین میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے ممکن ہے کہ ماضی بعید میں ان ممالک کے بعض لوگ نیشیاپہو پہنچے ہوں اور ان کے ساتھ یہ روایت بھی گئی ہو ۔

2 - Encyclopaedia of Religion And Ethics VAL 4 "

" Dinka

عہد قبل تاریخ کا مذہب

بائبل میں آدم اور ان کی نسل کا جو شجرہ دیا ہے اس کو سامنے رکھ کر پادری آثر نے ظاہر کیا تھا کہ ہماری دنیا ۴۰۰۴ ق ۔ م ۲۶ اکتوبر کو ۹ بجے عالم وجود میں آئی ۔ لیکن تحقیقات جدیدہ نے اس خیال کو بالکل لغو ثابت کر دیا ہے ۔

نظریہ ارتقاء کے مطابق انسان اور انسان نما بندر (چمپنیزی ، اورنگ ، گوریلا اور گبن وغیرہ) دونوں کا مورث اعلیٰ ایک تھا ۔

قدیم ترین انسانوں کی ہڈیاں چین (پیکنگ) اور جاوا میں ملی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اب سے پانچ لاکھ سال پہلے پایا جاتا تھا ۔ جنوبی انگلستان اور جرمنی میں جن انسانوں کی ہڈیاں ملی ہیں ان سے بھی انسان کا پچاس ہزار سال پہلے پایا جانا ظاہر ہوتا ہے ۔ ان ہڈیوں کا معائنہ کرنے کے بعد ماہرین نے یہ معلوم کیا ہے کہ وہ سیدھے نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور جھکے جھکے چلتے تھے ۔ ان کی ٹھوڑیاں نہ تھیں اور غالباً وہ باتیں بھی نہ کر سکتے تھے ۔ بہ ایں ہمہ انہوں نے آگ کا استعمال معلوم کر لیا تھا ۔ آگ کو غار کے سامنے جلا کر درندوں کو دور رکھا جاتا تھا ۔ ان کی غذا جانوروں کا گوشت تھا جنہیں لکڑی یا چقماق کے بھدے ہتھیاروں سے مارتے تھے ان کا لباس جانوروں کی سکھائی ہوئی کھالیں تھیں ۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ دریاؤں کے کنارے رہتے تھے اس لئے کہ ان کے پاس پانی لے جانے کے لئے برتن نہ تھے ۔ حفاظت کے خیال سے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں رہتے تھے ہر گروہ کا ایک سردار ہوا کرتا تھا اور جب وہ کمزور ہو جاتا تو کوئی اور اسے مار کر اس کی جگہ لے لیتا ۔ اس کے بعد یورپ میں جو انسان ظاہر ہوئے ہیں انہیں مکمل انسان (HOMOSOPIENS) کہتے ہیں ۔ جو اب سے تقریباً ۲۵۰۰۰ سال پہلے شمالی افریقہ یا جنوبی ایشیا سے ہجرت کر کے آئے تھے ۔ ان کے آثار

فرانس میں پائے جاتے ہیں۔ انکی بنائی ہوئی تصویریں اسپین اور فرانس کے تقریباً ۳۰
غاروں میں موجود ہیں۔ جن سے ان کے مذہبی عقائد پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔ عموماً
تصاویر کو غار کے دہانہ سے بہت اندر کی طرف بنایا گیا ہے۔
(LESCOMBARELLES) کے غار میں تصاویر کی تعداد ۴۰۰ سے اوپر ہے۔
عالموں کا خیال ہے کہ یہ تصاویر جانوروں کی افزائش کے لیے بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ
اب بھی بعض نیم مہذب اقوام اس اصول پر کار بند ہیں۔ ایک سیاح نے وسطی
آسٹریلیا کے ایک قبیلے کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کسی چٹان پر ایک خاص قسم کے کیڑوں
کی تصویریں بناتے ہیں جسے وہ کھاتے ہیں اور پھر ان کے سامنے گا کر افزائش نسل کی التجا
کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے قبیلے کے لوگ جن کی خوراک ایمو نامی پرندہ ہے۔
اس کی افزائش کے لئے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے خون سے زمین کو رنگتے
ہیں اور پھر اس پر ایمو اور اس کے انڈوں کی تصویریں بنا کر بعض رسوم ادا کرتے ہیں
اور یہ رسوم عورتوں سے چھپا کر ادا کی جاتی ہیں۔ اس لئے بالکل ممکن ہے کہ عہد قدیم
کا انسان بھی غار کے بعید ترین حصوں میں اس لئے تصویریں بناتا ہو کہ وہاں تک
عورتیں نہ پہونچ سکیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کا مذہب صرف جادو ٹونا تھا اور اس کا ثبوت
جادوگر کی تصویر سے ملتا ہے جس میں اسے بارہ سنگھے کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔

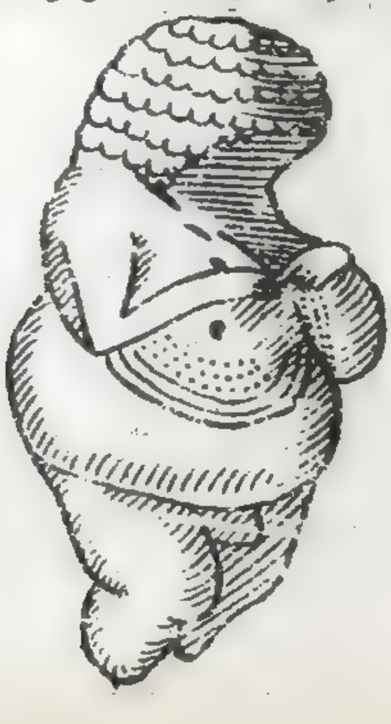
غاروں میں انسانی تصاویر بہت کم پائی گئی ہیں۔ انسانی تصاویر میں سب سے
اہم (COUGL) کا ایک نقش ہے جس میں نو عورتوں کو ایک جانور کے گرد رقص
کرتے دکھایا گیا ہے۔



یہ تصویریں جس رقص کا منظر پیش کرتی ہیں ۔ اس کا تعلق جانوروں کی افزائش نسل کی مذہبی رسم سے معلوم ہوتا ہے ۔ بعض جانوروں کے سینگوں پر بھی ایسی انسانی تصاویر پائی گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم انسان کے نزدیک افزائش نسل کو بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ مثلاً نیچے کی تصویر میں ایک مرد کو دکھایا ہے اور دوسری تصویر ایک حاملہ عورت کی ہے ۔

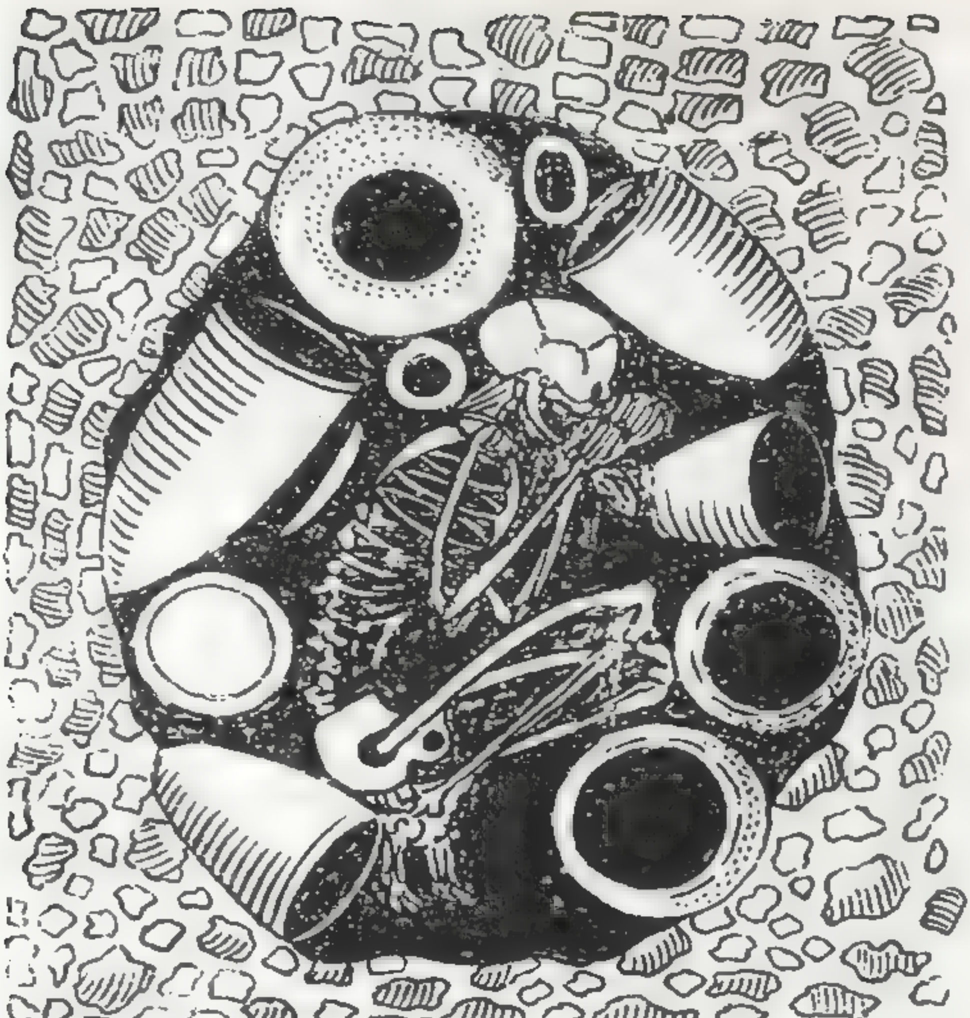


اسی زمانہ میں "مادہ پرستی" کا بھی پتہ چلتا ہے نیچے کا مجسمہ آسٹریا میں ملا تھا ۔ اس میں ایک گھونگر والے بالوں والی عورت کو اپنی چھاتیوں کو دباتے دکھایا گیا ہے ۔ گویا وہ دودھ نکال رہی ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ "ماں" ہے ایسے بت تمام ان ممالک میں پائے گئے ہیں جہاں "اور پرستی" کا رواج پایا جاتا تھا لیکن اس ماں سے مراد انسانی مائیں نہ تھیں بلکہ "مادر فطرت" تھی جو انسانوں کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرتی ہے



زمانہ قدیم میں "مادہ پرستی" امریکہ تک پہونچ چکی تھی۔ چنانچہ وہاں کی بعض نیم مہذب اقوام میں اس کے آثار باقی ہیں مثلاً زونی قوم کا عقیدہ تھا کہ زمین سب کی ماں ہے جس طرح ماں دودھ پلاتی ہے اسی طرح زمین انسانوں کے لئے پانی مہیا کر دیتی ہے اور صحرائی پیداوار جو حقیقتاً جسم زمین کا گوشت ہے غذا کا کام دیتا ہے۔ کلاماتھ کے وحشی کہتے ہیں کہ زمین کی ماں اپنے بچوں یعنی انسانوں کو غلہ اور پھل وغیرہ کی صورت میں بڑے بڑے انعام دیا کرتی ہے جھیلیں اس کی آنکھیں ہیں اور پہاڑ اس کا سینہ۔ جن سے نہروں اور دریاؤں کی صورت میں دودھ جاری رہتا ہے (۱) غالباً ایسے ہی خیالات عہد قبل تاریخ کے یورپ میں پائے جاتے تھے۔ اور پھر ماضی بعید کی یورپی اقوام سے بحیرہ روم کے ممالک مثلاً ایشیائے کوچک، مصر، عراق وغیرہ پہونچے۔ اور بتدریج یہ سلسلہ وادی سندھ اور وسط ایشیاء تک پہونچ گیا۔ چنانچہ ان تمام مقامات پر ایسی دیویوں کے بت بکثرت پائے گئے ہیں جو اپنے ہاتھ سے سینے کو دبا رہی ہیں۔ (یا محض سینے پر رکھے ہیں) گویا دودھ نکال رہی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندو علم اساطیر میں ایک ایسی دیوی کی تصویر موجود ہے جو اپنے ہاتھوں سے چھاتیوں کو دبا رہی ہے اور ان سے دودھ کی دھاریں نکل نکل کر فرش پر گر رہی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مادر فطرت یا "دھرتی ماتا" ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ عہد قبل تاریخ میں مذہب کی بنیاد تو پڑ چکی تھی۔ لیکن وہ جادو ٹونے کی حد سے آگے نہ بڑھا تھا البتہ "مادر فطرت" کا تخیل ضرور ایک بلند چیز تھا۔ لوگ "حیات بعد ممات" کے بھی قائل تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد روح برقرار رہتی ہے اور مردے کو کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے اس خیال سے اور نیز اس ڈر سے کہ کہیں مردے کی روح زندوں کو اپنے سامان کے لیے پریشان نہ کرے اس کا سب سامان بھی ساتھ ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا جیسا کہ نیچے کی تصویر میں دکھایا ہے:۔



مردوں کو دفن کرنے کا ایک خاص طریقہ تھا یعنی لاش کو اسی طرح لٹاتے تھے جس طرح بچہ پیدا ہوتا۔ ٹانگیں موڑ کر پیٹ سے لگا دی جاتی تھیں اور ہاتھوں کو موڑ کو ٹھوڑی سے ملا دیتے تھے۔

عہد قبل تاریخ کے بارے میں جتنا اچھا علم ہمیں یورپ کے بارے میں حاصل ہے۔ اتنا دوسرے ملکوں کے بارے میں نہیں اور اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ یعنی یورپ والوں نے جتنی تحقیقات اپنی سرزمین کے بارے میں کی ہے اتنی دوسرے ملکوں

میں نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال جو کچھ تحقیقات ہوئی ہے اس کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیگر ممالک میں بھی قدیم اور جدید عصر حجری میں وہی معتقدات تھے جو یورپ میں ان ادوار میں پائے جاتے تھے۔

۱۔ مولانا نیاز فتح پوری گہوارہ تمدن صفحات ۲۱۳ - ۲۱۴

قدیم عراق کا مذہب

عہد قبل تاریخ کے مذہبی عقائد پر تبصرہ کرنے کے بعد اب ہم تاریخی زمانہ کے ان مذاہب کو لیتے ہیں جو فنا ہو چکے ہیں۔

زمانہ قدیم میں تمام وہ ممالک جو خط سرطان کے شمال میں واقع ہیں نہایت ہی عالیشان تہذیبوں کے گہوارہ تھے پرانی دنیا میں وادی سندھ، وادی فرات اور وادی النیل گویا ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ مصر کے شمال میں کریٹ۔ یونان اور روم کے ممالک نے بالترتیب عروج حاصل کیا ہندوستان کے شمال میں چین نے بڑی ترقی کی۔ نئ دنیا میں صرف وسط امریکہ (میکسیکو) ایک اہم تہذیب کا مرکز بن سکا اور جنوبی امریکہ میں سرو نے ایک مہتم بالشان تہذیب پیدا کی۔

رومہ و یونان اور چین کو چھوڑ کر بقیہ ملکوں کی پرانی تہذیبیں مٹ چکی تھیں۔ ان کا تمدن ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا تھا یہاں تک کہ مغرب کے بعض لوگوں نے اس طرف توجہ کی اور یکے بعد دیگرے انہیں کھود نکالا۔ اس کھدائی کے سلسلے میں بہت سے کھنڈر نکلے اور ان کھنڈروں میں بہت سے کتبے نکلے کھنڈروں سے ہمیں معلوم ہوا کہ مختلف زمانوں میں فن تعمیر کی کیا صورتیں تھیں اور سامان سے یہ معلوم ہوا کہ مختلف عہدوں میں انسان کس طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ کتبوں کا رسم الخط اور زبان آج کل سے بالکل جدا تھی ان پر عبور حاصل کرنے سے ہمیں قدماء کے مذہب اور علمی مشاغل کا علم حاصل ہوا۔ اور آج ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ زمانہ ماضی کی تاریخ نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔ مذاہب قدیمہ میں معبود کا تخیل کیا تھا؟ یہ اسی تاریخ کا ایک سوال ہے جس کا جواب آپ آئندہ صفحات میں پائیں گے۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے تک اس بارے میں اختلاف آراء تھا کہ دنیا کا سب سے پرانا تمدن کون ہے۔ بعض علماء مصری تہذیب کو سب سے زیادہ قدیم مانتے تھے لیکن اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ عراق کی تہذیب مصری تہذیب سے پرانی ہے۔ عراق میں ۷۰۰۰ ق۔م کے مکانات برآمد ہوئے ہیں اور گیہوں کی کھیتی کے نشانات ملے ہیں۔

عراق کے سب سے پرانے باشندے سمیری تھے۔ یہ لوگ کہاں سے ہجرت کر کے آئے تھے؟ نسلی اور لسانی اعتبار سے ان کا تعلق کس گروہ سے تھا؟ اس کی پوری تحقیق ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔ ان کے عروج کا زمانہ ۳۵۰۰ سے ۳۰۰۰ ق۔م ہے۔

عراق کا جنوبی حصہ سمیریہ اور شمالی حصہ اکاد کہلاتا تھا۔ اکاد میں سامی قوم آباد تھی۔ جو جزیرہ نمائے عرب سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ اس کا سب مشہور حکمران سارگون اول (زمانہ ۲۷۵۰ ق۔م) تھا۔ جس نے سمیری ریاستوں کو زیر کر کے سامی حکومت قائم کی۔

شاہان اکاد کے زوال کے بعد شہر بابل نے عروج حاصل کرنا شروع کیا بابل (باب ایل) کے معنی ہیں "خدا کا دروازہ" اس کا پہلا بادشاہ حمورابی (۲۲۰۰ ق۔م) تھا۔ اس کی حکومت رفتہ رفتہ اکاد کی پوری مملکت پر پھیل گئی اور اس کا نام بجائے اکاد کے بابل پڑ گیا۔ بابل کے لوگ بھی سامی النسل تھے۔

وادی دجلہ و فرات کا شمالی حصہ آشوریہ یا اسیریا کہلاتا تھا۔ یہ نام ان کے مشہور شہر آشوریہ سے ماخوذ ہے۔ خود اس شہر کا نام ان کے دیوتا کے نام پر رکھا گیا تھا۔

سمیری قوم کا مذہب مناظر فطرت کی پرستش تھا۔ اور اس سلسلہ میں بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ شاماں پرستی (SHAMANISM) کا بھی رواج تھا۔ شاماں پرستی کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ اس دنیا کی حکومت سعید اور خبیث روحوں کے ہاتھ میں ہے۔ جنہیں سحر و افسوں سے قابو میں کرنا ضروری ہے۔

سمیری معبودوں میں سب سے بڑے تین دیوتا تھے۔

۱۔انو۔آسمان کا دیوتا۔

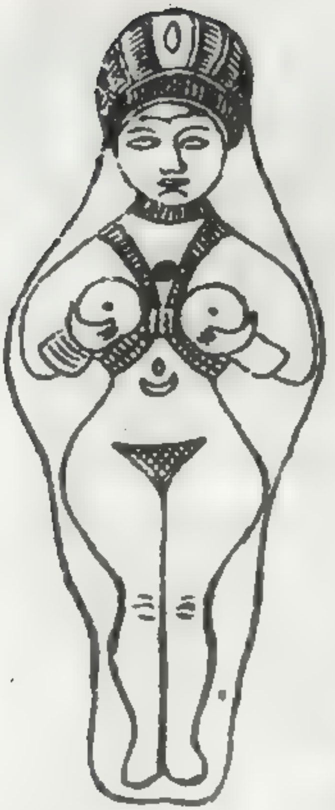
۲۔اینلل۔فضاء اور زمین کا دیوتا۔

۳۔ایا۔پانی کا دیوتا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عراق میں پہلے امہاتی نظام کا دور دورہ تھا۔اور دھرتی ماتا کی پرستش ہوا کرتی تھی جسے نینا یا نانا کہتے تھے۔اس کا خطاب "مقدس پہاڑ کی ملکہ" تھا گویا وہ ہندوؤں کی پاربتی کی مقابل تھی جنھیں ہمالیہ پربت کی لڑکی مانا جاتا ہے۔اسی طرح کریٹ کی دھرتی ماتا کو بھی پہاڑ پر کھڑے دکھایا جاتا تھا۔

اس کے بعد جب امہاتی نظام کی جگہ ابوی نظام نے لی تو نانا دیوی کی جگہ پانی کے دیوتا ایا کو مل گئی اور نانا یا نینا کو اس کی بیٹی قرار دیا گیا۔ پہلے نانا دیوی کا بت یا جاتا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چھاتیوں کو دبا کر دودھ نکال رہی ہے۔بعد میں اس عریانیت کو چھپانے کیلئے اس کے ہاتھ میں ایک ایسا لوٹا دکھایا جانے لگا جس سے پانی ابل ابل کر باہر نکل رہا ہے۔اور پھر یہی لوٹے ایا دیوتا کے ہاتھوں میں دکھائے جانے لگے۔







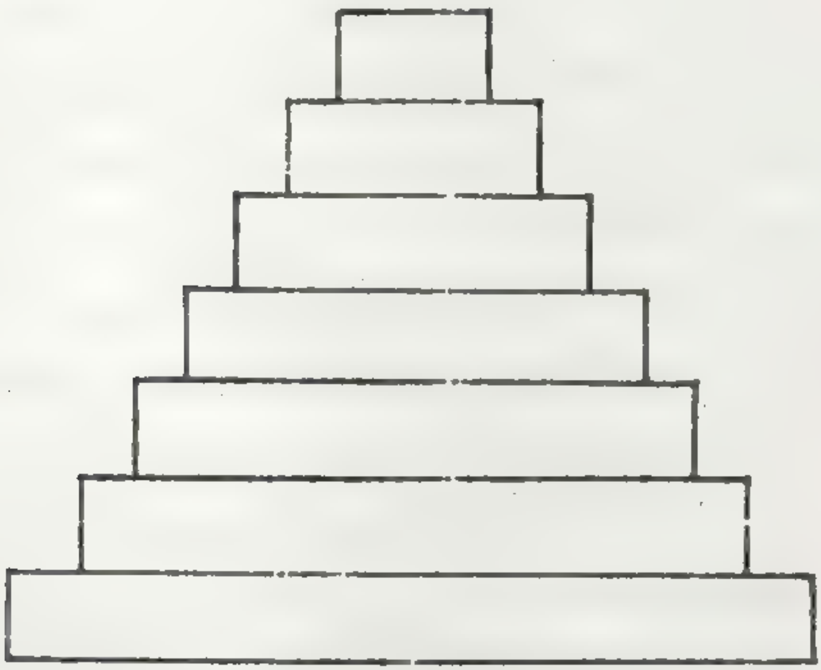
شاید سمیری قوم کسی پہاڑی مقام سے ہجرت کر کے آئی تھی اور چونکہ جنوبی عراق میں پہاڑ نہ تھے اس لئے وہ اپنے مندروں کو مصنوعی پہاڑوں پر بنایا کرتی تھی ۔ انھیں زگورات کہتے تھے ۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ ایسے ہی مندر میکسیکو میں بھی ملے ہیں ۔

بابلی و آشوری اقوام: ۔ ہر چند بعد کو سمیری قوم کا سیاسی حیثیت سے زوال ہو گیا لیکن اس کے تمدنی اثرات باقی رہے ۔ کیونکہ سامی قوم نے سمیری تمدن اختیار کر لیا تھا ۔ شاماں پرستی کا اثر بابل کے ادنیٰ طبقے میں اس کے وجود تک باقی رہا ۔ اسی طرح بابلی معبود فی الواقع وہی تھے جو سمیری قوم کے تھے ۔

بابل والوں میں دوہری تثلیث پائی جاتی تھی ، پہلی تثلیث آسمان ، زمین اور پانی کے دیوتاؤں پر مشتمل تھی ۔ جن کے نام بالترتیب انو ، بیل (سمیری قوم کا انیلل)

اور ایا تھے۔ دوسری مثلیث، سورج، چاند اور زہرہ سیارے پر مشتمل تھی سورج اور چاند کے دیوتاؤں کے نام بالترتیب شماس (شمس) اور سین تھے۔ زہرہ سیارے کا نام اشتر دیوی تھا۔ یہ چھ معبود بابل والوں کے مذہب کی بنیاد تھے ان کے علاوہ دیگر سیاروں کے بھی دیوتا تھے۔

سیارہ پرستی کی سب سے حیرت انگیز یادگار بارسپ (موجودہ برس نمرود) کا "مندر ہفت سیارگان" ہے جسے مینبو کد نیزو بخت نصر، نے ۶۰۰ ق۔م میں بنوایا تھا۔ اس کے باقی ماندہ آثار سے پتہ لگایا گیا ہے کہ اس کی اونچائی اپنی اصلی حالت میں ۱۵۶ فٹ رہی ہوگی۔ یہ مندر سات منزلوں کی صورت میں تھا۔ جو بتدریج نیچے سے اوپر کو چھوٹی ہوتی چلی گئی تھیں۔ ہر منزل ایک دیوتا یا سیارے سے منسوب تھی اور اسی مناسبت سے اس کا رنگ بھی تھا:۔



نقرئی	(قمر)	سین دیوتا
نیلگوں	(عطارد)	نبو دیوتا
زرد	(زہرہ)	اشتر دیوی
طلائی	(شمس)	شماس دیوتا
سرخ	(مریخ)	نرگل دیوتا
نارنجی	(مشتری)	مردک دیوتا
سیاہ	(زحل)	نِنب دیوتا دیاآؤ

یہ مندر دراصل سمیری قوم کے "زگورات" کی نقل تھی اور غالباً انھیں مندروں سے برج بابل کا تخیل پیدا ہوا۔ جس کا کتاب پیدائش میں ذکر ہے۔

بابل کے ہر دیوتا کے کئی پہلو تھے۔ مثلاً سورج دیوتا کی طلوع و غروب کے لحاظ سے دو صورتیں تھیں۔ اشتر دیوی کے بھی دو روپ تھے۔ جب زہرہ سیارہ شام کو طلوع ہوتا تو اسے جنسی محبت کی دیوی مانتے اور جب صبح کو طلوع ہوتا تو جنگ و جدل کی دیوی۔ ایسے ہی دمن کی دو حیثیتیں تھیں ایک تو بجلی کا دیوتا اور دوسرے بادل کی گرج کا دیوتا۔ دیوتاؤں کے اہل و عیال بھی تھے اور خدمت گار روحیں بھی۔ الغرض بابل والوں کا مذہب ظاہرا کثرت پرستی تھا۔ لیکن جب ہم دیوتاؤں کے کاموں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں تھیں۔

ان کے یہاں ہر ہر شہر کا ایک خاص دیوتا ہوتا تھا۔ ہر شہر کے الگ الگ پروہت ہوا کرتے تھے جو اپنے ہی معبود کے گن گاتے۔ لڑائیوں میں جب کوئی شہر غالب آجاتا تو اس کا دیوتا بھی وقتی طور پر غالب مانا جاتا۔ چونکہ ہر شہر کا دیوتا الگ تھا اور لوگ اپنے شہر کے سوا دوسرے شہروں کے معبودوں سے غرض نہ رکھتے تھے اس لئے

بابل والوں کے مذہب کو کثرت پرستی کے بجائے توحید ناقص کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

بابل والوں کے بعد جب اسیریا کے لوگوں نے عروج حاصل کیا تو انھوں نے اپنے سرپرست دیوتا اشور(ASHUR) کی ذات سے تمام وہ تصورات وابستہ کر دیئے جو خدا کی صفات کہے جا سکتے ہیں۔ ان کی بے نظیر فوجی کامیابی کی وجہ سے بابل والوں کے تمام دیوتاؤں کی صفات بھی صرف اس ایک دیوتا میں مرکوز ہو گئیں یا اسے ان تمام قوتوں سے متصف مانا گیا جو بابل والے اپنے دیوتاؤں میں دیکھتے تھے۔ اشور، اسیریا والوں کا واحد قومی دیوتا تھا۔ اس دیوتا کی پرستش توحید سے زیادہ قریب تھی اور کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اشور بنی اسرائیل کے خدا یہوواہ(JEH0VAH) کے مماثل تھا شاہان اسیریا، اشور کے سوا بہت کم دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان دوسرے دیوتاؤں کا بھی اشور سے الگ وجود نہ تھا۔

اشور کی پرستش اور اسرائیل کے یہوواہ کی پرستش میں بڑا فرق ہے۔ اسرائیل میں بادشاہ کے علاوہ اعلیٰ پروہتوں کا ایک علیحدہ طبقہ تھا۔ لیکن اشور کا سب سے بڑا پروہت خود بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ ان کی دعاؤں اور مناجاتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے تمام دیوتاؤں میں کسی قوت برتر کا نفوذ و اثر ضرور تسلیم کرتے تھے۔ مثلاً:۔

سین (چاند دیوتا) کا ترانہ حمد ہے:۔

"آسمان میں افضل کون ہے؟ صرف تو ہی افضل
ہے جب تیرا حکم زمین پر سے گزرتا ہے تو وہ سبب
ہوتا ہے پودوں کے اگنے کا۔
تیرے حکم سے اصطبل اور غلے کے گودام بھر جاتے
ہیں۔
اس سے جانداروں کی افزائش ہوتی ہے"

مناجات کا یہی زور ذیل کے نغمہ حمد میں پایا جاتا ہے جس کا مخاطب بابل کا سورج دیوتا مردوک ہے لیکن اس میں تخلیقی طاقت کے بجائے قہرمانی قوت کا تذکرہ ہے

"تیرا حکم ایک حکم رفیع ہے جو تو آسمان و زمین پر
شائع کرتا ہے۔
" سمندر کی طرف رجوع ہوتا ہے اور سمندر پیچھے ہٹ
جاتے ہیں ہیں۔
وہ کھیتوں کی طرف رجوع ہوتا ہے اور مرغزار ماتم
کرتے ہیں۔
وہ فرات کی پرجوش طغیانی کی طرف رجوع ہوتا ہے
اور مردوک کا حکم اسے پانی کا گڑھا بنا دیتا ہے۔
اے آقا تو افضل ہے۔ تیرا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟

گناہ سے دیوتا ناراض ہو جاتے تھے۔ لیکن وہ اپنے تائب بندوں پر رحیم و مہربان بھی ہو جاتے تھے۔ ہر انسان کی پیدائش ایک الہیٰ فعل تھا اور انسان من حیث القوم خدا کی خاص مخلوق تھے۔ ذیل کی مناجات گناہ کے ارتکاب اور دیوتاؤں کی قوت عفو کی مظہر ہے:۔

"جو اپنے دیوتا سے نہیں ڈرتا وہ نرکل کی طرح کٹ
جاتا ہے۔
جو اشتر دیوی کی عزت نہیں کرتا اس کے اعضاء سڑ کر
گر جاتے ہیں۔ وہ آسمان کے ستاروں کی طرح غائب
ہو جاتا ہے۔ وہ رات کے پانی کی طرح پگھل جاتا ہے

الہیٰ قوت رحمن و رحیم تھی اور سچا تائب اپنے دیوتا سے معافی کی توقع کر سکتا تھا۔

"میں اپنے رحم دل دیوتا سے رجوع کرتا ہوں اس کی

مدد چاہتا ہوں اور آہیں بھرتا ہوں۔
جو فعل بد میں نے کئے ہیں، ہوا انھیں اڑا لے جائے۔
میرے گناہوں کو کپڑے کی طرح پھاڑ ڈال۔"

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ ہر دیوتا کو انفرادی طور پر سب سے بڑا سمجھتے تھے ان کے نزدیک ہر دیوتا کا نام سچے اور واحد خدا کا نمائندہ تھا۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہ وہ ان سب میں ایک ہی خدا کی قوت کو کارفرما پاتے تھے۔

مصر قدیم کا مذہب

مصر کی تاریخ نہایت وسیع ہے۔ مینس نے ۳۴۰۰ ق م پہلے حکمران خاندان کی بنیاد ڈالی ۳۳۲ ق ۔ م جب سکندر نے مصر کو اپنی مملکت میں شامل کیا تو اس وقت مصری النسل حکمرانوں کے ۳۱ ویں خاندان کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد یونانی، رومی اور مسلمان حکمرانوں نے مصر پر حکومت کی۔ چونکہ اہل یونان و روم بت پرست تھے لہذا ان اقوام کی حکومت کے زمانہ تک مصر کا قدیم مذہب زندہ رہا لیکن مصر میں اسلامی اقتدار قائم ہونے کے بعد اسکا خاتمہ ہو گیا۔

حیوان پرستی

تاریخی زمانہ سے قبل مصر کا ملک چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر حصے کو "نوم" کہتے تھے۔ اور ہر نوم کو ایک الگ "ٹوٹم" یا حیوانی دیوتا تھا۔ جب انسانی صورت وصفات والے دیوتاؤں کی پرستش شروع ہوئی تو انسانی جسم پر حیوان کا سر لگا کر "مرکب معبود" بنائے گئے۔ غالباً ابتداء میں مصریوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ فی الحقیقت دیوتاؤں کی یہی صورت ہے بلکہ اسے محض رمز و کنایہ سمجھا جاتا تھا بعض مذہبی رسوم میں پروہت جانوروں کے مصنوعی چہرے لگا کر دیوتاؤں کا پارٹ ادا کیا کرتے تھے اس کا مقابلہ ہم تبت کے مذہبی ناچوں سے کر سکتے ہیں۔

اگرچہ اہل مصر، تمدن کے دوسرے شعبوں میں کافی ترقی کر گئے تھے لیکن مذہب کے معاملہ میں بہت پیچھے تھے۔ ان میں کثرت پرستی انتہا کو پہونچ گئی تھی۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ اہل مصر کے تقریباً دو ہزار دو سو معبود تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص جانور تھا۔ مصری معبودوں اور ان کے مخصوص جانوروں کی ایک مختصر فہرست

یہ ہے۔

۱۔اوسریز دیوتا (بیل)
۲۔ہورس دیوتا (باز)
۳۔سیت دیوتا (گدھا)
۴۔انوبیس دیوتا (گیدڑ)
۵۔پتاح دیوتا (گبریلا)
۶۔تھوتھ دیوتا (لقلق)
۷۔سیبک دیوتا (مگر)

۱۔آئی سیس دیوی (گائے)
۲۔ہاتھور دیوی (گائے)
۳۔باست دیوی (بلی)
۴۔مینتھ دیوی (گدھ)
۵۔رانوت دیوی (سانپ)
۶۔سرک دیوی (بچھو)
۷۔سیخنیت دیوی (شیرنی)

ان میں سے بیشتر کا جسم انسان کا اور سر حیوان کا تھا۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ مصر کے تمام وہ دیوتا جن کے حیوانی سر تھے مصر والوں کے اپنے تھے اور جن کے سر حیوان کے نہ تھے وہ باہر سے آئے تھے۔ چنانچہ اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ اوسیرز اور آئی سس کی پرستش ملک شام سے آئی تھی اسی طرح پتاح جس کا سر انسان کا بنایا جاتا تھا سامی قوم کا معبود تھا، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اس کے نام کے معنی "کھولنے والے" کے ہیں۔ (عربی مفتاح بہ معنی "کنجی")

مصر والوں کا عقیدہ تھا کہ دیوتا مختلف جانوروں کے قالب میں ظاہر ہوتے ہیں بیل کو اوسریز کا اوتار مانا جاتا تھا۔ اس کے شناخت کے لیے چند نشانیاں مقرر تھیں جس

بیل میں وہ علامتیں پائی جاتیں ■ اوسریز کے مندر میں لا کر رکھ دیا جاتا تھا۔ اور اسکا دیوتا کی طرح احترام کیا جاتا تھا۔ اور یہی حال تمام دوسرے جانوروں کا تھا۔ ہر دیوتا کے مندر میں مخصوص جانور رہا کرتے تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی اگرچہ بعد میں اعلیٰ معبدوں سے اس حیوان پرستی کا خاتمہ ہو گیا لیکن جانوروں کی عزت میں فرق نہ آیا۔ بعض صورتوں میں جانوروں کو مارنے کی سزا موت تھی اور جانوروں کے مرنے کے بعد ان کی ممی بنائی جاتی تھی جانوروں کی حفاظت کا اس قدر خیال تھا کہ دو شہروں میں عرصہ تک صرف اس لئے جنگ ہوتی رہی کہ ایک شہر والوں نے مگر کو مار ڈالا تھا جس کی دوسرا شہر پرستش کرتا تھا۔

فطرت پرستی

یہ بتانا مشکل ہے کہ اہل مصر میں پہلے مناظر فطرت کی پرستش کا رواج ہوا یا حیوان پرستی کا۔ بہر حال ان کے معبودان فطرت میں خاص یہ تھے۔

۱۔ نوط (آسمان کی دیوی)

۲۔ سیب (زمین کا دیوتا)

۳۔ تھوتھ (چاند کا دیوتا)

۴۔ آئی سیس (چاند کی دیوی)

۵۔ ہاپی (رود نیل کا دیوتا)

۶۔ سیت (خداوند ظلمت)

۷۔ اوسریز (خداوند)

۸۔ ہورس (سورج دیوتا)

۹۔ را (سورج دیوتا)

۱۰۔ ہرماچیس (سورج دیوتا)

۱۱۔ آمن (سورج دیوتا)

۱۲۔ آتن (سورج دیوتا)

اس مختصر فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ سورج مصریوں کا خاص معبود تھا جس کی نمائندگی مختلف دیوتا کرتے تھے۔ ان کی مذہبی روایتوں کو خالق عالم کی حیثیت حاصل ہے۔ آئی سس اس کی بیوی تھی اور ہورس اس کا بیٹا۔ یہ مصریوں کی خاص تثلیث تھی۔

بادشاہ پرستی

مصر میں بادشاہوں کو سورج دیوتا کا اوتار مانا جاتا تھا۔ فراعنہ مصر اپنے کو "سورج کا بیٹا" کہتے تھے۔ اور ان کی دیوتاؤں کی طرح تعظیم کی جاتی تھی اگرچہ اسلامی روایات میں فرعون کا خدائی کا دعویٰ کرنا ظاہر کیا جاتا ہے۔ لیکن تاریخی اعتبار سے اس قول میں تین غلطیاں ہیں۔

۱۔ فرعون کوئی ایک شخص نہ تھا بلکہ ہر بادشاہ کا لقب تھا۔

۲۔ کسی فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی شخص یہ باور کر سکتا تھا کہ وہ دنیا کے خالق اور موت سے مستثنیٰ ہیں۔

۳۔ مصر میں خالص توحید کا وجود نہ تھا۔ فراعنہ مصر جب توحید کے تخیل ہی سے ناآشنا تھے تو وہ خدائے واحد ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے تھے۔

حیات بعد ممات

اہل مصر کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح برقرار رہتی ہے اور اس کا تعلق جسم سے بھی قائم رہتا ہے۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے لاش کو حنوط کرنے کا فن ایجاد کیا اور خاص قسم کے مقبرے (اہرام) بنائے ان کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کی روح کو توات یعنی دوسری دنیا میں ایک خوفناک سفر کے بعد اوسیریز کے انصاف کے کمروں میں پہنچنا پڑتا ہے۔ کتاب الموتیٰ (BOOK OF DEAD) اور کتاب الابواب (BOOK OF GATES) اس بات کی ہدایت کے لیے لکھی گئی تھیں کہ دوسری دنیا کے سفر میں ارواح خبیثہ سے کیونکر بچا

جائے جب روح اوسیریز کے سامنے ہو نچتی تھی تو وہاں تین محاسب ہوتے تھے

۱۔اوسیریز

۲۔انو بیس

۳۔تھوتھ

انصاف یوں ہوتا تھا کہ انسانی اعمال ترازو کے ایک پلے میں رکھے جاتے تھے اور دوسرے پلے میں شتر مرغ کا پر جو نیک کرداری کی علامت تھی۔اب اگر دونوں پلے برابر ہوتے تو روح کو جنت میں بھیج دیا جاتا ورنہ اسے ایک جانور کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا جسے "مردہ خور" کہتے تھے۔یہ جانور شیر، مگر اور دریائی گھوڑے کا مرکب تھا۔

انسانوں جیسے دیوتا

دیوتا، انسانوں، حیوانوں، پودوں وغیرہ کی صورت اختیار کر سکتے تھے انہیں غذا کی ضرورت تھی اور قربانی میں انہیں کھانا پانی پیش کیا جاتا تھا اور کپڑے زیور وغیرہ بھی دیوتاؤں کی نذر کیے جاتے تھے۔دیوتاؤں کے رہنے کے لیے منادر اور عبادت گاہیں بنائی جاتی تھیں۔

انسانوں اور دیوتاؤں کا تعلق لین دین کا سا تھا۔عابد معبود کی ضرورتوں کا خیال رکھتا اور معبود عابد کو سماوی تحفے، زندگی، صحت، برومندی، خوشی اور فتح وغیرہ عطا کرتا مندروں کی ابھری ہوئی تصویروں میں بادشاہوں اور دیوتاؤں کے روبرو معاہدہ کرتے یا آپس میں تحفے تبدیل کرتے دکھایا گیا ہے۔

بھوک پیاس کے علاوہ مصر کے دیوتا رنج و راحت کو بھی محسوس کرتے تھے۔وہ بیمار بھی پڑتے تھے۔بوڑھے بھی ہوتے اور مرتے بھی تھے۔

را یعنی سورج دیوتا ان کا خاص دیوتا تھا جس کی عبادت کا خاص مرکز ہیلیو پولس تھا۔پانچویں حکمراں خاندان کے بادشاہوں نے ممفس کے قرب وجوار میں اس کے متعدد معابد بنوائے تھے اور اسی وقت سے فراعنہ مصر اپنے کو "را کا بیٹا" کہنے لگے۔ را کو دیوتاؤں اور انسانوں کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔

دیوتا جادو ٹونے کا تابع

مصر میں ابتدا ہی سے سحر وافسوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی چنانچہ پانچویں اور چھٹے حکمراں خاندان کے اہرام پر جو کتبے ہیں وہ سب سحر وافسوں پر مشتمل ہیں ان کا منشا دیوتاؤں کو اس بات پر مجبور کرنا تھا کہ وہ مرنے والوں کو دوسری دنیا میں ایک پر مسرت زندگی بخشیں۔ کتاب الموتیٰ تیار کرنے کا یہی مقصود تھا۔ بیماریوں کے علاج میں (جنہیں ارواح خبیثہ کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا) صحیح منتر کو صحیح طور پر پڑھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ طب کی کتابوں میں یہ منتر بھی شامل کئے جاتے تھے اس ساحر کو جو منتروں کو زبانی یا کتاب سے صحیح طور پر پڑھ سکے۔ مصری سماج میں بڑی عزت حاصل تھی اور ہر شخص سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ خاص خاص منتروں کو زبانی یاد کرے تاکہ مرنے کے بعد دوسری دنیا میں ان کا استعمال کر کے ارواح خبیثہ کو دفع کر سکے۔ تعویذ بھی اسی خیال کے پیش نظر رکھے جاتے تھے۔ جن کے پاس وہ تعویذ ہوتے ان کی حفاظت کرنے کے لئے دیوتا مجبور تھے اور بری روحیں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھیں۔

دیوتاؤں کی خوشامد

زمانہ مابعد میں مصر کے غریب طبقہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر دیوتاؤں سے التجا اور التماس کی جائے تو وہ انسانوں کی ضرور مدد کرتے ہیں۔ یہ چیز ۱۲۰۰ ق۔ م کے تھیبس کے کتبوں میں خصوصیت سے نظر آتی ہے۔ اس خیال کے پیش نظر بعض دیوتاؤں کے بہت سے کان بنائے جاتے تھے تاکہ وہ ہر ایک کی گزارش کو سن سکیں۔

دو بڑے معبود

مصر کے تمام دیوی دیوتاؤں میں امن را کا مرتبہ سب سے بلند تھا۔ وہ زرخیزی و بار آوری کا دیوتا تھا، جنگ کا دیوتا تھا، سورج اور دریائے نیل کا دیوتا تھا دیوتاؤں کا بادشاہ اور دنیا کے بادشاہوں کا آقا تھا۔ وہ نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی دنیاؤں کا

مالک تھا وہ کائنات کی پراسرار روح اور مخفی خالق تھا۔

اسی طرح ممفس کے پتاح کا تصور بھی خدا کے تصور سے قریب تر تھا۔ مصری روایات کے مطابق اس نے ہتھوڑے سے پیٹ کر لوہے کا آسمان بنایا اسے کمہار کا چاک کا موجد مانا جاتا تھا جس پر اس نے سورج چاند اور پہلے مرد اور عورت کو بنایا۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ایک پہاڑ پر بیٹھا ہے۔ اس کا سر آسمان کو روکے ہے اور اس کے پیر تحت الارض تک پہونچتے ہیں۔ گویا وہ ساری دنیا کا دیوتا ہے۔ اس کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے:۔

کسی باپ نے تجھے پیدا نہیں کیا اور نہ کسی ماں نے تجھے جنم دیا
تو نے خود اپنے کو بنایا، بغیر کسی دوسری ہستی کی مدد کے

پیدائش عالم کے بارے میں دو نظریے تھے ایک تو یہ کہ دنیا ایک خاص قسم کے مادے سے پیدا ہوئی ہے۔ اسے "مادی وحدت" (MATURIALISTIC MONISM) کہتے ہیں۔ بعد کو دماغ کا مرتبہ مادے سے برتر مانا گیا اور یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ قدرت کی بے جان قوتیں ایک برتر دماغ کے زیر اثر ہیں جو علت اولیٰ ہے اسے "تصوری وحدت (IDEALISTIC MONISM) کہتے ہیں۔ بابل، ہندوستان اور مصر قدیم میں یہ خیال پایا جاتا تھا۔

ایک فرعون کی پیغمبری

جب آمین حو طیپ سوم نے وفات پائی تو اسکا کمسن بیٹا آمین جو طیپ چہارم (۳۷۵-۳۵۸ ق-م) تخت نشین ہوا جس نے باوجود اس کے کہ صرف ۱۷ سال حکومت کی اور ۳۰ سال کی عمر میں مرگیا۔ تاریخ عالم میں ایک بہت بڑی مذہبی تحریک چلائی۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی قلمرو میں ہر جگہ صرف آٹن (ATON) یعنی آفتاب کی پرستش کی جائے۔ پرانے دیوتاؤں کے منادر (جن میں کارناک کا آمین را کا مندر بھی شامل تھا) بند کر دیئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ دیواروں پر سے دوسرے دیوتاؤں کے نام بھی مٹا دیئے گئے۔ اور دارالحکومت تھیبس سے آمرنہ (موجو[illegible] تل آلامرنہ) منتقل کر دیا

گیا۔آمین حوطیب نے اپنا نام بھی بدل دیا۔(اس کے نام کے معنی ہیں "آمین آرام کرتا ہے ") اور اخناٹن رکھا جس کے معنی "آٹن مطمئن ہے"

آٹن کی عبادت نئی نہ تھی لیکن اس کا تصور ضرور نیا تھا سورج دیوتا کی پرستش سارے ملک میں عام تھی لیکن وہ سراسر خرافات کا مجموعہ تھی ۔ اخناٹن نے آفتاب کی افادیت پر زور دیا۔ حیات بعد ممات کے بارے میں مصریوں میں جو ہیبتناک تصورات پائے جاتے تھے انہیں بھی اخناٹن نے اپنے مذہب میں کوئی جگہ نہ دی ۔ اخناٹن کا خیال تھا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی روح ایک غیر مادی صورت میں برقرار رہتی ہے ۔ عموماً جنت کے خواب آور کمروں میں آرام کرتی ہے اور کبھی کبھی سایہ کی صورت میں زمین کے ان مقامات کو دیکھنے چلی آتی ہے ۔ جنہیں وہ اپنی زندگی میں بہت عزیز رکھتی تھی ۔ روح اب بھی خوشگوار دھوپ چڑیوں کے نغموں اور پھولوں کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہو سکتی تھی ، بدکار روحوں کے لئے دوزخ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ اخناٹن کے نزدیک خدا کسی بھی مخلوق کو خواہ وہ کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو دائمی اذیت میں مبتلا نہیں کر سکتا بدروحوں کے لیے ایک ہی سزا تھی یعنی مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں ۔

اخناٹن نے آٹن کا کوئی مجسمہ بھی بنانے کی اجازت نہ دی ۔وہ خدا کو بے شکل و صورت بتاتا تھا ایک قسم کا الٰہی جوہر جو ساری فضا میں پھیلا ہوا ہے اس کا نظریہ ایک عجیب چیز تھی جو نہ صرف اپنے اعلیٰ ظرفی کے لحاظ سے قابل قدر تھا بلکہ اس میں سائنسی طور پر کافی صحت تھی ۔اس سے پہلے کسی بھی شخص کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ آفتاب اپنی شعاعوں کے ذریعہ عمل کرتا ہے اور وہی حیات ، حسن اور توانائی کا منبع ہے

ملک گیری اور خونریزی آٹن پرستی کے خلاف تھی ۔ اخناٹن کے بعض محکوموں نے بغاوت کر دی ایشیائے کوچک کی حطی قوم نے شام پر قبضہ کر لیا اور فلسطین پر عبرانیوں نے حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ لیکن اخناٹن نے انہیں دوبارہ حاصل کرنے کے لیے فوج کشی تک نہ کی ۔ دراصل اخناٹن اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے

لئے بہت بڑا شخص تھا اس نے جس مذہب کی بنیاد ڈالی وہ اس کے بعد صرف چند سال باقی رہی اور اس کے داماد توت غنح آٹن نے قدیم مذہب کی تجدید کی۔ آمرانہ کو چھوڑ دیا تھیبیس دوبارہ مصر کا دارالحکومت ہو گیا اور آمین کے پجاریوں کو اپنا کھویا ہوا اقتدار مل گیا۔ اخناٹن کو بدمعاش اور بدعتی قرار دیا گیا۔ اور اس کی ممی (حنوط شدہ لاش) کی بے حرمتی کی گئی۔

آرتھر ویگل فرماتے ہیں:۔

"توہمات کے زمان میں اور ایک ایسے ملک میں جہاں معبودوں کی کثرت انتہا کو پہونچ گئی تھی اخناٹن نے ایک ایسا وحدت پرست مذہب ایجاد کیا جو پاکیزگی میں صرف عیسائی مذہب کے بعد دوسرا تھا۔

لیکن تمام ماہرین مصریات اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ اخناٹن کوئی بہت بڑا مذہبی معلم تھا۔ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ ایک گمراہ متعصب تھا جس کی لا علمی اور کٹرپن نے ملک کو تباہ کر دیا جس نے اپنے وفادار خادموں کو شام اور فلسطین میں قتل ہونے کے لئے چھوڑ دیا اور اپنی رعایا پر ایک ایسا مذہب مسلط کر دیا جس سے وہ سخت نفرت کرتی تھی۔

۱۔ اوسیز کا مقابلہ ہندوؤں کے ملک الموت یم سے کیا جاسکتا ہے

حطی و فنیقی مذاہب

حطی مذہب

حطی قوم کے عروج کا زمانہ ۲۰۰۰ سے ۱۲۰۰ ق۔م ہے یہ لوگ ایشیائے کوچک اور شام میں آباد تھے ان کا دارالحکومت بوغاز کوئی تھا۔جہاں سے ماہرین آثار نے ۱۰،۰۰۰ مٹی کی تختیاں برآمد کی ہیں جن کے کتبے پیکانی رسم خط کے ہیں۔ان کتبوں سے حطیوں کی تاریخ، قوانین اور مذہب پر خاص روشنی پڑتی ہے۔علاوہ ازیں حطی مذہب کا علم ان حجری نقوش سے حاصل ہوتا ہے جو ان کے معابد اور بعض دیگر مقامات سے برآمد ہوئے ہیں۔

اس قوم کا خاص معبود آفتاب تھا جسے بجائے دیوتا کے دیوی مانا جاتا تھا۔واسلی کیا(VASLIKAYA) کے ایک نقش میں سورج دیوی کو تیندوے یا چیتے پر اپنے خادموں کے جھرمٹ میں استادہ دکھایا ہے۔اس کے مقابل اس کا شوہر تیشپ یعنی طوفان کا دیوتا بیل پر اپنے خادموں کے درمیان کھڑا ہے۔

کتبوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے (ان کی زبان ہندیورپی شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور لاطینی سے مشابہ ہے) کہ لوگوں نے بہت سی مذہبی رسمیں بابل اور آشوریہ والوں سے حاصل کی تھیں۔اسی طرح یہ لوگ سریانی معبود حداد کی پرستش کرتے تھے۔

یہ لوگ ارواح خبیثہ پر بھی اعتقاد رکھتے تھے جن سے بچنے کے لئے سحر و افسوں سے کام لیا جاتا تھا۔بیماری کو دور کرنے اور زرخیزی کو بڑھانے کے لئے کچھ توہم آمیز رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

فنیقی مذہب

فنیقی قوم بحر متوسط کے مشرقی ساحل پر آباد تھی اور انہیں کے نام پر یہ علاقہ فنیقیہ (PHOENICIA) کہلاتا تھا۔اس کی پشت پر کوہ لبنان واقع تھا جو انہیں بیرونی حملوں سے محفوظ رکھتا تھا اور جس کے جنگل ان کے جہازوں کے لئے لکڑی مہیا کرتے تھے۔لبنان کے دوسری طرف بنی اسرائیل آباد تھے جو اہل فنیقیہ کی طرح سامی النسل تھے۔یہ دو قومیں تقریباً ۲۲۰۰ ق۔م میں ساحل بحرین (جنوبی عراق) سے ہجرت کر کے آئی تھیں۔

فنیقی قوم نے جو دنیا کی زبردست قوم تھی اپنے ملک سے اس دوسرے ملکوں (بحر متوسط کے کنارے کنارے) میں نو آبادیاں قائم کر لی تھیں فنیقیہ میں اس نے دو زبردست تجارتی شہر صور (TYRE) اور صیدون (SIDON) آباد کئے تھے۔علاوہ ازیں بائبلس (BYBLOS) بھی ان کا ایک مشہور شہر تھا۔

اہل فنیقیہ کی زبان عربی سے مشابہ تھی ان میں شمالی سامی رسم خط مستعمل تھا جو عربی، عبرانی، سریانی اور یورپی رسم خط کا ماخذ تھا۔۵۸۶ ق۔م کلدانی حکمراں بخت نصر نے فنیقیہ کو فتح کر لیا اور صور کو برباد کر دیا۔صور کی بربادی کے بعد فنیقی قوم کا زوال شروع ہو گیا جسے سکندر کی فتوحات نے مکمل کر دیا۔

ابتداء

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ ابتداء میں یہ لوگ غالباً موحد تھے اور ایک قوت خلاق کے قائل تھے۔اسے وہ ایل (اعلیٰ) رام یا رمن (بلند) بعل (آقا) میلیک یا مولخ (بادشاہ) ایلیون (برترین) ایڈونائی (میرا آقا) بیل سامن (آقائے فلک) وغیرہ ناموں سے پکارتے تھے۔وہ اسے مادہ سے بالکل جدا مانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس نے سب مادی چیزوں کو بنایا اور ہر شے کو پیدا کیا لیکن جلد ہی اس عقیدہ میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور مختلف دیوتاؤں کی پرستش ہونے لگی جن میں سے بعض بابل سے لئے

گئے جیسے اشتر اور بعض مصر سے جیسے تھوتھ اور آمین، اس طرح خدائے واحد (ایل "اعلیٰ یا ایلیون "برترین ہستی") کا تصور پارہ پارہ ہو گیا اور ہر پارہ ایک جدا معبود بن گیا۔ لیکن تمام دیوی دیوتاؤں میں بعل اور استارتہ کو خاص امتیاز حاصل تھا۔

بعل دیوتا: ۔یہ آسمان، آفتاب اور آگ کا دیوتا تھا۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعل اور بابلی بیل (BEL) میں کیا تعلق تھا کیونکہ بابل میں بیل کا آفتاب سے کوئی تعلق نہ تھا اور بعل یقیناً آفتاب کا دیوتا تھا اور اس کا تعلق تولید و تخلیق سے بھی تھا۔

زمانہ قدیم میں بعل کی پوجا (صور اور اس کی نوآبادیوں میں) بغیر بت کے کی جاتی تھی لیکن بعد میں اس نے شدید بت پرستی کی صورت اختیار کر لی۔اس کا بت بیل پر سوار دکھایا جاتا تھا کیونکہ بیل تولیدی قوت کا مظہر اتم تھا اور اس کے ہاتھوں میں انگور کے خوشے اور انار ہوتے تھے اسے آسمان کا حکمران مانا جاتا تھا جو زمین کو حاملہ کرتا ہے اس کے انسانی چہرے کے گرد کرنوں کا حلقہ ہوتا تھا۔

بعل کی عزت میں لوبان جلانے کے علاوہ بیلوں کی قربانی بھی کی جاتی تھی اور شاید گھوڑے بھی ذبح کئے جاتے تھے۔لیکن خاص قربانی بچوں کی ہوتی تھی۔یہ ہولناک رسم اس تخیل پر مبنی تھی کہ بچے والدین کے لئے سب سے پیاری شے تھے اور پاک اور معصوم ہونے کی بناء پر ان کی قربانی دیوتا کا غصہ فرو کرنے کے لئے زیادہ کارگر ہوتی تھی بچوں کی قربانی کا یہ طریقہ تھا کہ مولک (ا) کا بت جو دھات کا بنا ہوتا اندر آگ جلا کر گرم کیا جاتا اور بچوں کو اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں دے دیتے جو ہاتھوں سے لڑھک کر اس کی آتشیں گود میں جا گرتے۔والدین بخوشی اپنے بچوں کی قربانی کرتے تھے حتیٰ کہ پہلا بلکہ اکلوتا بیٹا بھی قربان کر دیا جاتا تھا۔بچوں کو بہلا پھسلا کر چپ کرا دیتے کیونکہ بھینٹ چڑھائے جانے والے بچے کو رونا نہ چاہیے تھا اس کے چیخنے کی آواز کو بانسروں اور نقاروں کی آواز سے دبا دیا جاتا تھا پلوٹارچ کے بیان کے مطابق مائیں قریب ہی کھڑی رہتیں اس طرح کہ نہ تو ان کی آنکھوں میں آنسو ہوتے اور نہ لبوں پر آہ و

زاری ۔ اگر وہ سسکیاں بھرتیں تو قربانی کی عزت جاتی رہتی ۔ یہ قربانیاں یا تو سالانہ کسی مقررہ دن میں ہوتیں یا پھر کسی مصیبت کے وقت دیوتا کا غصہ فرو کرنے کے لئے ۔

آستارتہ دیوی :۔ یہ زمین، پانی اور چاند کی دیوی تھی ۔ چاند سے تعلق ہونے کی بناء پر اسے آسمان کی ملکہ اور ستاروں کی حکمراں مانا جاتا تھا ۔ بعل اس کا شوہر سمجھا جاتا تھا اور عورتوں میں .. زرخیزی و بارآوری کی دیوی سمجھی جاتی تھی ۔ اسی لئے اس کی عبادت شہوت پرستی اور جنسی ہوس رانی پر مبنی تھی ۔

اس کا بت یوں بنایا جاتا کہ ہاتھ میں عصائے شاہی اور تکلا ہوتا، کمر میں پٹکا اور سر پر کرنوں کا تاج یا سینگ جو ہلال کی علامت تھے ۔ کبھی اس کے سر پر ایک قیمتی پتھر رکھا جاتا جس سے رات کو سارا مندر جگمگا اٹھتا ۔ اس کا سنہرا بت بعل کے ساتھ ایک رتھ میں پھرایا جاتا جس سے شیر جتے ہوتے ۔

استارتہ کی پرستش دوسری طرح ایک مخروطی ستون کی صورت میں بھی کی جاتی تھی ۔ جسے اشیرا کہتے تھے ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ .. اشوریوں کا " مقدس درخت " تھا جسے عموماً مندروں میں نصب کیا جاتا تھا ۔ (۲ سلاطین باب ۲۱، آیت ۷، باب ۲۳، آیت ۶)

افاکا (APHACA) میں اس کا مندر زروجواہر سے پر رہتا تھا یہاں تک کہ کریسیس (CRASSUS) کو وہاں کے سونے چاندی کے کل برتنوں اور دیگر اشیاء کو تولنے میں کئی دن لگے ۔ مندر کے صحن میں مقدس جانور پلے ہوئے تھے اور ایک تالاب میں مقدس مچھلیاں ۔ ان کے علاوہ بانسری بجانے والوں اور مجذوب عورتوں کی بھی کثیر تعداد موجود رہتی تھی ۔

بہار کے تہوار میں جسے " مشعلوں کا جشن " کہتے تھے، لوگ جوق در جوق شریک ہوتے، بڑے بڑے درخت جن میں قیمتی چڑھاوے لٹکے ہوتے جلائے جاتے تھے بچوں کی بھی قربانی کی جاتی تھی انہیں چمڑے کے تھیلوں میں بند کر کے مندر کے بلند ترین مقام سے فرش پر پٹک دیا جاتا تھا اور یہ بیان کیا جاتا تھا کہ ان میں بچے نہیں ہیں بلکہ بچھڑے ہیں صحن کے اگلے حصے میں دو زبردست لنگ نصب تھے ۔ ڈھولوں، بانسریوں

اور گیتوں کے ہیجان انگیز شور میں مجذوب عورتیں جنہیں گلی (GALLI) کہتے تھے اپنے بازوؤں کو زخمی کرتیں اور تماشائی بھی برتنوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں سے جو اسی منشا سے قریب ہی ڈال دیئے جاتے تھے اپنے آپ کو زخمی کرتے۔ خونچکاں حالت میں شہر میں دوڑتے پھرتے اور لوگ انہیں پہننے کو زنانہ لباس دیتے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اب یہ بھی دیوی ہوگئے ہیں۔

ثانوی معبود:۔ ان کے علاوہ بعض ایسے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جنہیں ثانوی حیثیت حاصل تھی۔

ثانوی معبود یہ تھے:۔

۱۔ ایل یا ال شروع میں خدائے تعالیٰ کا نام تھا جسے بعد میں ایک معمولی معبود بنا دیا گیا۔ کارتھیج میں اسے خصوصیت کے ساتھ پوجا جاتا تھا۔ ایل کا مقابلہ یونانی اپنے کرونوس سے اور روم والے سیٹرن سے کرتے تھے۔

۲۔ میلکارتھ اسے ایک کتبے میں بعل صور یعنی "صور کا آقا" کہا گیا ہے۔ اسے شہر کا محافظ و سرپرست مانا جاتا تھا۔ یونانیوں نے اسے اپنا ہرقلیس سمجھ لیا (نہ جانے کیسے ہی اور فنیقیوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ چنانچہ ان فنیقی سکوں پر جو یونانی سکوں کی نقل میں بنائے گئے تھے اکثر ہرقلیس کی شبیہہ نظر آتی ہے گویا وہ ان کے شہر کا معبود ہو۔

دجون یا داگن (DAGON) غیر ملکی معبودوں میں سے ایک تھا جسے فنیقیوں نے اپنا لیا تھا (اسموئیل) باب ۵ آیت ۲ میں اس کا ذکر ہے) عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس کی صورت مچھلی کی تھی (۱) اور اس کے پجاری اس کے مندر میں مچھلی کی کھال اوڑھ کر جاتے تھے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کے نام کا تعلق عبرانی زبان کے لفظ "دج" سے مانا جاتا ہے جس کے معنی مچھلی کے ہیں۔ فلسطینیوں میں اس کا مقام بہت بلند تھا۔ فینقیہ میں وہ ایک چھوٹے درجہ کا معبود تھا اور اسے فیلو کی سند پر فنیقی معبودوں میں شامل کیا گیا ہے۔

۴۔ حداد (HADAD) اداد یا ادود ایک سریانی معبود تھا جسے اہل فنیقیہ سورج مانتے تھے لیکن زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

۵۔ ایڈونیس (ADONIS) یا زیادہ صحیح ایڈونائی کے معنی "میرے آقا" کے ہیں۔ زمانہ قدیم میں شاید بعل کا لقب تھا لیکن بعد میں یہ سورج دیوتا یا اس کی ایک خاص حالت کا نام ہو گیا۔ جاڑوں میں جب سورج شمالی نصف کرے سے جنوب کی طرف مائل ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ وقتی طور پر مر گیا ہے۔ اسے ایڈونیس کی موت سے تعبیر کرتے۔

دراصل ایڈونیس اس مشہور بابلی روایت کا ہیرو ہے جو "فسانہ تموز و اشتر" کے نام سے مشہور ہے وہ تموز کا مقابل ہے اور اشتری کو اہل فنیقیہ، استارتہ کہتے تھے۔ اشتر کا تعلق زہرہ سیارہ اور حسن و عشق سے مانا جاتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق جو "رقص ہفت نقاب" کے نام سے مشہور ہے، وہ اپنے مردہ شوہر تموز کو زندہ کرنے کے لئے پاتال لوک میں آب حیات ہے اسے مردوں کی دنیا کی ملکہ الاتو تک پہونچنے کے لیے سات دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ ہر دروازے پر ایک نقاب یا پوشش اتارنے پر مجبور کی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ آخری دروازے پر پہونچتی ہے تو بالکل ہی عریاں ہوتی ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں زمین کی زرخیزی و بارآوری ختم ہو جاتی ہے لیکن جب وہ واپس آتی ہے تو پھر دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے۔

۶۔ صادق (SADYK) یعنی عدل و انصاف کا مجسمہ۔

۷۔ اشمن (ESHMUN) صادق کا آٹھواں بیٹا تھا، فنیقی روایات کے مطابق وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا جو شکار کا شوقین تھا۔ استارتہ دیوی اس کی محبت میں مبتلا ہو گئی اور وہ یقیناً اس سے ناجائز تعلقات قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوگی اگر اس نے بچنے کے لیے اپنے آپ کو آختہ نہ کر لیا ہوتا۔

۸۔ کابیری یا کبیری (KABEIRI) یہ معنی "بڑے معبود" کہتے ہیں انہوں نے پہلے پہل دھات کی چیزیں بنانا معلوم کیا اور جہاز بنائے اس لئے جہازرانی کے دیوتا

اور دھات کے کام کے نگہبان مانا جاتا تھا انہیں بونا اور جسمانی لحاظ سے ناقص دکھایا جاتا تھا۔

۹۔ڈرکیٹو (DERKETO) غالباً فلسطینی معبود تھی نہ کہ فنیقی۔اس کی عبادت کا خاص مرکز اسکالن (ASCALON) تھا۔اسے فلس ماہی سے ڈھکا ہوا دکھایا جاتا۔اسے ہم استارتہ کی طرح خطرت کی دیوی مان سکتے ہیں۔

۱۰۔اونکا (ONCA) ایک دیوی تھی۔یونانی اس کا مقابلہ اپنی اتھینے (ATHENE) سے کرتے تھے جو عقل کی دیوی تھی۔

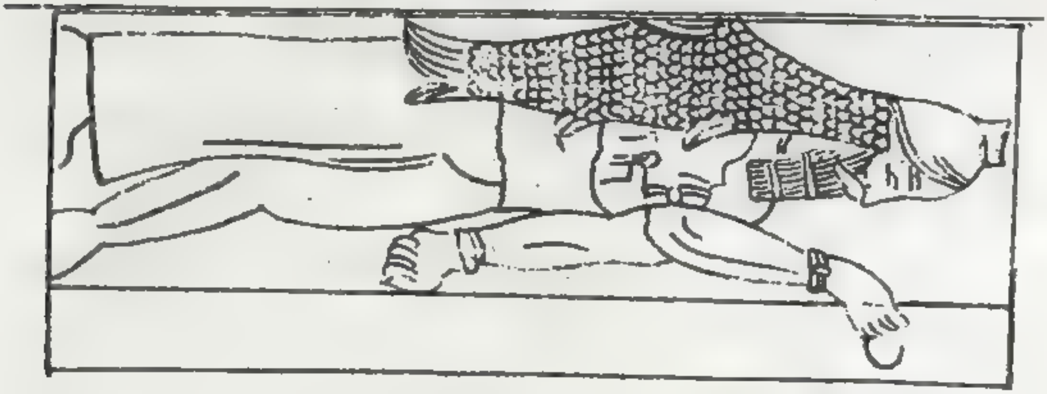
۱۱۔بیلٹس (BELTIS) یہ بابل کی دیوی تھی جس کی پرستش بحیرہ روم کے ساحل تک پھیل گئی تھی۔ان کے علاوہ اہل فنیقیہ بعض غیر ملکی معبودوں کی بھی پرستش کرنے لگے تھے جن میں مصری معبود اوسیرز آمین اور تھوتھ خاص تھے۔آمین کو "حمن" کہتے تھے اور اسے بعل کے مماثل مانا جاتا تھا۔

اخلاقی انحطاط

ان کے مذہب میں ایک طرف تو بے باک مذہبی عیاشیاں پائی جاتی تھیں اور دوسری طرف مافوق البشر قوتوں کی برہمی دور کرنے کے لئے انسانی قربانیاں۔لبنان میں دریائے ایڈونیس کے منبع کے قریب افاکا (APHAKA) میں مذہبی عصمت فروشی نے انتہائی شرمناک صورت اختیار کر لی تھی اور پورے فنیقیہ اور اس کی نو آبادیوں میں ناگہانی آفت کے وقت انسانی قربانی کا عام رواج ہو گیا تھا۔اس طرح کے خونی مراسم نے ان لوگوں کے دلوں میں انتہائی سختی پیدا کر دی۔بجائے اس کے سوداگری اور تجارت سے ان کی طبیعت میں نفاست اور نرمی پیدا ہوتی، وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ بہت بے رحمی کا برتاؤ کرتے تھے۔بحری ڈاکہ زنی، اغوا اور بردہ فروشی کے سلسلہ میں دیگر وحشت ناک حرکات ان کی فطرت کا جزو بن گئی تھیں۔

ان کے یہاں موت کو عام طور سے "ہستی کے نیست ہونے کا وقت" کہا جاتا تھا

مرنے والے ایک "عالم خموشی میں چلے جاتے تھے" اور "گونگے" ہو جاتے تھے۔ ان کی روح "فنا ہو جاتی" اور گزرے ہوئے دن کی طرح "ناپید ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ صرف اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد بھی لوگ یاد رکھیں۔



۱۔ کنعان میں بعل کا نام ملک یا مولک تھا

۲۔ اس صورت میں اس کا مقابلہ بابل والوں کے اونیس سے کیا جاسکتا ہے جس کا نیچے کا جسم مچھلی کا اور اوپر کا انسان کا بنایا جاتا تھا کہتے ہیں اسی نے انساں کو تمدن کی تعلیم دی

کریٹ کا مذہب

مختصر تاریخ:

تقریباً ۲۴۰۰ ق ۔م سے لیکر ۱۱۰۰ ق ۔م تک کریٹ ایک خاص تہذیب کا مرکز تھا ۔ جس کے آثار سرآرِ تھرایوانس نے ناسس (KN0SSOS) اور دوسرے شہروں میں کھود کر نکالے ۔ بعد میں یہی تہذیب یونان کے تین شہروں می کنائی ، آرگس اور ٹی رنس میں پھیل گئی ۔ کریٹ کے بادشاہوں نے اسے مغرب میں سسلی اور اٹلی تک اور شمال میں لڑائے تک پھیلا دیا تھا ۔ ان کل مقامات کی تہذیب ایجین کہلاتی ہے اور موجودہ یورپی تہذیب کا سرچشمہ ہے ۔ خود کریٹ میں تہذیب کا آغاز مصر اور بابل سے تجارتی تعلقات کی بناء پر ہوا تھا ۔

مادر فطرت

کریٹ کے لوگ مناظر فطرت کی پرستش کرتے تھے اور بعض دیگر اقوام کی طرح ان میں بھی فطرت کا تصور ماں کی حیثیت سے کیا جاتا تھا ۔ اس کے مجسمے اس طرح کے ہیں کہ وہ ایک خاص قسم کا پلیٹوں دار فراک پہنے ہے جس کے گلے کو اس قدر نیچا کر کے کاٹا گیا ہے ۔ کہ دونوں چھاتیاں نمایاں ہیں (بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانہ کی عورتوں کا عام لباس تھا)

اس دیوی کے ساتھ اور تصاویر بھی بنائی جاتی ہیں جن سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ کریٹ کے لوگ پانچ دیویوں کی پرستش کرتے تھے ۔

ا ۔ پہاڑ کی دیوی

۲۔ درختوں کی دیوی
۳۔ سانپ کی دیوی
۴۔ فاختہ کی دیوی
۵۔ جنگلی جانوروں کی دیوی

لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ہی دیوی کی مختلف صورتیں ہوں۔

اس دیوی کو کبھی پہاڑ پر کھڑے دکھایا جاتا ہے جس کے دونوں طرف شیر کا ایک جوڑا پہرہ دے رہا ہے۔ یہ چیز ہمیں ہندوؤں کی درگا یا پاربتی کی یاد دلاتی ہے۔ درگا کی سواری شیر اور پاربتی کو ہمالیہ کی دختر مانا جاتا ہے۔ اور یوں بھی اس کا پربت یعنی پہاڑ سے کھلا ہوا تعلق ہے۔ شیر طاقتور اور بہادر ہونے کی وجہ سے شکتی کا مظہر ہے۔ گویا کریٹ والوں کی دیوی درگا کی طرح قوائے فطرت کی مظہر تھی۔

اس دیوی کے ساتھ درختوں کی بھی تصویریں بنائی جاتی ہیں جس سے ہمارا خیال فوراً نیچر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ نیچر سے اس کا تعلق سانپ سے بھی ظاہر ہے خزاں میں درختوں کی پتیاں جھڑ جاتی ہیں اور بہار میں از سر نو کونپلیں پھوٹتی ہیں اور درخت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں گویا فطرت اپنا پرانا لباس اتار کر نیا پہنتی ہے جیسے سانپ اپنی کینچل بدلتا ہے۔ اسی لئے موسموں کی تبدیلی کے اظہار کیلئے سانپ کو بطور علامت اختیار کیا گیا۔ بسا اوقات اس دیوی کے کولہوں پر دو سانپوں کو لپٹے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور کبھی سانپوں کو اس کے بازوؤں اور چھاتیوں پر رینگتے، بالوں میں لپٹے یا سر پر بیٹھے دکھاتے ہیں (ہندوؤں میں پاربتی کے شوہر شیوجی کے گلے میں ناگ لپٹے ہوئے دکھائے جاتے ہیں)

کبھی کبھی اس دیوی کے ہاتھوں یا سر پر فاختہ کو بیٹھے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ فاختہ معصومیت و محبت کی علامت تھی اس سے دیوی کی عفت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز یہ کہ وہ (جنسی) محبت کی دیوی ہے

ہندوؤں میں شیوجی کو "پشو پتی" بھی کہتے ہیں گویا وہ جانوروں کے مالک ہیں۔ اسی طرح کریٹ والوں میں بھی مادر فطرت کو جنگلی جانوروں سے گھرا ہوا دکھایا جاتا

ہے۔

المختصر اس دیوی کا تعلق کل مناظر فطرت سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت جانور، سانپ، پرند، سمندر، سیپوں، اور آبی عفریتوں وغیرہ سے تھا اور ان سب کی پرستش کی جاتی تھی۔

شروع میں اہل کریٹ صرف اسی ایک دیوی کی پرستش کرتے تھے بعد میں ایک مرد دیوتا بھی آگیا جسے ثانوی حیثیت حاصل تھی۔اس دیوتا کو کبھی اس کا محبوب اور کبھی اس کا شوہر ظاہر کیا جاتا ہے ۔ اس دیوی کے بیٹے کا نام ویلکانس (VELCHONOS) تھا جسے وہ گود میں لیئے رہتی تھی اور جسے اس نے پہاڑ کے ایک غار میں جنم دیا تھا۔یہی ویلکانس بعد میں یونانی روایت کا زیوس (ZEUS) بن گیا اور وہ خود رہیا (RHEA) بن گئی۔زیوس کی پیدائش کا مقام اور مدفن کریٹ کو بتایا جاتا تھا۔

دوسرے دیوتا

مادر فطرت کے علاوہ اہل کریٹ

۱۔دوہرے تبر

۲۔مقدس جانوروں

۳۔مقدس سینگوں اور

۴۔ستون کی بھی پرستش کرتے تھے۔ان کی تفصیل ہے:۔

تبر یا کلہاڑی

کلہاڑی کا سب قدیم عصر حجری سے چلتا ہے ۔ دھات سے پہلے کلہاڑیاں پتھر کی بنائی جاتی تھیں ۔ کریٹ کی قبروں اور معبدوں میں جو چڑھاوے کی کلہاڑیاں ملی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے کلہاڑیاں اکہری ہوتی تھیں ۔دوہرے پھل والی کلہاڑیاں تک بے کا رواج ہونے کے بعد ظاہر ہوئیں۔

انسانی تاریخ میں ایک ایسا بھی زمانہ گزرا ہے جب ہر چیز کو جاندار مانا جاتا تھا۔ اس لیئے ممکن ہے کہ کلہاڑی کو بھی جاندار یا روح کا حامل مانا جاتا ہو ۔ تبر یا کلہاڑی "طاقت" کی علامت تھی ۔ مصر میں خدا دیوتا اور ہر قسم کی ارواح کو جو عام نام دیا جاتا

تھا وہ "نیتر" تھا (مونث "نیترت" بہ معنی دیوی) جسے ایک دستہ کلہاڑی سے ظاہر کرتے تھے۔ غالباً دوہرے تبر کی پرستش کریٹ میں مصر سے آئی۔

بیل کے سر اور سینگ

دوسری قوموں کی طرح اہل کریٹ بھی بعض جانوروں کو مقدس مانتے تھے۔ خصوصاً بیل کو جس کے سر اور سینگوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے ملے ہیں۔

مقدس ستون

اس سے مراد وہ کھمبے تھے جن پر آسمان کو ٹکا ہوا مانا جاتا تھا اور یا پھر یہ اس پہاڑ کی مرموز علامت تھا جس کی چوٹی پر آسمان کو ٹکا ہوا مانتے ہیں۔

الغرض کریٹ والوں کا مذہب ضروری باتوں میں مصر والوں کے مذہب سے مشابہ تھا جو ان دونوں ملکوں کے تجارتی تعلقات سے پیدا ہوئی تھی۔





یونانی مذہب

یورپ کی زبانیں ہندوستان ، افغانستان ، ایران اور آرمینیا کی زبانوں سے گہرا تعلق رکھتی ہیں اسی لئے انھیں ہندیورپی زبانیں کہتے ہیں ۔ ان کا ایک مشہور نام آریائی بھی ہے خیال کیا جاتا ہے کہ ان زبانوں کے بولنے والے پہلے کسی ایک مقام پر آباد تھے (غالباً وسط ایشیا یا مشرقی یورپ میں) وہ ایک ہی نسل کے لوگ تھے اور اپنے کو آریہ کہتے تھے ۔ بعد میں یہ لوگ مختلف ممالک میں ہجرت کر کے چلے گئے ۔ دیگر اقوام سے شادی بیاہ کرنے سے ان کی نسل مخلوط ہو گئی اور اب آریہ کسی خاص نسل کا نہیں بلکہ زبانوں کے ایک خاندان کا نام ہے ۔

ان آریہ نسل کے لوگوں میں سے صرف ہندو اور پارسی اپنے قدیم مذہب پر قائم ہیں ۔ بقیہ لوگوں نے یا تو مذہب اسلام قبول کر لیا یا عیسائیت ، یورپ کا موجودہ مذہب عیسائیت ہے ۔ قدیم مذاہب فنا ہو چکے ہیں ۔ ان میں یونانی ، رومی ، ٹیوٹانی اور کیلٹی اقوام کے مزاہب خاص تھے جن کا ہندوستان کے قدیم مذہب سے گہرا تعلق تھا ۔

یونان میں آریہ نسل کے لوگوں کا پتہ تقریباً ۲۰۰۰ ق ۔ م سے چلتا ہے ۔ یونان کا تمدن کریٹ اور ایشیائے کوچک کی تہذیبوں سے متاثر ہوا تھا ۔ ہندوستانی آریہ لوگوں کی طرح قدیم یونان کا مذہب بھی مناظر فطرت کی پرستش تھا ۔

یونانی دیوی دیوتاؤں کے بارے میں بڑی دلچسپ روایتیں مشہور تھیں جنھیں اندھے شاعر ہومر نے اپنی مشہور رزمیہ نظموں الیڈ (ILIAD) اور اوڈیسی (ODYSSEY) میں اور ہیزیوڈ نے اپنی تھیوگنی (THEOGONY) میں بیان کیا ہے یہ کتابیں غالباً ساتویں عیسوی میں قلمبند کی گئی تھیں ۔

یہ دیوی دیوتا یونانیوں کے تخیل غیر محدود کی پیداوار تھے۔ یونان سے زیادہ تجسیم بشری کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔ نہ صرف مناظر فطرت بلکہ ہر جذبہ و قوت کو مشخص مانا جاتا تھا۔

مناظر فطرت کی پرستش

مناظر فطرت میں سب سے زیادہ آسمان کی پرستش ہوتی تھی۔ اس کے بعد زمین کی۔ یورانس آسمان کا دیوتا تھا اور گے زمین کی دیوی تھی اور یہ دونوں آپس میں پہلے میاں بیوی تھے۔ ان کے ملاپ سے بہت سے بچے پیدا ہوئے جن میں کرانس دیوتا اور ریا دیوی خاص تھے۔ زیوس جو یونانیوں کا معبود اکبر تھا کرانس اور ریا کا بیٹا تھا اور وہ بھی آسمان کا بادشاہ تھا۔

آسمان کے بعد سورج دوسرا اہم معبود تھا۔ اسپارٹا کے لوگ اس کے شعلہ بار رتھ کو آسمان پر کھینچنے کیلئے گھوڑوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ جزیرہ روڈز کے لوگ ہیلیس کو اپنا خاص معبود مانتے تھے اور سالانہ سمندر میں اس کے استعمال کیلئے چار گھوڑے اور ایک رتھ ڈالتے تھے اور اسی کے نام پر کالوسس (COLOSSUS) کا دیو پیکر مجسمہ معنون تھا جس کا شمار قدیم ہفت عجائبات عالم میں ہوتا ہے۔

سورج کے مقابلہ میں چاند کی اہمیت کم تھی اور سیاروں اور ستاروں کی بہت کم ان کے علاوہ چار ہواؤں کے بھی الگ الگ دیوتا تھے جن کا سردار ایوس (AEALUS) تھا۔

زیوس کا بھائی ہیڈز پاتال کا حکمراں تھا جہاں مردوں کی روحیں رہتی ہیں اور جس کے نام پر زمین کے اندرونی حصے کا نام ہی ہیڈز پڑ گیا۔

جنسی معبود

اہل یونان زمانہ سلف کی دیگر اقوام کی طرح قوائے تولید کی بھی پرستش کرتے تھے اور ان کے معبودوں کا تعلق جنسی جذبات سے تھا۔ ان میں ڈایونیس

(DIONYSUS) خاص تھا جس کے نام پر یونانیوں کا سب سے بڑا تہوار ڈیئنیزیا (DIONYSIA) منایا جاتا تھا۔ اس تہوار میں مردانہ عضو کی مورتوں کا جلوس نکالا جاتا تھا اور مرد عورت یکجا ہو کر آزادانہ ایک دوسرے سے مختلط ہوتے تھے۔ ہرمیز (HERMES) دیوتا کا تعلق بھی لنگ پوجا سے تھا۔ صنف لطیف کی نمائندہ ایفروڈائٹ (APHRODITE) دیوی تھی اپریل کے آغاز میں یونان کے مختلف شہر اس کا بڑا تہوار ایفروڈیزیا (APHRODISIA) مناتے تھے۔ اس موقع پر تہوار میں حصہ لینے والوں کو پوری جنسی آزادی حاصل ہوتی تھی اور وہ دل کھول کر داد عیش دیتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونان میں پہلے مختلف دیویوں کی پرستش ہوتی تھی جن کا تعلق زمین سے تھا لیکن جب آریہ لوگ آئے تو انہوں نے "مادری نظام" کا خاتمہ کر کے "ابوی نظام" کی بنیاد ڈالی اور دیویوں کو مادری جذبات سے محروم کر کے شہوانی جذبات کا مظہر قرار دیا۔

حیوانی معبود

قدیم یونانیوں میں بعض جانور بطور تیم معبود کے پوجے جاتے تھے۔ مصر کی طرح انھوں نے انسانی جسم پر حیوانی سر نہیں لگائے بلکہ مثل ہندوؤں کے اپنے دیوی دیوتاؤں سے خاص خاص جانور منسوب کر دیئے یا ان کی علامت قرار دیئے۔ یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ کبھی کبھی دیوتا جانوروں کے بھیس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصاً سانپ کی صورت میں۔ غالباً سانپ کی پرستش یونان میں کریٹ سے آئی جہاں ایک "سانپ دیوی" کا پتہ چلتا ہے۔ یونان میں سانپ ایتھینیہ، ہائجیہ اور اسقلاپیس کا مظہر تھا۔ بیل زیوس کا۔ گائے ہیرا کی، سؤر ڈیمٹر کا، چوہا اپالو کا۔ گھوڑا پوزیڈان کا، ہرن آرٹیمس کا، فاختہ ایفروڈائٹ کی، گدھا ایریز کا اور بکرا پین کا مظہر مانا جاتا تھا۔

اولمپیائی معبود

یونانیوں کے اعلیٰ معبود کوہ اولمپس پر رہتے تھے جو تھیسلی میں واقع ہے۔

اولمپیائی معبودوں کی تعداد بارہ تھی۔

۱۔زیوس(ZEUS) آسمان کا دیوتا

۲۔ہیرا(HERA) شادی کا دیوتا

۳۔پوزیڈان(POSEIDON) پانی کا دیوتا

۴۔ڈیمٹیر(DEMETOR) اناج کا دیوتا

۵۔اپولن(APOLLON) قانون کا دیوتا

۶۔آرٹیمس(ARTEMIS) شکار کی دیوی

۷۔ہرمیز(HERMES) تجارت کا دیوتا

۸۔ایتھینی(ATHENE) عقل کی دیوی

۹۔ہیفاسٹس(HEPHAESTOS) صنعت و حرفت کا دیوتا

۱۰۔ایفروڈائٹ(APHRODITE) تولید کی دیوی

۱۱۔ایریز(ARES) جنگ کا دیوتا

۱۲۔ڈایونیسس(DIONYSUS) شراب کا دیوتا

دوسرے اہم معبود یہ تھے:۔

ہیسٹیا(HESTIA) چولھے کی دیوی

ایراس(EROS) عشق کا دیوتا

ہیلیس(HELIOS) سورج کا دیوتا

سیلین(SELENE) چاند کی دیوی

پین(PAN) گلوں کا دیوتا

پرسیفون(PERSEPHONE) تحت الارض کی دیوی

ہیڈز(HADES) تحت الارض کا دیوتا ملک الموت

ان کے علاوہ بعض دیوی دیوتا ایسے تھے جن کی پرستش ماضی بعید میں ہوئی تھی لیکن بعد میں وہ ثانوی حیثیت کے رہ گئے۔

گے(GE) زمین کی دیوی

یورانس (URANUS) زمین کا شوہر

کرونس (CRONUS) زیوس کا باپ

ریا (RHEA) زیوس کی ماں

بعض فانی انسان بھی دیوتا بنا دیئے گئے۔ مثلاً

ہرقلیس (HERAKLES) محنت و مشقت کا دیوتا

اسقلاپیس (ASKLAPIOS) صحت و شفا کا دیوتا

ان میں بیشتر وہ تھے جو یونانی عقیدہ کے مطابق دیوتاؤں کے فانی عورتوں سے صحبت کرنے سے پیدا ہوئے تھے۔ مثلاً زیوس دیوتا اور الثمسیہ کا ثمرہ اتصال ہرقلیس تھا اسی طرح اسقلاپیس کا باپ اپالو تھا۔

خانگی معبود

کلاسیکی زمانہ سے پہلے اہلِ یونان کا عقیدہ تھا کہ مردوں کی روحیں اپنے اخلاف کو فائدہ اور نقصان پہونچا سکتی ہیں۔ اس لئے خاندانی معبود کے سامنے ہر وقت آگ جلا کرتی تھی اور اس میں اشیاء خوردنی اور شراب کو ڈالا جاتا تھا۔ کلاسیکی زمانہ میں لوگ ان مبہم ارواح سے محبت کرنے کے بجائے خوف کھانے لگے تھے اور انہیں دور رکھنے کیلئے خاص مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

شہری معبود

خانگی معبودوں کے علاوہ ہر شہر کے معبود جدا تھے، یہ شہری معبود وہی تھے جنکا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یونان کا ملک چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں میں بٹا ہوا تھا شہر کا مرکز کسی پہاڑ کی چوٹی ہوا کرتی تھی جس پر دیوتا کا معبد تعمیر کیا جاتا تھا۔ جب کسی شہر کے لوگ جنگ کے لئے کوچ کرتے تو فوج میں سب سے آگے اس شہر کے معبود کی شبیہہ ہوتی اور بغیر دیوتا سے مشورہ کئے کوئی ضروری قدم نہ اٹھایا جاتا تھا۔ ایک شہری دوسرے شہر پر غالب نہ آتا تھا بلکہ ایک دیوتا بھی دوسرے دیوتا کو مغلوب کر لیتا شہر

کے ٹاؤن ہال میں ہر وقت قربان گاہ پر مقدس آگ جلا کرتی تھی اور وقتاً فوقتاً لوگ اس کے سامنے "مذہبی ضیافت" میں شریک ہوتے تھے۔ ہر شہر کا ایک پروہت ہوا کرتا تھا جسے آرکن (ARCHON) کہتے تھے۔

معبود اعلیٰ: زیوس

زیوس یونانیوں کا معبود اکبر تھا۔ وہ رب العالمین نہ تھا کیونکہ یونانیوں کے نزدیک دیوتاؤں نے دنیا کو پیدا نہ کیا تھا بلکہ اس کے برخلاف ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا نے دیوتاؤں کو پیدا کیا البتہ انسان ضرور دیوتاؤں کی مخلوق تھا۔ یونانی دیو مالا کے مطابق پرومیتھیس نے اپنے نمونے پر مرد کو اور ہیفاسٹس نے اپنی بیوی ایفروڈائٹ کے نمونہ پر عورت کو بنایا تھا۔

دیوتاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے زمین و آسمان کی تخلیق ہو چکی تھی۔ گے زمین کی دیوی تھی اور یورانس آسمان کا دیوتا۔ وہ پہلے روحیں اور اولین والدین تھے ٹیٹان (TITAN.) یعنی قوی ہیکل دیوان کے بیٹے تھے اور دیوتا ان کے پوتے تھے

زیوس اور اس کے بھائیوں نے دنیا کی تقسیم کے لئے قرعہ اندازی کی۔ زیوس کو آسمان ملا، پوزیڈان کو سمندر اور ہیڈز کو زمین کے نیچے کا حصہ۔ یہ تین دیوتا یونانی تثلیث کے مرادف ہیں۔

زیوس بڑا عاشق مزاج تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے مختلف دیویوں سے بیاہ رچایا۔ جن میں سے بعض اسکی بہنیں تھیں۔ ہیزیوڈ نے اس کی ربانی محبتوں اور اس کی ذریات کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے۔ اہل یونان فلسفہ جبر کے قابل تھے۔ انسانوں کے خیالات، جذبات، ان کی خوبیاں خرابیاں سب دیوتاؤں کی طرف سے کبھی جاتی تھیں جب تک دیوتا ساتھ دیتے کامیابی حاصل ہوتی اور جب دیوتا ساتھ چھوڑ دیتے تو شکست لازمی تھی۔

یونانی معبود اور اخلاقیات

ہومر کے نقادوں کا کہنا ہے کہ اس کے دیوی دیوتا انسانوں کے سامنے کوئی اعلیٰ اخلاقی تصور نہیں پیش کرتے وہ انسانوں سے محبت کم اور حسد زیادہ کرتے ہیں۔ ان کی مثال بداخلاقی مطلق العنان بادشاہوں کی ہے، انہیں خوش رکھنے کے لیے خوشامد اور اطاعت ضروری ہے۔ وہ انسان کو مرفہ الحال اور خوش و خرم دیکھ کر درپئے انتقام ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک عمدہ مثال ایفروڈائٹ کی ہے جو باوجود حسن کی دیوی ہونے کے سائکی نامی حسین عورت کو اپنا نشانہ غضب بناتی ہے (۱)

فلاسفہ یونان کے عقائد

جن حوادث طبیعی کو عوام دیوی دیوتاؤں سے منسوب کرتے تھے ان کی عقلی توجیہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ تکوین عالم کے سلسلہ میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اولین اور اساسی عنصر کون سا ہے۔ تالیس (THALES) کے نزدیک جس کا زمانہ تقریباً ۶۰۰ ق۔م ہے اصل عنصر پانی ہے۔ اسی کے ایک شاگرد انیکسی مینڈر (ANAXIMANDER) نے اثیر کو بنیادی عنصر قرار دیا۔ ہیر اقلیتوس (GERAKLEITOS) نے آگ کو اصلی عنصر کائنات ٹھہرایا۔ ظاہر ہے کہ یہ فلسفی جو کائنات کو علم و عقل کی روشنی میں سمجھنا چاہتے تھے دیوتاؤں کے معتقد نہ رہ سکتے تھے چنانچہ ہیراقلیتوس شاعروں کے بھی خلاف تھا جو عوام کے لیے اصنام سازی اور دروغ بافی کا کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہومر کا بھی کچھ احترام اس کے دل میں نہیں تھا۔ کہتا ہے کہ "واجب یہ تھا کہ ہومر کو پکڑ کے درے لگائے جاتے" (۲) اسی طرح مذہب کو وہ ایک "مقدس بیماری" بتاتا ہے۔

فیثا غورث (PAYTHAGORAS) نے کائنات کی عددی تشریح کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک تمام اعداد ایک عدد یعنی وحدت سے نکلے ہیں۔ اشیاء کا جوہر عدد ہے اور اعداد کا جوہر وحدت۔ وحدت دو قسم کی ہے ایک وہ وحدت ہے جو تمام اشیاء اور اعداد کی اصل ہے یہی وحدت خدائے واحد اور تمام دیوتاؤں کو دیوتا ہے۔ یہ وحدت مطلقہ ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی عدد نہیں۔ دوسرا احد عددی ہے جو دو اور

تین کے پہلے آتا ہے۔ یہ مخلوق اکائی اور اضافی وحدت ہے۔ تمام اشیاء اور اعداد وحدت اور کثرت کے تخالف سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۳)

اپیڈوکلیز (EMPEDOCLES) نے جو سسلی کا رہنے والا تھا یہ فلسفہ پیش کیا کہ عناصر اربعہ کی مختلف نسبتوں سے لاتعداد چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ کائنات میں دو اور قوتیں بھی ہیں یعنی محبت اور نفرت ایک سے اتفاق اور اجتماع پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سے اختلاف اور انتشار کائنات میں ان دونوں کی حکومت ہے (۴) ان دو قوتوں کا مقابلہ ہم پارسیوں کے اہرمن ویزداں سے کر سکتے ہیں جن کی باہی جنگ زندگی کے ہر شعبے میں ملتی ہے۔ یہ فلسفی بھی موحد ہے اور کہتا ہے کہ وحدت الہیٰ اضداد سے ماوری ہے (۵)

انیکسا غورث (ANAXAGORAS) پریکلیز (PERICLES) کے زمانہ کا زبردست فلسفی تھا جس کے انکشافات موجودہ سائنس کے مطابق تھے اس کا کہنا تھا کہ سورج ایک بہت بڑا آتشیں کرہ ہے، چاند میں پہاڑ اور وادیاں ہیں اور چاند اپنی روشنی سورج سے اخذ کرتا ہے (۶) ۔ ظاہر ہے کہ دیوی دیوتاؤں کو ماننے والے ان باتوں کو کیسے مان سکتے تھے۔ ایتھنس والوں نے جب یہ سنا کہ انیکسا غورث کہتا ہے کہ سورج کوئی دیوتا نہیں ہے بلکہ محض آگ کا گولہ ہے تو اسے بہت مارا۔ بہر حال انیکسا غورث خدا کا قایل تھا لیکن وہ روح اور مادے کو بھی ازلی مانتا تھا۔ اس کے خدا کے تصور کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ علیم اور ناظم ہے لیکن خالق نہیں کیونکہ کوئی قوت کسی جوہر کو عدم سے وجود میں لاسکتی نہ وجود سے عدم میں لے جاسکتی ہے۔ عناصر اپنی ذات میں غیر مخلوق ہیں لیکن ایک خدائے واحد کے زیر فرمان ہیں (۷) انیکسا غورث خدا کے مقاصد کا اور روح کلی کا ہر شے میں جاری وساری ہونا اس طرح بیان کرتا ہے کہ وحدت الوجود کا قائل معلوم ہوتا ہے اسی لئے انیکسا غورث کو یونانیوں میں تعلیم توحید کا اول معلم کہنا چاہیے اس کے بعد سقراط، افلاطون اور ارسطو میں توحید کا تصور بہت ترقی کر گیا۔ ارسطو نے بعد انیکسا غورث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا خدا عالم سے ایک خارجی قوت ہے لہٰذا اس کی تعلیم توحید کی تعلیم نہیں بلکہ ثنویت کی

تعلیم ہے کیونکہ اس میں خدا اور عالم ایک دوسرے سے متناقص اور جدا جدا ہیں (۸)

دیمقراطیس (DEMOCRITUS) جس نے سب سے پہلے ذرہ لایتجزیٰ کا نظریہ (ATOMICTHEORY) پیش کیا۔ دیوتاؤں کے وجود کا قائل تھا لیکن اس کے خیالات عوام سے مختلف تھے۔ اس کے نزدیک دیوتاؤں کا وجود ہے لیکن ہم میں اور ان میں کچھ فرق ہے وہ بھی ذرات ہی کے اجتماع سے بنے ہیں لیکن ہم سے بہت زیادہ قوی اور پائدار ہیں۔ انجام ان کا بھی وہی ہوگا جو ہمارا ہوتا ہے۔ حرکت اور مادے کے قوانین سے ان کو بھی نجات نہیں۔ کائنات میں کسی کو کوئی خاص حق حاصل نہیں۔ چونکہ دیوتا ہم سے دانا اور قوی تر ہیں اس لئے ہمیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ لیکن ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ممکن ہے ہم سے کچھ راہ ربط بھی رکھتے ہوں لیکن ہم اور وہ سب مادہ اور حرکت کے ازلی آئین کے تحت ہیں اس آئین میں کسی کا کچھ لحاظ نہیں ہے عاقل کو چاہیے کہ اس آئین کو پہچان کر تقدیر کے سامنے سر تسلیم کرے۔ اسی تسلیم و رضا سے مسرت و سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔ ۹

پروتاغورث (PROTAGORAS) جس کا سنہ پیدائش ۴۹۰ ق ۔ م ہے دیوتاؤں کا منکر تھا۔ اس لئے عوام اس کے خلاف ہو گئے "۴۱۱ ق ۔ م کے قریب اس پر دہریت کا الزام لگایا گیا اور اس کے خلاف فتویٰ صادر ہوا جن جن کے پاس اس کی کتابیں تھیں وہ طلب کی گئیں اور نذر آتش کی گئیں۔ وہ خود فرار ہو کر سسلی جا رہا تھا کہ راستے میں اس کا انتقال ہو گیا" (۱۰)

سقراط (SOCRATES) جس کا زمانہ ۴۶۹۔۳۹۹ ق ۔ م تھا صحیح معنی میں یونان کا پیغمبر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جمہوریہ نے اسے سزائے موت دی۔ "الزام یہ تھا کہ وہ دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا اور خلاف روایت عقائد سے نوجوانوں کے اخلاق خراب کرتا تھا" لیکن اس نے مذہب کے خلاف علانیہ بغاوت نہیں کی، جا بجا وہ بھی دیوتاؤں کے قصے مثالاً بیان کرتا ہے لیکن حکیمانہ انداز میں اور عام لوگوں کو شک ہوتا ہے کہ یہ دیوتاؤں کو ہماری طرح مانتا بھی ہے یا نہیں۔ سقراط اپنی قوم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ دیوتا بد اخلاق نہیں ہو سکتے، اس لئے فقط اچھے، خوش اخلاق دیوتاؤں کو رکھ لینا چاہیے

اور وہ بھی بچوں کی تعلیم کے لئے ۔ وہ حقیقت میں خدائے واحد کا قائل تھا جو سراپا عقل و عدل ہے، اسکے نزدیک خدا خیر مطلق تھا" اسی کا یہ بھی قول ہے کہ :۔

" انسان سے اعلیٰ تر فوق الفطرت ہستیوں کا وجود ہے ، لیکن اصل الوہیت ایک خدائے واحد کو حاصل ہے جو خیر مطلق اور علم مطلق ہے اور رب العالمین ہے" ۔(۱۱)

افلاطون (PLATO) کے مکالموں میں جا بجا دیوتاؤں کے قصے ملتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ ان کے وجود کا قائل تھا یا محض انہیں تشبیہات و تمثیلات کے طور پر بیان کرتا ہے یا یہ کہ وہ عوام کو اس دھوکے میں رکھنا چاہتا ہے کہ وہ بھی ان کی طرح خرافیات کا معتقد ہے (۳) بہر حال اپنی مشہور ترین تصنیف "جمہوریہ" (REPUBLIC) میں یہ سلسلہ تعلیم وہ یہ بیان کرتا ہے کہ :۔۱۲

بچوں کی دینیات میں یہ تعلیم نہیں ہونی چاہیئے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی کرتا ۔ ان کو فقط یہ بتانا چاہیے کہ خدا فقط اچھی باتیں کرتا ہے ، شر کو بھی خدا کی طرف منسوب کرنا بڑا ظلم ہے ۔ ان کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ خدا جسے جیسا چاہتا ہے بنا دیتا ہے ۔ کسی کو جہنم کے لئے بناتا ہے اور کسی کو جنت کے لئے جب وہ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے پہلا اصول یہ ہے کہ خدا کو خیر مطلق کے طور پر پیش کیا جائے ۔ دوسرا اصول خدا کے بارے میں یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی فطرت نہیں بدلتا ۔ خدا میں سب صفات حسنہ کا کمال ہے اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں ۔ بہروپئے دیوتاؤں کو بچوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ۔ خدا صداقت مطلقہ

ہے اور صداقت مطلقہ میں کوئی تغیر ممکن نہیں "[۱۳]

افلاطون شاعروں کے بھی خلاف تھا اس لئے کہ " اس کے زمانہ کے شعرا دیوتاؤں کے مخرب اخلاق قصے دہراتے تھے۔ سوا چند اچھے اخلاق کی تعلیم دینے والے شاعروں کے وہ سب شاعروں کو اپنی مجوزہ مملکت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا"[۱۴]

ارسطو (ARISTOTLE) افلاطون کا مشہور شاگرد جس کا سنہ پیدائش ۳۸۴ ق ۔ م ہے توحید کا قائل تھا وہ کہتا ہے کہ :۔

"خدا خالص روح یا خالص تصور ہے۔
خدا سے برتر کوئی تصور نہیں ۔ اس لئے خدا کے اندر
مادے کا کوئی شائبہ نہیں۔
خدا عقل کل اور تصور بے مادہ ہے وہ فکر خالص ہے
جو خود ہی اپنا موضوع فکر ہے۔
عقل الہیٰ اشیاء کے ادراک سے ملوث نہیں ہوتی۔
تمام کائنات مختلف مدارج میں اسی عقل کل کے
تحقیق میں لگی ہوئی ہے اور یہ سرچشمہ عقل آفریدہ
نہیں وہ کون و فساد سے ماورئی ہے۔
خدا کائنات کا نصب العین ہے اور نصب العین کی
طرف بڑھنے کا نام حیات و وجود ہے [۱۵]

اقتباسات بالا سے ظاہر ہو گا کہ عوام اور خواص کے عقائد میں کتنا زبردست فرق تھا۔ عوام کثرت پرست تھے اور فلاسفہ توحید کے قائل ۔ دراصل ہر بڑے مفکر کو "خدا کی تلاش" تھی ۔ ان میں سے بعض نے اپنے مقصود کو پالیا تھا اور بعض اس کے لیے سراپا تنک ودو تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار مکمل کر نہ کر سکتے تھے ۔ " سچی باتیں " کہنے والوں کا انجام ان کے سامنے تھا جن میں سے بعض جلا وطن کئے گئے ، بعض کو زدو کوب کیا گیا اور کسی کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا ۔ یہی وجہ تھی کہ بیشتر یونانی فلاسفر نے معبود کے بارے میں اپنے خیالات دبی زبان میں پیش کئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں زینوفین (XENOPHANES) کا بیان پڑھنے کے قابل ہے کہتا ہے:۔

"خدا ایک ہے جو دیوتاؤں اور انسانوں میں سب
سے بڑا ہے۔
اس کا جسم اور دماغ مثل انسان کے نہیں ہے۔
وہ سراپا بصارت، سراپا سماعت اور سراپا عقل ہے
لیکن فانی الغسان نے دیوتاؤں کو اپنی صورت پر بنایا
ہے۔
انھیں اپنا جسم، اپنا لباس اور اپنی آواز عطا کی ہے۔
میرے خیال میں اگر بیلوں شیروں اور گھوڑوں کے
فقط ہاتھ ہوتے تو انہوں نے اپنے ہی ایسے دیوتا
بنائے ہوتے۔
گھوڑوں کے دیوتا گھوڑوں کے ایسے ہوتے اور بیلوں
کے دیوتا بیلوں کے ایسے۔"

باوجود اس کے کہ یونانی فلاسفہ توحید کے قائل ہو چکے تھے عوام نے توحید کو کبھی قبول نہ کیا۔ یونانی تہذیب کے قیام تک عوام کثرت پرستی میں مبتلا رہے۔ البتہ زمانہ مابعد میں بعض لوگ جو ان مفکرین سے متاثر ہوئے تشکیک میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے ایک "نامعلوم خدا کے لئے قربان گاہ بنائی جیسا کہ ایتھنس میں پولس کے وعظ سے ثابت ہوتا ہے (عہد نامہ جدید "اعمال" باب ۱۷ آیات ۲۲-۲۸)

اس تشکیک کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد یونانیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا جس میں یونانی فلسفہ کے برخلاف خدا کا ایک واضح تخیل موجود تھا۔

۱۔ ملاحظہ ہو "کیوپڈ اور سائکی" از مولانا نیاز فتح پوری

۲۔ ۳ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم "داستان دانش ۱۹۴۳، صفحہ ۲۶

۴۔ تا ۱۵ ۔ داستان دانش صفحہ ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۹-۵۰، ۵۵، ۶۲، ۸۰، ۸۳، ۱۱۱، ۱۱۳
۱۱۵

رومی مذہب

روایتاً شہر روم کی بنیاد رومولس اور ریمس نامی جڑواں بھائیوں نے ۷۵۳ ق ۔ م میں ڈالی تھی، ۵۰۲ ق ۔ م سے روم میں ایک آزادانہ حکومت کا پتہ چلتا ہے ۔ ۲۹۰ سے ۲۲۶ ق ۔ م کے درمیان اہل رومہ نے اٹلی کو فتح کر لیا اور اطالوی ریاستوں کو متحد کر کے اطراف کے ممالک پر حملے شروع کر دیئے ۔ ان کا خاص حریف کارتھیج کی ریاست تھی ۲۶۴ ق ۔ م میں اس سے پہلی جنگ ہوئی ۲۱۸ اور ۲۰۲ ق ۔ م کے درمیان دوسری جنگ ہوئی جس میں کارتھیج کا جنرل ہنی بال، آلپس کو پار کر کے خود اٹلی آپہونچا لیکن بالآخر شکست ہوئی ۔ اسی زمانہ میں رومن لیجین نے یونان اور ایشائے کوچک فتح کر لیا ۔ ۱۴۶ ق م انھوں نے کارتھیج اور کارتھ کو برباد کر دیا ۔ اس طرح بحیرہ روم پر ان کا پورا اقتدار قائم ہو گیا ۔ ۵۸ اور ۵۰ ق ۔ م کے درمیان جولیس سیزر نے فرانس (گال) فتح کر لیا ۔ ۴۴ ق ۔ م میں اسے قتل کر دیا گیا ۔ ۳۱ ق ۔ م میں مارک انطانی کو آکٹیوس سیزر نے شکست دی اور مصر پر قبضہ کر لیا ۔ بعد ازاں وہ آگسٹس کے لقب سے روم کا پہلا شہنشاہ ہوا ۔ ۱۱۷ میں سلطنت رومہ اپنے پورے عروج پر پہونچ گئی اس کی چار قدرتی حدیں تھیں ۔ شمال میں دریائے رائن اور ڈینوب، مشرق میں بحیرہ اسود، دریائے فرات اور عرب کا ریگستان ۔ جنوب میں دشت صحارا اور مغرب میں بحر اٹلانٹک، روم والوں نے اپنے مذہب کو دوسرے ممالک میں پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ الٹا ان کا مذہب دیگر ممالک خصوصاً یونان کے مذہب سے متاثر ہوا ۔ اسی اثنا میں عیسائی مذہب نہایت سرعت کے ساتھ عروج حاصل کر رہا تھا ۔ یہاں تک کہ ۳۱۳ء میں قسطنطن اعظم نے عیسائی مذہب کو سلطنت رومہ کا سرکاری مذہب قرار دیا ۔ اس طور پر انگلستان، فرانس،

اسپین ، ایشیائے کوچک اور مصر وغیرہ میں عیسائیت پھیل گئی ۔ اس کے بعد سے سلطنت رومہ کا زوال شروع ہوا۔یہاں تک کہ ۴۷۶ء میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

ارواح پرستی

روم والوں کا قدیم مذہب جادو ٹونے پر مشتمل تھا۔وہ ہر شے میں ایک روح کو کارفرما پاتے تھے جسے نومین (NUMEN) کہتے تھے ۔ یہ روحیں معمولی سے معمولی کاموں سے لے کر بڑے سے بڑے کاموں تک کی نگراں تھیں ۔ یہ روحیں بے صورت اور بے جسم تھیں اسی لئے روم کے قدیم مذہب میں ہمیں تجسیم بشری کا پتہ نہیں چلتا۔

اسلاف پرستی

اہل رومہ اپنے خاندانی بزرگوں کی بھی پرستش کرتے تھے ہر گھر میں اس کے لئے ایک مقام متعین ہوتا تھا۔

خانگی معبود

گھریلو معبودوں میں تین خاص تھے:۔

۱۔ویسٹا (VESTA) آگ کی دیوی جو چولھے کی محافظ تھی ، شہر روم میں ایک بڑا آتشکدہ تھا جہاں آگ کو کبھی بجھنے نہ دیا جاتا تھا۔ کنواری لڑکیاں جنھیں "ویسٹا کی کنواریاں" (VESTAL VIRGINES) کہتے تھے اس کی حفاظت کرتی تھیں۔

۲۔ پی نیٹس (PENATES) وہ دیوتا جن کا کام اناج کی کوٹھری کی حفاظت کرنا تھا۔

۳۔جنس (JANUS) دروازے کا محافظ دیوتا۔اس کے آگے پیچھے دو چہرے بنائے جاتے تھے ۔امن وآشتی کے دنوں میں روم میں اسکا مندر بند رہا کرتا تھا انگریزی مہینے جنوری (JANUARY) کا نام اسی سے منسوب ہے۔

کھیتوں کے دیوتا

کھیتی باڑی کا خاص دیوتا سیٹرن (SATURN) زحل تھا جس کے نام پر ہفتہ کا نام "سیٹرن ڈے" پڑا جو مخفف ہو کر "سیٹرڈے" (SATURDAY) ہو گیا اسی کو ہندو شنی وار یا سنیچر کہتے ہیں۔

سرحدوں کے دیوتا

رومیوں میں جائداد کی حدیں مقرر کرنے والے پتھر بھی پوجے جاتے تھے جنھیں ٹرمینس (TERMINUS) کہتے تھے۔

معبود اکبر

شہر روم کا محافظ جوپیٹر (JUPITER) دیوتا تھا وہ رب الارباب کا مرتبہ رکھتا تھا اور دوسرے معبود اس کے وزراء اور ملائکہ کی حیثیت رکھتے تھے وہ دیوتاؤں کا سردار اور آسمان کا بادشاہ تھا پانی برسانا اس کا خاص کام تھا اس کا نام یونانی (ZEUSPATER) کی بدلی ہوئی صورت ہے جو ہمیں ہندی آریوں کے "دیوش پتر" کی یاد دلاتا ہے

جوپیٹر کے بعد دوسرا بڑا معبود مارس (MARS) یعنی مریخ تھا وہ لڑائی کا دیوتا تھا اس کے نام پر انگریزی کے تیسرے مہینے کا نام مارچ (MARCH) پڑا۔

دراصل اہل رومہ کے مذہب، یونانیوں کے مذہب اور قدیم ہندی آریوں کے مذہب میں بڑی مشابہت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تینوں شروع میں ایک ہی مذہب رکھتے تھے جسے ہم "قدیم آریہ مذہب" کہہ سکتے ہیں اس میں بعد ازاں مقامی تبدیلیاں ہوئیں لیکن باوجود اسکے تینوں میں بنیادی مشابہت برقرار رہی۔

عابد اور معبود کا تعلق

رومیوں کے دیوتا نذر و نیاز سے خوش ہوتے تھے اور وہ مرادوں کو پورا کرتے تھے اگر ٹھیک سے قربانیاں نہ پیش کی جاتیں تو دیوتا ساتھ نہ دیتے۔

سلاطین پرستی

ان کے یہاں شہنشاہ پرستی کا بھی رواج تھا بادشاہ کو جوپیٹر کا اوتار سمجھتے تھے اکثر سلاطین اس بادشاہ پرستی کو ایک ڈھکوسلا اور سوانگ سمجھتے تھے۔ مگر چند ایسے فاترالعقل شہنشاہ بھی ہوئے ہیں جو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ سچ مچ خدا ہیں۔ کالیگولا (CALIGULA) اس کی ایک مثال ہے۔ وہ اپنے کو جوپیٹر سے مشابہ کرنے کے لئے سونے کے باریک تاروں کی مونچھیں لگایا کرتا تھا جن کا وزن ۱۴ قیراط تھا ان مونچھوں کی وضع بالکل ویسی ہی تھی جو جوپیٹر کے مجسموں میں ظاہر کی جاتی تھی۔

"عملی زندگی میں اس بادشاہ پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلاطین کی تصاویر اور بت مثل دیوتاؤں کے پوجے جانے لگے۔ اب وہ ایک ایسی مقدس و مطہر شے بن گئے تھے کہ ان کے ساتھ خفیف سی بے ادبی کا ارتکاب شدید تعزیز کا مستوجب بنا دیتا تھا"

غالباً یہ بادشاہ پرستی مصر سے آئی تھی جہاں فراعنہ کو دیوتاؤں کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔

حکمائے روم کے خیالات

جس طرح کثرت پرستی کے خلاف فلاسفہ یونان میں رد عمل پیدا ہوا اور وہ رفتہ رفتہ توحید کے قائل ہو گئے اسی طرح روم میں بھی علماء و فضلاء نے کثرت پرستی پر سخت تنقید کی اور بالآخر ایک خدا پر ایمان لے آئے۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مذہب کی اصلیت کیا ہے۔

لکریشیش (LUCRETIUS) کا قول ہے کہ:۔

"خوف نے دیوتاؤں کو جنم دیا اور مذہب خوف
(خصوصاً موت کے ڈر) کی پیداوار ہے"۔

اس طرح یوہیمیرس نے دیوتاؤں کی شان نزول یہ بیان کی کہ:۔

یہ اپنے زمانہ میں بادشاہ تھے مگر ان کی موت کے بعد
لوگ انہیں خدا سمجھنے لگے"

دوسرا نظریہ جو رومن تشکیک کے دور اول میں زیادہ مقبول ہوا یہ تھا کہ مختلف معبود دراصل فطرت کے مختلف مظاہر، یا ذات باری کے مختلف قویٰ ہیں۔ مثلاً نیپچون پانی ہے، پلوٹو آگ ہے، ہرقلیس قدرت باری ہے، مزدا دانش الہیٰ ہے وغیرہ وارو (VARRO) نے سلطنت روم کی بنیاد پڑنے سے سو برس پیشتر یہ کہا تھا کہ:۔

کائنات کی روح ذات باری ہے اور اس کے مختلف
قویٰ دیگر معبود ہیں۔"

ورجل (VIRGIL) و مینیلیس (MANILIUS) نے اس خیال کو یوں نظم کیا کہ:۔

تمام زندگی کا اصل الاصول تمام حرکت کی علت
فاعلی ایک عالمگیر روح ہے جو کائنات کے گوشہ
گوشہ میں جاری وساری ہے۔"

پلینی (PLINY) کے الفاظ یہ تھے کہ:۔

"آسمان و زمین، غرض جملہ کائنات کو بجائے خود،
خدا سمجھنا چاہیئے جو ازلی و ابدی، لایزال و لایزل ہے
بس اس سے زیادہ کسی بات کی جستجو کرنا انسان کے
لئے مفید نہیں کیونکہ اس کے سوا ہم کچھ دریافت
نہیں کر سکتے"۔

سسرو (CICERO) کا افلاطون کے اس مقولہ پر ایمان تھا کہ:۔

"خدا نام ہے روح مجرد کا۔ ایسے نفس کا جو جسم و مادہ

کی کثافت سے پاک ہے۔"

سسرو نے اپنے عقیدہ توحید میں معبودان ثانوی کیلئے کوئی گنجائش نہیں رکھی کہانت کی بیخ کنی کی کاہنوں کی جماعت کو سیاسی مکار قرار دیا اور معجزات و کرامات کو التباس حواس وافراط تخیل کا نتیجہ ٹھہرایا۔

ہوریس (HORACE) نہایت چبھتے ہوئے طنز کے ساتھ ایک بخار کی زبان سے یہ خیال ادا کرتا ہے کہ:۔

"یہ کندہ ناتراش جو میرے سامنے رکھا ہے، اسکی
میں تپائی بناؤں، یا اس کا کوئی دیوتا بنا ڈالوں؟"

سسرو، پلوٹارک(PLUTARCH) میکزیمس(MAXIMUS) و، ڈیان کریزوسٹوم(DION CHRYSOSTOM) یہ سب لوگ یا تو بت پرستی کے یکسر مخالف ہوئے ہیں اور یا اگر اسے جائز سمجھتے تھے تو صرف اس بنا پر کہ عوام کے ذہن میں خدا کے تصور جمانے میں متعین ہوتی ہے۔

فلسفہ جبر و اختیار

فلاسفہ روم، اس حد تک تو یونانیوں کے موید تھے کہ دولت، ثروت، عزت و وجاہت وغیرہ بالکل خداداد ہوتی ہیں لیکن اس کے قابل نہ تھے کہ انسان اپنے خصائیں اخلاقی کے لحاظ سے بھی بندہ تقدیر ہے۔ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جذبات واحساسات بالکل انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں اور ان میں انسان اپنی ذاتی کوشش سے اتنی ترقی کر سکتا ہے کہ دیوتاؤں (یا خدا) کے ہم پلہ ہو جائے۔

بسا اوقات یہ فلسفی انسان کا خدا سے مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی شان میں گستاخانہ واہانت آمیز کلمے استعمال کرنے میں گریز نہ کرتے تھے۔اور بسا اوقات خدا اور انسان کے تعلق پر بڑے اچھے انداز میں خیال آرائی بھی کرتے تھے۔

خدا انسان کے دل میں ہے

بعض فلاسفہ روم کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہر انسان میں روح ربانی حلول کئے ہوئے ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسان اس بحر بے پایاں کا ایک جزو ہے، سسرو کا قول تھا کہ:۔

"کوئی بڑا شخص ایسا نہیں ہوا جس میں اسکی عظمت
القاء نہ ہوئی ہو"

سنیکا کہتا تھا کہ:۔

"ہم میں سے ہر شخص کے اندر ایک روح مقدس
رہتی ہے جو ہمارے اعمال کی حاکم و نگراں ہے۔ خدا
سے علیحدہ ہو کر کوئی شخص نیک نہیں ہو سکتا"

خدا کا اعتراف

پہلے فلاسفہ روم میں وحدت وجود کا تخیل پیدا ہوا لیکن بعد میں اس کی جگہ ایک خدا نے لیلی اور اس کا کھلے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا جانے لگا ایپک ٹیٹس (EPICTETUS) کے یہ مقتبس فقرے پڑھنے کے قابل ہیں:۔

"سب سے پہلے جاننے کی چیز یہ ہے کہ ایک رب کا
وجود ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور جو نہ
صرف ہمارے اعمال سے بلکہ ہمارے اندورنی
جذبات و تصورات تک سے خبردار رہتا ہے۔
جو شخص نیکی کی راہ چلنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ
خود اوصاف باری کا اتباع کرے۔ جس طرح خدا
نیک ہے وہ بھی نیکی کرے اور جس طرح خدا فیاض
ہے وہ بھی فیاضی کرے۔"

بالآخر یونان کی طرح روم میں بھی عیسوی مذہب کی اشاعت ہوئی اور وہاں کے دیوتاؤں کی حکومت ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی۔

۱، ۲، ۳ تاریخ اخلاق یورپ صفحات ۱۳۳-۱۳۴، ۱۹۱-۱۹۲، ۲۰۲-۲۰۳

ٹیوٹانی قوم کا مذہب

ٹیوٹانی قوم کے لوگ ناروے، سویڈن، ڈنمارک، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، انگلستان اور آئس لینڈ میں آباد ہیں۔ان ممالک کی زبانیں آپس میں گہرا تعلق رکھتی ہیں اور اسی لئے خدا کیلئے جو الفاظ ان ممالک میں مستعمل ہیں وہ تقریباً ایک ہی سے ہیں۔

خدا کیلئے یہ لفظ یعنی گاڈ کسی دوسری آریائی زبان میں نہیں پایا جاتا۔پہلے اس کے معنی "بت" یا "شبیہہ" کے تھے لیکن جب ٹیوٹانی قوم نے عیسائی مذہب قبول کیا تو وہ اس نام سے عیسائی مذہب کے خدا کو موسوم کرنے لگی۔

ایڈا (EDDA) ٹیوٹانی قوم کی پرانی مذہبی کتاب ہے جس کا قدیم ترین نسخہ ۱۳۰۰ء کا ہے۔اس سے ان کے مذہبی عقاید پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

دیوتاؤں کا مسکن

ٹیوٹانی دیومالا کے مطابق کائنات ایک درخت کی صورت میں ہے جسے اگڈراسل (YGGDRASIL) کہتے ہیں۔اس کی جڑوں میں موت کا ملک ہے وسطی حصے میں انسانوں کی دنیا ہے اور چوٹی پر بہشت ہے جسے آسگارڈ (ASGARD) کہتے ہیں۔وہاں بارہ دیوتا اور چھبیس دیویاں رہتی ہیں جن کا سردار اوڈن ہے۔

چار قدیم معبود۔

اگرچہ ٹیوٹانی قبائل کے الگ الگ دیوتا تھے لیکن ان میں چار معبود مشترک تھے۔شاید ان کی پرستش ہی ٹیوٹانی قبائل کا خاص مذہب تھا۔

معبود اعلیٰ: اوڈن

ٹیوٹائی قوم کے دیوی دیوتاؤں میں اوڈن یا ووڈن کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے وہ دیوتاؤں کی مجلس کا سردار ہے پہلے وہ محض ہوا کا دیوتا تھا لیکن چونکہ انسان کی روح کو ہوا ہی سمجھا جاتا تھا اس لیئے وہ ملک الموت بن گیا۔

وہ شعر و شاعری اور سحر و افسوں کا بھی دیوتا ہے وہ سب کچھ دیکھتا ہے ۔ اسے ایک بڈھا آدمی ظاہر کیا جاتا ہے ۔ اس کی ڈاڑھی بہت لمبی ہے ۔ دو بھیڑیئے اسکے ساتھ چلتے ہیں اور دو کوے جو اس کے کندھوں پر بیٹھے رہتے ہیں اسے ہر خبر پہنچاتے رہتے ہیں وہ کھانا نہیں کھاتا جو کھانے اسے پیش کیئے جاتے ہیں وہ اپنے بھیڑیوں کو دے ڈالتا ہے وہ زبردست جنگجو ہے ۔ وہ بہادری کو پسند کرتا ہے

آسمانی دیوتا: تھار

اوڈن کے بعد دوسرا اہم معبود تھا وہ بادل کی گرج یا بجلی کی کڑک کا دیوتا ہے ۔ اسکے ہاتھ میں ایک ہتھوڑا دکھایا جاتا ہے جسے وہ آسمان سے پھینکتا ہے ۔ اسے ایک طاقتور جوان ظاہر کیا جاتا ہے جس کے چہرے پر سرخ ڈاڑھی ہے ۔ طوفان برق و باد کے موقعوں پر وہ ہوا میں ایک رتھ دوڑاتا پھرتا ہے جس میں دو بکریاں جتی ہوتی ہیں ۔ ایک خاص قسم کی پیٹی پہنتا ہے اسے انسانوں کا محافظ اور معاون مانا جاتا ہے وہ انہیں ارواح خبیثہ سے جنگ کرنے میں مدد کرتا ہے دیوؤں سے جنگ کرنا اس کا خاص کارنامہ ہے ۔ ناروے اور آئس لینڈ میں اسے خاص اہمیت حاصل تھی جہاں اس کے مندر بکثرت پائے گئے ہیں ۔

جنگ کا دیوتا: ٹیو

تلوار اور ڈھال اس کے خاص ہتھیار ہیں لیکن اس کا ایک ہی بازو ہے دوسرا فینرس (FENRIS) نامی بھیڑیئے کی چالبازی سے ضائع ہوگیا۔

فریجا دیوی

فریجا، اوڈن کی بیوی ہے۔اس کے نام کے معنی "محبوبہ" یا "بیوی" کے ہیں۔ وہ بچوں کی دینے والی اور شادی شدہ عورتوں کی محافظ ہے۔اوڈن کے وقار کے بڑھنے سے اس کا مرتبہ بھی اونچا ہو گیا اور وہ دیوتاؤں کی ماں بن گئی۔

اوڈن اور فریجا کا خاص بیٹا بالڈر (BALDER) تھا جو دیوتاؤں اور انسانوں میں بے حد مقبول تھا لیکن ایک دیو کی سازش سے ہلاک ہو گیا اور وہ بھی ایک معمولی تنکے کے ذریعہ!

دنیا کا انجام

ٹیوٹانی عقیدے کے مطابق دنیا میں خیر و شر کی جنگ جاری ہے۔دیوتا اور دیو نبرد آزمائی کر رہے ہیں قیامت کے دن جسے (RAGNAROK) کہتے ہیں نیکی و بدی کی آخری جنگ میں دیوتا اور دیو باہم کٹ مریں گے اور ساری دنیا معہ جنت کے فنا ہو جائیگی۔

ٹیوٹانی قوم نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ہے اور اب اس کے قدیم عقائد کی یاد دلانے کو صرف دنوں کے نام باقی رہ گئے ہیں:۔

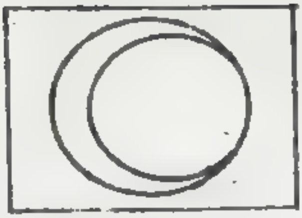
سن ڈے:۔سورج کا دن

من ڈے یا مون ڈے:۔چاند کا دن

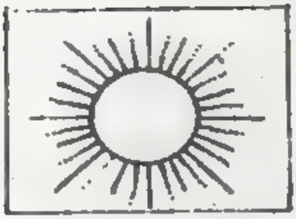
اور سیٹرڈے یا سیٹرن ڈے:۔زحل کا دن۔سیارہ پرستی کا کھلا ہوا ثبوت ہیں

بقیہ چار دنوں کے نام ٹیوٹانی قوم کے چار معبودوں کے نام ہیں۔

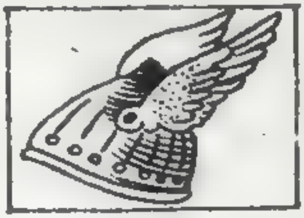
۱۔بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ لفظ وید (VEDA) سے تعلق رکھتا ہے جو ہندوؤں کے قدیم ترین مذہبی صحیفے ہیں۔



من ڈے
سوم وار



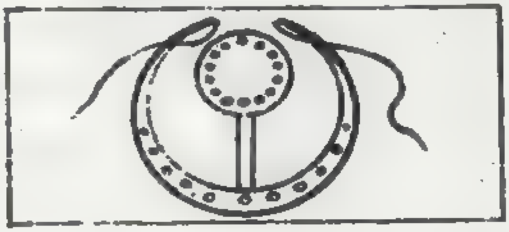
سن ڈے
آدت وار



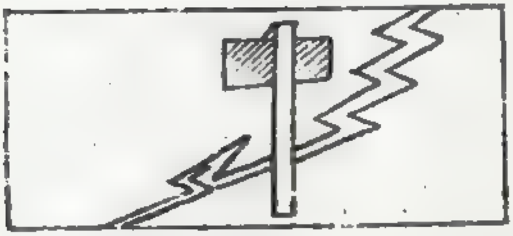
ویڈنیس ڈے
بدھوار



ٹیوزڈے
منگل وار



فرائی ڈے
شکروار



تھرس ڈے
برہسپت وار



سیٹر ڈے
شنی وار

کیلٹی مذہب

یورپ کی کیلٹی (CELTIC) قوم بھی آریوں کی ایک شاخ ہے، کیلٹی زبان بولنے والے برطانیہ اور گال (فرانس) وغیرہ میں آباد ہیں لیکن اب ان کی نسل مخلوط ہو گئی ہے۔ عیسائی مذہب قبول کرنے سے پہلے ان کا جو مذہب تھا اس کا ذکر یہاں پر مقصود ہے۔ کیلٹی پجاری جو جادوگر اور کاہن بھی ہوا کرتے تھے ڈرویڈ (DRVID) کہلاتے تھے اور ان کی رعایت سے کیلٹی کو ڈرویڈیزم (DRVISISM) بھی کہتے ہیں حیوان پرستی اور شجر پرستی ان کی نمایاں خصوصیت تھیں

دیگر آریہ اقوام کے برخلاف کیلٹی قوم میں ٹوٹم پرستی کا کثرت سے رواج تھا۔ بعد میں مقدس جانور دیویوں سے منسوب کر دیئے گئے یا خود دیویاں ان جانوروں کی سرپرست مان لی گئیں۔ مثلاً اپونا (EPONA) گھوڑے کی دیوتی تھی۔ آرٹیو (ARTIO) ریچھ دیوی تھی۔ ڈامونا (DAMONA) بھیڑیا گائے کی دیوی تھی اسی طرح موکس (MOCCUS) سؤر کا دیوتا تھا۔

درختوں میں شاہ بلوط (OAK) کی پرستش خصوصیت سے ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں دریاؤں اور چشموں کی روحیں بھی پوجی جاتی تھیں۔ چوراہوں کی بھی دیویاں تھیں اور ہر پیشے کے الگ الگ دیوتا تھے مثلاً کاشتکار کا دیوتا (AMAETHON) تھا اور (GOFANNON) دھات کا کام کرنے والوں کا مربی تھا۔

کیلٹی معبودوں میں سب سے اہم "جنگ کا دیوتا" مریخ (MARS) تھا جس کے مختلف قصبوں میں مختلف نام تھے۔ عطارد (MERCURY) اور مشتری (JUPITER) کی پرستش کم ہوتی تھی ان دونوں کے مقابلہ میں اپالو

(APOLLO) کی اہمیت زیادہ تھی جو صحت وشفا کا دیوتا تھا۔ کیلٹی لوگ بقائے روح اور آواگون میں بھی اعتقاد رکھتے تھے ڈس (DIS) تحت الارض کا دیوتا تھا۔

دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں جنھیں بید کے جھابوں میں بند کر کے زندہ جلایا جاتا تھا۔ جولیس سیزر نے اس کا ذکر کیا ہے اور شہنشاہ کلاوڈلیس (CLAUDLIUS) نے ڈرویڈیسٹ پر بعض پابندیاں عائد کر دی تھیں جن میں خاص یہ تھی کہ انسانوں کی بجائے جانوروں کی جائیں۔

دراصل کیلٹی قوم فطرت پرست تھی اور اس کے سیکڑوں معبود تھے جن کا چڑھاوے کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے لیکن ان معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے خدا کا پیشرو کہا جاسکے۔

قدیم امریکہ کے مذاہب

۱۴۹۲ء میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا اور اسی وقت سے وہاں کی پرانی تہذیب مغربی تہذیب سے متاثر ہونے لگی۔

امریکہ کی مایا (MAYA) قوم کی پرانی تہذیب کا مرکز میکسیکو تھا۔ ان کا تمدن یوکاتا سے لے کر سیلویڈر تک پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے علم تنجیم اور فلکیات میں زبردست ترقی کی تھی۔ یوکاتان میں آج بھی ان کی بنائی ہوئی رصدگاہ موجود ہے ان کی تقویم جولین کلنڈر سے بھی زیادہ صحیح تھی جس کے ذریعہ وہ (۵۰۰۰۰۰) سال تک حساب کر سکتے تھے۔ مذہب سے بھی انہیں بڑا شغف تھا جیسا کہ ان کے بنائے ہوئے عالیشان مندروں اور بے شمار بتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان میں آفتاب کی پرستش کثرت سے رائج تھی جسے کنی چاہاؤ (KANICHAHAU) یعنی "آفتاب کا آقا" کہتے تھے اس کا حریف خداوند ظلمت زوتزی لاہا چملمن (ZOTZI LAHA CHMILMAN) تھا جسے چمگاڈر دیوتا ظاہر کیا جاتا تھا وہ ایک تاریک غار میں چھپا رہتا تھا۔ چاند کو اتزما (ATZMA) کہتے تھے وہ دیوتاؤں اور انسانوں کا باپ مانا جاتا تھا۔ بارش کے دیوتا چک مول (CHAC MOOL) کو بھی بڑی اہمیت حاصل تھی جس کے نام پر فصل بہار میں چیچین اتزہ (CHICHEN ITZA) کے مقدس کنویں میں حسین کنواریاں بطور قربانی ڈال دی جایا کرتی تھیں۔ ہر سال ان کا انتخاب ہوتا تھا اور اس میں لڑکیاں اسی ذوق و شوق سے حصہ لیتی تھیں جیسے آج کل "ملکہ حسن" کے مقابلہ میں کسی لڑکی کو چن لیا جانا اس کے لئے بڑے فخر کی بات تھی ان کا عقیدہ تھا کہ ان لڑکیوں کو دیوتا اپنی دلہنیں بنا لیتا ہے۔

کوکل کان(KUKULCAN) یعنی "کلغی دار سانپ" بھی ان کا بڑا معبود تھا۔ مایا قوم کے حکمران جو بیک وقت بادشاہ بھی تھے اور پروہت بھی اس کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے تھے۔ غالباً یہ آسمان یا بجلی کی کڑک کا دیوتا تھا۔ چیچین اتزہ کا مشہور شہر اسی سے منسوب تھا لیکن یہ مایا قوم کا سب سے بڑا معبود نہ تھا یہ شرف ہونا بکو (HUNABKO) کو حاصل تھا جو غیر مرئی معبود برتر تھا۔ اسے کل دیوتاؤں کا مجموعہ مانا جاتا تھا۔

اسپین والوں کے آنے سے پہلے مایا تہذیب مٹ چکی تھی۔ تالتیق لوگوں نے اسے برباد کر دیا تھا (یہ لوگ جنوبی میکسیکو میں آباد تھے) مایا قوم کے لوگ آج بھی باقی ہیں اگرچہ انہیں عیسائی بنا لیا گیا ہے۔ لیکن اب بھی وہ چوری چھپے اپنے آباؤ اجداد کے بتوں کی پرستش کر لیا کرتے ہیں۔

جب کولمبس امریکہ پہنچا تو تالتیق اور مایا تہذیبیں مٹ چکی تھیں اور میکسیکو میں ازتیق لوگوں کا دور دورہ تھا۔ اگرچہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے کی تہذیبوں سے بہت سی باتیں سیکھ لی تھیں تاہم ان کا تمدن ۱۵۱۹ء میں (جب اسپین کے لوگ وہاں پہونچے) اس منزل تھا میں جہاں سمیریہ اور مصر ۳۰۰۰ ق۔م تھے یعنی پتھر کا زمانہ ختم ہو رہا تھا اور دھات کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔

ازتیق قوم کا آخری بادشاہ مانٹی زیوما (MANTEZUAM) تھا جسے ہسپانوی سردار کوریٹز (CORTES) نے اپنا مہمان بلایا اور پھر اسے گرفتار کر کے میکسیکو پر قابض ہو گیا۔ یہ ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے اسکے بعد وہاں کے لوگ عیسائی بنا لیئے گئے۔

ہسپانوی فتح کے وقت ازتیق لوگوں کا رجحان ایک ہی خدا کی پرستش کی طرف تھا۔ یہ امید ہوا کے دیوتا تیز کتلی پوکا (TEZCATLIPOCA) سے وابستہ تھی جسے آئینۂ آتشیں بھی کہتے تھے اسے ازتیق قوم کا جو پیٹر سمجھنا چاہیئے۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اپنی صیقل شدہ ڈھال میں انسانوں کے کل اعمال دیکھتا ہے اسے زندگی اور موت کا مالک بھی سمجھا جاتا تھا۔ جس کا وقت آجاتا اس کی روح کو قبض کرنے کے لیئے وہ تاریک راستوں میں مثل ہوا کے دوڑتا پھرتا اس لیئے اس کے القاب میں

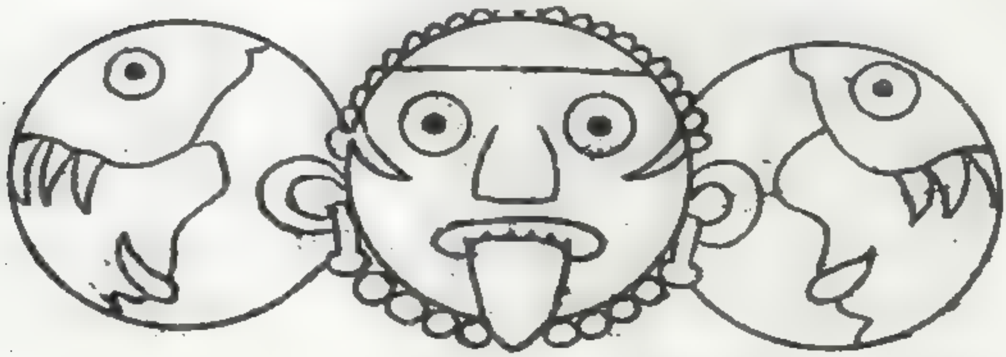
"بھوکا سردار" "دشمن" "نوجوان جنگجو" اور "رات کی ہوا" ایسے الفاظ شامل تھے۔ اس کے آرام کرنے کے لئے درختوں کے کنجوں میں پتھر کی کرسیاں بنائی جاتی تھیں۔ اسے مجی الدعوات بھی مانا جاتا تھا اس لئے اس کے بالوں سے ایک سنہرا کان لٹکا ہوا دکھایا جاتا تھا جس کے گرد متعدد چھوٹی چھوٹی زبانیں دکھائی جاتی تھیں۔

لیکن یہ دیوتا ازتیق قوم کا سب سے بڑا معبود نہ تھا۔ یہ فخر سورج دیوتا توناتیاہ (TONATIOH) کو حاصل تھا جسے زندگی کا منبع مانا جاتا تھا اور سب سے زیادہ انسانی قربانیاں اسی کو پیش کی جاتی تھیں۔ قربانی کا یہ طریقہ تھا کہ پتھر کے چاقو سے انسان کا سینہ چاک کر کے دل نکال کر دیوتا کے قدموں میں ڈال دیتے تھے۔ اور لاش کو اٹھا کر پھینک دیا جاتا تھا۔ بہت سے جنگجوؤں نے یہ پیشہ بنا رکھا تھا کہ سورج دیوتا کی نہ مٹنے والی اشتہا کی تسکین کے لئے روزانہ قربانیوں کے واسطے دشمن قبائل سے انسانوں کو گرفتار کرتے اور جو سب سے زیادہ قیدی لاتا اس کی بڑی توقیر ہوتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ کسی بادشاہ کی تخت نشینی یا مندر کی تعمیر کے وقت بھی ہزاروں آدمیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا اور کبھی کبھی انسانی قربانیوں کا یہ سلسلہ کئی کئی دن تک چلا کرتا۔ ایک مقام پر جسے "کھوپڑیوں کا اہرام (PYRAMID OF SKULLS) کہتے ہیں۔ اسپین کے لوگوں نے ایک لاکھ چھتیس ہزار انسانی کھوپڑیاں گنی تھیں۔

سورج دیوتا کی خوں آشامی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس کی تصویریات کو اس طرح بنایا جاتا تھا کہ اس کے منہ سے زبان نکلی ہوئی ہے اور اپنے ہاتھوں میں دو تیندوے پکڑے ہوئے یا اس کے چہرے سے ملا کر تیندوے کے دو سر بھی بنا دیئے جاتے تھے۔ بالکل اسی طرح پیرو کے ناسکا (NASCA) لوگ بھی اپنے خاص دیوتا کی شبیہہ بناتے تھے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ ازتیق لوگوں اور ناسکا قبیلے میں کچھ تعلق تھا۔

تیسرا اہم معبود جنگ کا دیوتا ہیوتز یلو پوکتلی (HUIT ZILOPOCHTLE) تھا جو ایک دیندار بیوہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ روایت ہے کہ ایک دن وہ پہاڑ پر عبادت کر رہی تھی کہ اس کی گود میں آسمان سے ایک خوبصورت

پروں کا گلدستہ آگرا جسے اس نے سینہ سے لگالیا اور سوچا کہ وہ اسے سورج دیوتا کے نذر کرے گی ۔ لیکن بعد اسے معلوم ہوا کہ ▪ اس گلدستہ کے اثر سے حاملہ ہو چکی ہے لیکن پہلے شوہر کی اولاد نے اسے بد فعلی کا نتیجہ سمجھا اور اسے مارنے کی غرض سے اس پر ٹوٹ پڑے اتنے میں اس کے "بچہ" پیدا ہو گیا جو بالکل جوان اور ہتھیار بند تھا اس نے اپنے ناخلف بھائیوں اور بہن کو مار ڈالا اور اس کے بعد وہ جنگ کا دیوتا بن گیا اور اسکی ماں زمین کی دیوی کوتلنتونا (COATLANTONA) بن گئی۔



(۱)



(۲)

سورج دیوتا (۱) ازتیق (۲) ناسکا

ازتیق قوم کا سب سے مشہور معبود قوتزل کوتل (QUETZALCOATAL) تھا جس کے نام کہ معنی "کلغی دار سانپ" کے ہیں

اس کا مقابلہ ہم مایا قوم کے کوکل کان (KUKALCAN) سے کرسکتے ہیں وہ انسانوں کی قربانی کے بجائے اپنے پرستاروں کا خون چاہتا تھا لہذا اس کے پروہت اپنی زبانوں اور کانوں میں شگاف کر کے خون نکالتے اور پھر دیوتا کے منہ پر ملتے اسے ایک گورا شخص ظاہر کیا جاتا تھا جس کے چہرے پر لہرائی ہوئی ڈاڑھی ہوتی۔ ان میں یہ روایت مشہور تھی کہ وہ ایک عجیب صورت کے جہاز میں سوار ہو کر آیا تھا۔ اور اس نے انہیں تہذیب و مدنیت کی تعلیم دی اور بہت سے علوم سکھائے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا کہ کولمبس سے پہلے بعض یورپی لوگ امریکہ پہونچ چکے تھے اور انہی کے سردار کے گرد یہ روایت تیار کی گئی تھی اس روایت کا آخری حصہ یہ تھا کہ قوتزل کوتل یہ کہہ گیا تھا کہ میں فلاں فلاں وقت واپس آؤں گا اس وقت کا لوگوں کو انتظار تھا اور نجموں نے اس کی صحیح تاریخ بھی متعین کر دی تھی چنانچہ جب کورٹیز ۲۱ اپریل ۱۵۱۹ء کو ازتیق ملک میں پہونچا تو وہاں کے لوگوں کو تعجب نہ ہوا کیونکہ وہ اس کا انتظار ہی کر رہے تھے جلد ہی یہ خبر پھیل گئی کہ قوتزل کوتل واپس آگیا ہے۔ اہل اسپین کا دیوتاؤں کی طرح استقبال کیا گیا لیکن "دیوتا نما خبیثوں" نے وہاں کے باشندوں سے کیا سلوک کیا اس کی طرف ہم مضمون کے شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔

انکا (INCA) جنوبی امریکہ میں تہذیب کا خاص مرکز پیرو (PERU) تھا جہاں انکا قوم آباد تھی۔ اس کے افراد اپنے کو "سورج کی اولاد" بتاتے تھے۔ سورج کو پیرو میں کس قدر اہمیت حاصل تھی اسے یوں سمجھئے کہ اسکے دارالحکومت کزکو ( ) CUZCO میں سورج دیوتا کا مندر اس قدر مالا مال تھا کہ ۱۵۳۷ء میں اسپین کے لوگوں نے جب اسے لوٹا تو سونے اور جواہرات کی صورت میں جو دولت ہاتھ آئی اسکا اندازہ ۱۲ ملین ڈالر کیا جاتا ہے۔ سورج دیوتا کو انتی (INTI) کہتے تھے اس کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر گرہن پر مرجاتا ہے اور اس کے بعد دوبارہ پیدا ہوتا ہے اسے ایک معبود برتر کے طور پر مانا جاتا تھا جسے پاچہ قامق (PACHA KAMAC) یعنی "دنیا کا خالق" کہتے تھے وہ آسمان پر رہتا تھا۔ پاچہ قامق اور انتی کا مقابلہ عیسائی مذہب کے خدا اور عیسیٰ سے کیا جاتا ہے عیسائیوں کی طرح انکا لوگوں میں بھی حیات بعد

ممات اور دوزخ و جنت کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔

انکا حکومت کا خاتمہ تاریخ عالم کا ایک المیہ ہے اس کے آخری تاجدار اتاہوالپا (ATAHUALPA) کو ہسپانوی سردار پزارو (PIZAPRO) نے ۱۵۳۰ء میں دھوکا دے کر گرفتار کر لیا اور آزادی کی یہ شرط مقرر کی کہ جب فلاں فلاں ہال کو فرش سے چھت تک سونے سے پاٹ دیا جائے گا تو چھوڑ دیں گے لیکن جب رعایا نے یہ شرط پوری کر دی تو اسکے محبوب حکمران کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا اس کے بعد وہاں کے لوگوں پر طرح طرح کے مظالم کئے گئے اور انہیں عیسائی بنا لیا گیا لیکن آج بھی وہاں کی اکثریت اپنے آباواجداد کے معبودوں کی معتقد ہے۔

ہندو مذہب

ہندوؤں کا خیال ہے کہ ان کے مذہب کا وجود ۴۰۰۰ ق ۔م سے پایا جاتا ہے اور وہ دنیا کا سب سے پرانا مذہب ہے ۔ یہ خیال سراسر بے بنیاد نہیں ہے ۔ ہندو مذہب کی تاریخ کو ہم ہندوستان کی تاریخ کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔

آریوں کے آنے سے پہلے

ہندوستان کے قدیم باشندے آسٹریلیا اور افریقہ کے سیاہ فام اقوام سے رشتہ رکھتے تھے اب یہ ملک کے مختلف حصوں میں منتشر حالت میں آباد ہیں اور ان کی آبادی گھٹ رہی ہے ۔ غالباً ان میں مناظر فطرت کی پرستش اور جادو ٹونے کا رواج تھا ۔

ان کے بعد غالباً ۴۰۰۰ ق ۔م بحیرہ روم کی ساحلی اقوام سے رشتہ رکھنے والے دراوڑ لوگ آئے اور شاید انہی لوگوں نے ہندوستان کے شمال مغربی حصہ میں ایک زبردست تہذیب کی بنیاد ڈالی جس کے آثار ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۴ء کے درمیان ہڑپا (پنجاب) اور موہنجوداڑو (سندھ) میں کھود کر نکالے گئے ۔ سر جان مارشل کی تحقیقات کے مطابق یہ تہذیب ۳۲۵۰ اور ۲۷۵۰ ق ۔م کے درمیان اپنے شباب پر تھی ۔ اسکا نام "وادی سندھ کی تہذیب" رکھا گیا ہے ۔

وادی سندھ کے لوگوں کو جادو ٹونے پر زیادہ اعتقاد تھا اس کا ثبوت تانبے کے ان تعویذوں اور پتھر کی ان مہروں سے ہوتا ہے جو کافی تعداد میں برآمد ہوئی ہیں ۔ ان کے اوپر کے حصے میں تصویری خط پایا جاتا ہے جسے ابھی تک پڑھا نہیں جا سکا ہے اور بیچ میں کسی جانور کی تصویر ہوتی ہے ۔ حیوانی تصاویر میں بیل، ہرن، ہاتھی، چیتا اور مگر خاص ہیں، ان میں بعض کے سامنے کھانے یا بخور جلانے کا برتن ہوتا ہے ۔ بیل کی

تصویروں والی مہریں سب سے زیادہ ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی بیل کو تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا (ہندو بیل کو شیوجی کی خاص سواری مانتے ہیں) ایک مہر پر شیوجی کا "پشو پی روپ" پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک مرد کو سینگ کا تاج پہنے مراقبے کی حالت میں دکھایا گیا ہے جسے جنگلی جانور گھیرے ہیں غالباً یہی سینگ بعد میں چاند سے بدل گیا اور اس طرح شیوجی کا لقب "چندر شیکھر" ہو گیا ایک شخص کا مجسمہ ملا ہے جس کے لباس پر پتیہ نشان پایا جاتا ہے جو غالباً بیل کے پتے سے ماخوذ ہے ان پتوں کا استعمال آج بھی شیو پوجا میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لنگ پوجا کے مادی شواہد ملے ہیں بعض مہروں کی انسانی تصاویر "یوگ" کے رواج کو ظاہر کرتی ہیں اور بعض پر ناگا یعنی سانپ دیوتاؤں کی تصویریں پائی جاتی ہیں۔

ایک مہر پر پیپل کے سات پتوں کا گلدستہ اور ایک پر پیپل کے درخت میں دیوی کو دکھایا ہے جس سے "شجر پرستی" کا پتہ چلتا ہے (پیپل کی آج بھی پرستش ہوتی ہے) شکتی پوجا کا ثبوت ایک دیوی کے مجسمے ہیں جس کے سینہ کو عریاں اور نمایاں کر کے بنایا گیا ہے۔ یہی "مادر فطرت" ہے جس کی پرستش ایران، عراق اور کریٹ وغیرہ میں بھی ہوتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ وادی سندھ کے لوگوں کے تجارتی تعلقات سوس (ایران) اور سمیریہ (جنوبی عراق) وغیرہ سے بھی رہے اور ان مقامات کی تہذیب نے سندھ کے تمدن کو کافی متاثر کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں مقامی رنگ بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ہندو مذہب کی بنیاد وادی سندھ میں پڑ چکی تھی۔

آریوں کی آمد

یورپ کی زبانوں کا ہندوستان، افغانستان، ایران اور آرمینا کی زبانوں سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لئے انہیں ہند یورپی زبانیں کہتے ہیں ان کا ایک مشہور نام آریائی بھی

ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان زبانوں کے بولنے والے پہلے کسی ایک مقام پر آباد تھے اور وہاں سے ہجرت کر کے ان کی ایک شاخ ایران و ہندوستان چلی آئی اور دوسری یورپ چلی گئی۔ ان زبانوں کے بولنے والے شروع میں ایک ہی نسل کے لوگ تھے جو اپنے کو آریہ (بہ معنی "شریف" یا "ممتاز" (۱)) کہتے تھے بعد کو دیگر اقوام میں شادی بیاہ کرنے سے ان کی نسل مخلوط ہو گئی اور اب آریہ کسی خاص نسل کا نہیں بلکہ زبانوں کے ایک خاندان کا نام ہے۔

آریوں کے اصلی وطن کے بارے میں اختلاف ہے۔ بال گنگا دھر تلک منطقہ باردہ ظاہر کرتے ہیں۔ پروفیسر میکس ملر وا وسط ایشیا، اور مسٹر بینفی روس کا مشرقی حصہ، بعض کا کہنا ہے کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ تبت یا کشمیر میں آباد تھے جہاں سے وہ سارے ہندوستان میں پھیل گئے اور یورپ وغیرہ کو بھی گئے۔

ان کا زمانہ آمد بھی یقین کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ غالباً ان کا سب سے پہلا جتھا ۲۰۰۰ ق۔م ہندوستان آیا۔ اس کے بعد وہ گروہ در گروہ سیلاب کی مانند اس ملک میں آتے گئے اور یہاں کے دراوڑ باشندوں کو جنوب اور مشرق کی طرف دھکیل کر ان کی زمین پر قابض ہو گئے اور شمالی ہندوستان "آریہ ورت" کے نام سے مشہور ہو گیا

رگوید کا زمانہ

ہمیں ہندوستانی آریوں کے ابتدائی مذہب کا حال ان کے سب سے قدیم صحیفے رگوید سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ۱۰۲۸ بھجن ہیں جو دس کتابوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے آخری کتاب بقیہ کے مقابلہ میں نہایت فلسفیانہ ہے۔ مغربی عالموں کا خیال ہے کہ یہ کل بھجن ۱۵۰۰ اور ۱۰۰۰ ق۔م کے درمیان تصنیف کئے گئے تھے۔

معبود کا تخیل

سنسکرت زبان میں معبود کو دیو کہتے ہیں جس کے لغوی معنی "منور" کے ہیں

اس لفظ کا مادہ دو(٢) ہے بہ معنیٰ "چمکنا" یہی لفظ خدا کے لئے تمام لاطینی اور یونانی زبانوں میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہند آریائی زبانوں میں یہ لفظ محض اسم صفت کے طور پر مستعمل تھا اور ہر منور شے اس نام سے موسوم ہو سکتی تھی چنانچہ ہندوؤں کے مذہبی ادب میں یہ لفظ آسمان، سورج، چاند، ستاروں صبح صادق، آگ، ہوا اور پانی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ بعد میں اسے اسم ذات کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح اس کے معنیٰ "معبود" اور "شریف شخص" کے ہو گئے۔

خاص معبود

آریوں میں پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ فطری قوتیں "روح" کی حامل ہیں ۔ یہی (ANZMISM) ہے ۔ پھر انہیں انسانی شخصیت و شکل سے متصف کرنے کا فعل شروع ہوا اور رفتہ رفتہ بہت سے معبود وجود میں آ گئے اور کثرت پرستی (POLYTHEISM) کا رواج ہو گیا۔ لیکن یہ پرستش ہندوستانی آریوں میں محض حمد و ثنا (بھجن) اور قربانیوں (یگیہ) تک محدود تھی ۔ رگوید پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی آریوں کے تصور مذہبی میں کس درجہ تجسیمیت (ANTHROPOMORPHISM) پائی جاتی تھی ۔ ان کے یہاں آسمان (دیوس) بھی انسانی شخصیت رکھتا ہے، سورج (سوریہ) کی کرنوں کو وہ ہاتھ اور آگ (اگنی) کے شعلوں کی زبان کہتے ہیں اور بارش دیوتا (اندر) تو پورے طور پر انسانی شخصیت کا حامل ہے۔

رگوید سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی آریوں نے دیوتاؤں کو تین درجوں میں تقسیم کیا تھا:۔

آسمان کے دیوتا۔

فضا کے دیوتا۔

زمین کے دیوتا۔

انکا خیال تھا کہ ہر طبقہ میں گیارہ گیارہ دیوتا ہیں۔ گویا کل ۳۳ دیوتا ہیں۔ لیکن رگوید میں تقریباً بیس (۲۰) ہی کی حمد وثنا کی گئی ہے جن میں سے خاص یہ ہیں۔

۱۔آسمان کے دیوتا:۔

۱۔دیوس اور ورن.........آسمان کے دیوتا

۲۔سوریہ، متر، سوتر......... سورج دیوتا

پشان اور وشنو

۲۔اشون.............. توام دیوتا؟

۲۔اشا.............. صبح کی شفق

اندر.............. بارش کا دیوتا

پرجینا.............. بارش

فضاء کے دیوتا:۔

رور امرت............ طوفان کے دیوتا

وایو................ہوا

آپہ.............. پانی

(صیغہ جمع)

زمین کے دیوتا:۔

پرتھوی.............. زمین

اگنی................آگ

سوم.............. نشہ آور عرق

ہندی آریوں کا سب سے بڑا معبود اندر تھا۔ رگوید کے تقریباً چوتھائی بھجن اسی کی شان میں ہیں اس کا خاص کارنامہ ورترنامی سانپ سے جنگ کر کے امساک باراں کو دور کرنا تھا۔ وہ دیوتاؤں کا بادشاہ اور لڑائیوں میں آریوں کا سردار تھا۔ اندر کی طرح متر بھی ایک جنگجو دیوتا تھا۔ اگنی اور برہسپتی کو پروہت بتایا جاتا ہے۔

ان دیوتاؤں میں ہر ایک رتھ پر سوار ہوتا۔ جسے گھوڑے کھینچتے۔ ان کی غذا دہی

تھی جو ہندی آریوں کی یعنی دودھ، مکھن، اناج اور بھیڑ بکریوں وغیرہ کا گوشت۔ یہ کھانا انھیں یگیہ کے ذریعہ پیش کیا جاتا (انھیں ہون کنڈ میں ڈال کر اوپر سے پگھلا ہوا مکھن ڈالتے تھے) جسے آگ کا دیوتا بہشت میں لے جاتا۔ دیوتاؤں کا دلپسند مشروب، سوم رس تھا (جو اسی نام کے پودے سے تیار کیا جاتا تھا) جسے پی کر وہ مخمور ہو جاتے۔

ان معبودوں کی مختصر فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں صرف دو دیویاں ہیں یعنی اوشا (شفق صبح کی دیوی) اور پرتھوی (زمین) اور باقی سب دیوتا ہیں۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ آریوں کا سماجی نظام بطریقی (PATRIARCHAL) تھا اور اس میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل تھی۔

رگوید میں بعض موقعوں پر دو دیوتاؤں کی ایک ساتھ حمد کی گئی ہے۔ ایسے دیوتاؤں کے تقریباً ۲۴ جوڑے پائے جاتے ہیں جیسے مرّدرن (یعنی مترا اور ورن) غالباً یہ دیو وپرتھوی (آسمان اور زمین) کے نمونے پر بنائے گئے تھے جنھیں زن وشو یا ماں باپ کا مثالی جوڑا مانا گیا تھا۔

واحد پرستی کا رجحان

بسا اوقات رگوید میں جس دیوتا کی حمد کی جاتی ہے اس کو اس وقت کیلئے سب سے بڑا مان لیا جاتا ہے اور دوسروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسے توحید ناقص (HENOTHEISM) کہتے ہیں۔

بالآخر رشی اس نتیجہ پر پہونچے کہ ان تمام دیوی دیوتاؤں کے اوپر ایک ہستی ہونا چاہیئے جو ان سب کی حاکم یا خالق ہے۔ آفرید گار دیوتا کو رگوید میں پرجاپتی (مخلوقات کا مالک) شوکرمن (خالق کل) اور پرش (انسان اعلیٰ) وغیرہ ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ چونکہ تخلیق عالم خدا کی ایک صفت ہے۔ لہذا ان اخلاق کے دیوتاؤں کو ہمیں خدا کے پیشرو" سمجھنا چاہیئے۔

پرجاپتی

رگوید میں پرجاپتی کی تعریف یوں کی گئی ہے:۔

" پرجاپتی نے کاریگر کی طرح اس عالم کو گھڑا۔
دیوتاؤں کے ابتدائی زمانہ میں "لاشے" سے "شے"
وجود میں آئی"۔

(منڈل وہم سوکت)

پرش

بعض مذاہب میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ خود انسان ایک چھوٹی سی دنیا ہے اس "عالم صغیر" (MICROCOSM) کے مقابلہ میں "عالم کبیر" (MOCROCOSM) یعنی کائنات کو بھی انسانی صورت پر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ رگوید کے پرش سوکت (دسویں کتاب سوکت ۹۰) میں ایک ایسے مرد عظیم (مہاپرش) کا تذکرہ ہے جو خدائی صفات رکھتا ہے۔ اس کے ہزار سر، ہزار آنکھیں اور ہزار پاؤں ہیں (گویا وہ ہمہ جا اور ہمہ داں ہے) دیوتا اسے قربان گاہ پر چڑھاتے ہیں اور اس کے اعضائے جسم سے کارخانہ عالم مرتب کرتے ہیں یعنی اس کے سر سے آسمان، پیروں سے زمین، ناف سے فضاء، سانس سے ہوا، دماغ سے چاند اور آنکھ سے سورج پیدا کئے گئے۔ پرش کے منہ سے برہمن پیدا ہوئے۔ اس کے بازو چھتری (سپاہی) بنے اس کی رانیں ویش (اہل حرفہ) ہو گئیں اور اس کے پیر شودر (خدمتگار ہو گئے) یہی پرش بعد کی روایات کا برہما ہے ۳

اس سے ایک خاص بات ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ خالق کو مخلوقات سے جدا نہیں مانا ہے بلکہ خود اس کا عالم و مافیہا میں تبدیل ہو جانا بتایا ہے۔

تخلیق کا گیت

رگوید کی (دسویں کتاب، سوکت ۱۲۹) میں تخلیق عالم سے پہلے کی حالت جس خوبی سے بیان کی گئی ہے اس کی مثال ادبیات عالم میں ملنا محال ہے اگرچہ اس میں کوئی واضح تکوینی نظریہ پیش نہیں کیا گیا ہے تاہم "۔۔ ایک" (تدایکم) سے خالق یا خدا

کے وجود کو تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو:۔

بند(۱)

"اس وقت عدم تھا اور نہ وجود
نہ عالم باد اور نہ آسمان جو اس سے پرے ہے۔
کیا چیز سب کو محیط تھی اور وہ سب کچھ کہاں قائم تھا؟
کیا وہ پانی اور عمق بے پایاں تھا؟"

بند(۲)

"اس وقت فنا و بقا کا کوئی وجود نہ تھا۔
اور نہ دن رات کا کوئی فرق تھا
"وہ ایک" اپنے آپ میں بغیر سانس (یا ہوا) کے سانس لے
رہا تھا اور اس کے سوا کوئی دوسری شے نہ تھی"

بند(۳)

"ابتدا میں تاریکی پر تاریکی چڑھی ہوئی تھی۔
سب کچھ (کائنات) غیر متمیز صورت میں پانی ہی پانی تھا
"وہ ایک" جو خلا میں جامہ عدم پہنے ہوئے تھا۔
حرارت نے اس کو اپنی طاقت سے پیدا کیا۔"

بند(۴)

"اس میں ابتدا خواہش نمودار ہوئی۔
یہ خواہش عقل یا روح کا ابتدائی تخم تھی جس کو رشیوں
نے اپنے دل و دماغ کی کاوش سے معلوم کیا
کہ وہ (تخم) عدم وجود میں واسطہ اتصال ہے"

بند (۵)

"وہ شعاع نور جو عالموں میں پھیلی
کیا وہ عالم پستی سے نمودار ہوئی یا عالم بالا سے ؟
پھر بیج بوئے گئے اور قوتیں پیدا ہوئیں
کارخانہ قدرت عالم پستی میں اور اقتدار و ارادہ عالم بالا
میں"

بند (۶)

"حقیقت کی کس کو خبر ہے ؟ یہاں اس کا اعلان
کون کر
سکتا ہے ؟
کائنات (یا عالم مخلوقات) کی پیدائش کہاں سے یا
کس
سے ہوئی ؟
کیا دیوتا بھی اس کے ساتھ ظہور میں آئے ؟
(یا دیوتا بھی بعد کی پیدائش ہیں)
تو پھر کون جانتا ہے کہ وہ (کائنات) کہاں سے نمدار
ہوئی ہے ۔"

بند (۷)

"یہ عالم مخلوقات کہاں سے نمودار ہوا !
یا یہ کہ وہ خلق بھی ہوا ہے یا نہیں
وہ جو بالاترین آسمان سے سب کچھ دیکھتا ہے ۔
اس حقیقت کا علم صرف اسی کو ہے یا شاید وہ بھی
نہیں جانتا" ۔

لیکن توحید کے اس تخیل نے بہت جلد " ہمہ اوست کے عقیدے "

(PANTHEISM) کی صورت اختیار کر لی۔

ہمہ اوست کا عقیدہ

ایک خدا کا علم ہو جانے پر بھی انھوں نے دوسرے معبودوں کو مخلوق اور آفریدہ نہ مانا بلکہ ایک ہی خدا کے مختلف مظاہر تسلیم کئے:۔

"ایک اگنی (آگ) ہے جو بہت سی جگہوں پر روشن
ہوتی ہے ایک سوریہ (سورج) ہے جو سب پر چمکتا ہے
ایک اشا (شفق صبح) ہے جو سب کو منور کرتی ہے۔
وہ جو ایک ہے یہ سب کچھ ہو گیا ہے۔"
(رگوید منڈل ۸ سوکت ۵۸ بند ۲)

انھوں نے اپنے ہر معبود یا کل مظاہر فطرت کو خدا ہی کی ایک صورت سمجھ لیا۔ ویدوں کے دوسرے دور میں ان خیالات پر اور جلا ہو گئی اور جو باتیں اب تک مبہم اور غیر واضح تھیں وہ واضح کر دی گئیں۔

ویدوں کا دوسرا دور

رگوید کے زمانہ میں آریہ لوگ پنجاب میں آباد تھے اور جانب جنوب و مشرق ان کی پیش قدمی جاری تھی لیکن ویدوں کے دوسرے دور میں وہ پورے شمالی ہند میں پھیل گئے۔

سماجی حالت:۔ رگوید کے زمانہ میں ذات پات کی تفریق نہ تھی اس دور میں چار ذاتیں قائم ہو گئیں تھیں

۱۔ برہمن ۔ جن کا کام مذہبی تعلیم اور پوجا پاٹ کرانا تھا۔
۲۔ چھتری ۔ جن کا کام حکومت اور جنگ کرنا تھا۔
۳۔ ویش ۔ جن کا کام زراعت اور حرفت تھا۔
۴۔ شودر ۔ جن کا کام اول تین ذاتوں کی خدمت کرنا تھا۔ اس طبقہ میں مفتوح

اقوام شامل تھیں۔

اسی دور کے آخری حصہ میں چار آشرم وجود میں آئے یعنی انسان کی اوسط عمر ۱۰۰ سال مان کر پہلی تین ذاتوں کے افراد کی زندگی کو پچیس پچیس سال کے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا جنھیں آشرم کہتے تھے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ برہمچریہ آشرم:۔ پچیس سال کی عمر تک ضبط نفس کرتے ہوئے گرو سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا جس میں ویدوں کا حافظہ اور ان کے معنی سمجھنا خاص تھا۔ یہ ساری تعلیم زبانی ہوا کرتی تھی۔

۲۔ گرہستھ آشرم:۔ پچاس سال کی عمر تک خاندان کا نام چلانے کیلئے اہل زندگی بسر کرنا جس کے دیگر فرائض میں ویدوں کی تلاوت، دیوتاؤں کیلئے قربانیاں، آباو اجداد کی نذر و نیاز، مہمان نوازی، خیرات اور پرندوں کو کھلانا شامل تھا۔

۳۔ وان پرستھ آشرم:۔ پچھتر سال کی عمر تک گھر بار اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں جاکر یوگی کی زندگی بسر کرنا۔ اسی دور میں آرینک نامی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔

سنیاس آشرم:۔ بقیہ زندگی بھکشو (فقیر) بن کر بغیر کسی جگہ قیام کئے ہوئے بسر کرنا۔ اس دور میں بھی مذہبی غور و فکر کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی۔

تاریخ عالم میں انسانی زندگی کے واسطے ایسا زبردست لائحہ عمل کہیں نہیں پایا جاتا۔ قدیم اپ نشدوں کے زمانہ تک چار آشرموں کا نظریہ پیدا ہو چکا تھا اور لوگ اس پر عمل پیرا بھی ہو رہے تھے۔ بعد میں ان کا رواج عام ہو گیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کو مابعد الطبیعاتی مسائل پر غور و فکر کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکا۔ اس پر ذات پات کی تفریق مستزاد تھی۔ جس نے برہمن طبقہ کو فکر معاش سے آزاد کر کے ہر قسم کے علمی مسائل پر غور کرنے کا اہل بنا دیا۔

مذہبی حالت:۔ مذہب میں بھی کافی تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ رگوید کے زمانہ کا سیدھا سادہ مذہب رسوم اور قیود میں جکڑ گیا تھا۔ قربانی (یگیہ) کی اہمیت بہت بڑھ گئی

تھی ۔ لوگوں کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ اگر قربانی ٹھیک سے انجام دی جائے تو دیوتا بھی مطیع ہو سکتے ہیں ۔ عوامی مذہب کے برخلاف جس کا اعتقاد عملی طریقے (کرم مارگ) میں تھا بعض لوگ عملی طریقے (گیان مارگ) کے معتقد ہو گئے تھے ۔ یہ لوگ ادھیڑ عمر میں گھر بار چھوڑ کر جنگل میں چلے جاتے جہاں مسائل الہیہ پر غور و فکر کرتے ۔ اسی بن باسی غور و فکر کا نتیجہ آرینک (بہ معنی "جنگل کی کتابیں") اور اپنشد وغیرہ ہیں ۔

مذہبی کتب: ۔ اس دور میں سام وید، یجر وید اور اتھر وید کے سنگھتا، چار ویدوں کے برہمن، آرینک اور اپنشد تصنیف ہوئے ۔ تقریباً آٹھویں صدی ق ۔ م تک وید مکمل ہو چکے تھے ۔ ہر وید کا خاص حصہ سنگھتا کہلاتا ہے جو منتروں پر مشتمل ہے ۔ ویدوں کی شرح و تفسیر کو برہمن کہتے ہیں ۔ ہر وید کے ایک یا دو برہمن ہیں ۔ غالباً یہ برہمنوں کی ہدایت کیلئے آٹھویں اور پانچویں صدی ق ۔ م کے درمیان تصنیف کئے گئے تھے ۔ آرینک برہمنوں کے آخری حصے ہیں اور اپنشد برہمنوں کے انھیں ویدانت بھی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ "ویدوں کے آخری حصے" یا ان کا نچوڑ ہیں ۔ خاص خاص اپنشد جو ۱۲ یا ۱۴ ہیں ۶۰۰ ق ۔ م تک تصنیف کئے گئے تھے ۔

اب ہم مذکورہ بالا کتابوں سے کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ اس دور میں خدا کا تخیل کیا تھا ۔ تین ویدوں کے آئندہ اقتباسات سے ظاہر ہو گا کہ ہندی آریائی توحید اور وحدت (عقیدہ ہمہ اوست) دونوں ہی کے قائل تھے ۔

یجر وید ۔ ۱ ۔ وہ اگنی ہے ۔ وہ آدتیہ ہے، وہ وایو ہے، وہ چندرما ہے، وہ روشنی ہے وہ آپہ ہے، وہ پرجاپتی ہے" (۱\۳۲)

۲ ۔ کیا میں اس روح برترین کو جان سکتا ہوں، جو سب کچھ ہے اور تاریکی سے پرے ہے، صرف اسی کو جان کر کوئی موت عظیم پر فتح پا سکتا ہے نجات کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے" (۱۸\۳۱)

۳ ۔ "خدا ایک ہے، وہ غیر متحرک ہے تاہم دماغ سے زیادہ سریع السیر ہے ۔ جو اس تک نہیں پہنچ سکتے اگرچہ وہ ان میں ہے ۔

سام وید ۔ ۴ ۔ "اے خدا تو ہمارا باپ ہے، ہمارا بھائی ہے، ہمارا دوست ہے (۱۸۴۱)

اتھروو وید ۔ ۵ ۔ "تو مرد ہے، تو عورت ہے، تو کنواری لڑکی ہے، تو بوڑھا آدمی ہے جو لاٹھی لئے لڑکھڑا رہا ہو، تو ہر طرف موجود ہے" (۱۰-۸-۲۷)

۶ ۔ "وہ ایک ہے، تنہا ایک، اس میں تمام معبود ایک ہو جاتے ہیں" (۱۳)

۷ ۔ صحیح علم دین کے جاننے والے ۳۳ دیوتاؤں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف ایک ہی میں موجود ہیں اور اس کے ذریعہ سے اپنے صحیح اور فطری فرائض انجام دیتے ہیں ۔" (۱۰-۴-۲۷)

تمام ویدی معبودوں میں وڑن کا مرتبہ اخلاقی حیثیت سے نہایت ہی بلند ہے ۔ اتھروو وید کے چند بند ملاحظہ ہوں: ۔

۸ ۔ "وڑن، آقائے اعلیٰ دیکھتا ہے، گویا وہ نزدیک ہو جب کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے چلتا ہے یا چھپتا ہے، اگر وہ لیٹنے جاتا ہے یا اٹھتا ہے ۔ جب دو آدمی پاس بیٹھ کر کانا پھوسی کرتے ہیں تو بھی شاہ وڑن کو اس کا علم ہوتا ہے وہ وہاں مثل ثالث کے موجود ہوتا ہے"

"یہ زمین بھی شاہ وڑن کی ہے اور یہ آسمان بھی جس کے کنارے بہت بعید ہیں ۴ دونوں سمندر وڑن کی کمر ہیں وہ پانی کے اس قطرے میں بھی موجود ہے" "اگر کوئی آسمان سے پرے بھاگ کر جانا چاہے تو بھی شاہ وڑن سے نہیں بچ سکتا ۵ ۔ اس کے جاسوس آسمان سے دنیا کی طرف بڑھتے ہیں اور ہزار آنکھوں سے اس زمین کی نگرانی کرتے ہیں"

"شاہ وڑن سب کچھ دیکھتا ہے جو زمین و آسمان کے درمیان اور اسکے پرے ہے اس نے انسانوں کے پلک جھپکانے تک کا شمار کیا ہے جیسے ایک کھلاڑی پانسہ پھینکتا ہے ویسے ہی وہ سب چیزوں کا فیصلہ کر دیتا

ہے۔" (۴-۱۹-۱-۱-۵)

یہاں پروڈن سے تمام تر خدائی اوصاف منسوب کر دیئے گئے ہیں اور دوسرے دیوتاؤں کو غیر موجود مانا گیا ہے۔یہی "توحید ناقص" ہے جس کی مثالیں ہندو ادب میں بہت پائی جاتی ہیں۔انہیں آگے نقل کیا جائے گا۔

اپنشد کے لفظی معنی "راز کی تعلیم" (رہسیہ) ہیں جسے ہندوؤں کی تین اعلیٰ ذاتوں میں سے صرف وہی حاصل کر سکتے ہیں جنہیں گرو اس کا اہل سمجھتے تھے۔خاص اپنشد تقریباً ۱۴ ہیں۔

ان کا موضوع روح (آتمن) خدا (برہمن) (۶) اور نیچر ہے۔نیچے ان کا بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے:۔

بعض کے نزدیک روح انسان خدا سے مختلف ہے۔خدا قادر مطلق اور عالم کل ہے لیکن روح کی طاقت اور علم محدود ہے۔خدا محیط کل ہے اور روح جسم تک محدود ہے۔خدا مسرت کامل ہے لیکن روح بسا اوقات خوش ہوتی ہے اور بسا اوقات غمگین۔خدا غیر متحرک ہے اور روح سراپا تگ و دود ہے۔خدا مقصود ہے اور روح اس کی متلاشی وغیرہ وغیرہ۔

اپنشدوں کے مطابق روح اور خدا میں کوئی فرق نہیں بقول شری رام کرشن پرم ہنس:۔

"روح مقید انسان ہے اور روح آزاد خدا ہے"

روح کی قید و بند محض اس وقت تک ہے جب تک وہ لاعلمی کے طلسم میں گرفتار ہے اور جب انسان نے اپنے نفس کو جان لیا تو "دوئی" مٹ گئی۔گویا ہم اپنشدوں کے فلسفہ کو مختصراً یوں ظاہر کر سکتے ہیں (برہمن: آتمن) برہمن اور آتمن کی وحدت (برہما آتما ایکم) فلسفہ ویدانت کا اذعانی اصول ہے۔

جس طرح ایک آہو مشک کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جو خوشبو اس کے مشام جان کو معطر کر رہی ہے اسی میں ہے اس طرح ہم بھی یہ نہیں جانتے کہ جس خدا کی ہمیں تلاش ہے وہ کہیں آسمان پر نہیں بیٹھا ہے بلکہ خود ہمارے

اندر ہے اور ہم اس کے اندر ہیں۔ اپنشدوں کا خدا داخلی بھی ہے اور خارجی بھی۔ اپنشد پرزور الفاظ میں انسان کو یہ جتاتے ہیں کہ:۔

"وہ تو ہے"

"تت توم اسی"

اور

"میں برہمن ہوں"

"اہم برہم اسی"

اگر میرا دل کہتا ہے کہ میں آپ سے مختلف ہوں اور اس سے نتیجہ نکالتا ہوں کہ آپ کی نسبت سے میرا ایک علیحدہ وجود ہے اور اس طرح میں خدا سے بھی جدا ہوں۔ لیکن ویدانتی کہتا ہے کہ یہی تو ساری پریشانیوں کی جڑ ہے اور جب تک انسان اس کثرت کے احساس کو ترک نہ کرے گا آواگون سے نجات نہیں مل سکتی اس لئے:۔

"دل میں یہ سمجھنا چاہیے کہ یہاں کثرت نہیں ہے جو
یہاں کثرت پر نظر جماتا ہے وہ موت سے موت تک
اندھے پن سے بھٹکتا ہے۔" (برہیدآرنیک ۴-۴-
(۱۹

اپنشدوں کا نصب العین عابد و معبود کے فرق کو مٹانا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"جو (اپنے سوا) دوسرے معبود کی پرستش کرتا ہے
اور کہتا ہے کہ وہ ایک ہے اور میں دوسرا ہوں، وہ
شخص علقمند نہیں ہے۔" (برہیدا-۴-۱۰)

جو یہ کہتا ہے کہ "خدا ہے" اس کے سامنے حجاب ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ (میں) "خدا ہوں" اس نے یقیناً خدا کو جان لیا ہے، انسان کو خود اپنی ذات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ "مطالعہ نفس" کے سوا کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں:۔

"دراصل جس نے اپنے نفس کو دیکھ لیا، سن لیا،
سمجھ لیا اور جان لیا اس نے سارے عالم کو جان لیا"
(برہید ۲-۴-۵)

اس صداقت تک پہونچنا ہی ویدانت کی معراج ہے۔یہ وہ روشنی ہے جس کے طلوع ہونے کے بعد رات ہونا محال ہے:۔

"اس کے لئے کیا غم ہو سکتا ہے جس نے اس وحدت
کو جان لیا اس کے دل کی قید ٹوٹ گئی اور تمام
شبہات زائل ہو گئے۔(منڈک ۲-۲-۸)

پیدائش عالم کے بارے میں اپنشد ایک خاص نظریہ پیش کرتے ہیں۔ اپنشدوں کا خالق کسی خارجی مادے سے دنیا کو نہیں پیدا کرتا بلکہ خود اپنے اندر سے:۔

"جس طرح مکڑی جالا بنتی ہے جس طرح کہ پودے
زمین سے لگتے ہیں اسی طرح یہ سب کچھ جو یہاں ہے
اس غیر فانی سے نکلا ہے۔" (منڈک ۱-۱-۷)

دوسری جگہ اسی خیال کو یوں ادا کیا ہے:۔

"جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اڑتی ہیں اسی
طرح اس آتمن سے تمام عالمین، دیوتا، ارواح اور
کل زندہ مخلوقات برآمد ہوئی ہیں۔" (برہید ۲-۱-۲)

اور یا پھر مخلوقات کا خالق سے پیدا ہونا ویسا ہی ہے جیسے سطح آب پر بلبلوں کا پیدا ہونا اور پھر اس میں غائب ہو جانا۔

ویدانت فلسفہ "کثرت فی التوحید" (بہت میں ایک) اور "توحید فی الکثرت" ۔(ایک میں بہت) کا قائل ہے دنیا کی ہر شے خدا میں ہے اور ہر شے میں خدا ہے۔اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے ایک فلسفی اودلک اپنے بیٹے شویت کیتو کو ہدایت کرتا ہے:۔

"اے میرے بیٹے شروع میں یہ کائنات اور ہستی واحد
ایک تھے۔اس ہستی نے خواہش کی کہ میں کثیر

ہوں گا۔ میں اپنے کو ظاہر کروں گا۔ اس لئے اس
نے تیجس (حرارت) کو پیدا کیا۔" (چھاندو گیہ ۶-۲
۲-۳)

آگے چل کر وہ ہستی مطلق پر یوں روشنی ڈالتا ہے:۔

"یہ تمام کائنات بالجوہر وہ ہے، وہ صداقت ہے، وہ
آتما ہے اور وہ تو ہے۔" (چھاندو گیہ ۶-۸-۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوتاؤں کی طاقت اور فطرت کا اصل منبع خدا کی ذات ہے اور بغیر اس کی مرضی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کہتے ہیں:۔

"سورج نہیں چمکتا اور نہ چاند ستارے چمکتے ہیں نہ
بجلی چمکتی ہے۔ آگ تو کسی شمار و قطار میں نہیں۔
اس کے (خدا کے) چمکنے سے سب کچھ چمکتا ہے اس
کے نور سے سب کچھ منور ہوتا ہے۔" (کٹھ ۵-۱۵
منڈک ۲-۲-۱۰)

اپنشد روح اور مادے کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے مطابق علت اولیٰ روح ہی ہے:۔

"یہ سب روح پر مبنی ہے۔ روح کائنات کا بنیاد ہے، روح برہمن ہے۔"

ہماری روح ہی اصل حقیقت ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے وہ مایا (فریب نظر ہے) اگرچہ یہ خیال نہایت پرانا ہے لیکن مایا کا لفظ سب سے پہلے شوتیا شوترا اپنشد (۴-۱۰) میں استعمال ہوا ہے۔ مغربی فلاسفہ میں افلاطون کا کہنا تھا کہ دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے بلکہ محض اس کا سایہ ہے اور کانٹ کی بھی یہی رائے ہے۔

اپنشدوں کا خدا شخصی (سگن) بھی ہے اور غیر شخصی (نرگس) بھی پہلی صورت میں وہ یہودی اور عیسائی مذہب کے خدا سے مشابہ ہے۔ وہ کائنات کا بنانے والا، پالنے والا اور اسکا حکمراں ہے۔ دنیا والوں کی قسمت اس کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ وہ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دیتا ہے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ برہمن ہر شے میں سمایا ہوا (انتریامی) ہے اس لئے اس کا جسم تمام جسموں کا مجموعہ ہے اس کا دماغ تمام دماغوں کا مجموعہ ہے۔سب کے ہاتھوں سے وہ کام کرتا ہے۔سب کے پیروں سے وہ چلتا ہے۔سب کی آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے اور سب کے کانوں سے وہ سنتا ہے۔

ایک طرف تو آرائی فلاسفہ نے برہمن کی یوں تعریف کی کہ وہ ایسا ہے ایسا ہے اور پھر یہ دیکھ کر کہ اس کی صحیح تعریف نہیں کی جاسکتی یہ کہہ دیا کہ:۔

"وہ ایسا نہیں ہے۔ایسا نہیں ہے۔" (نیتی نیتی) ذیل کا اقتباس اسی انداز میں لکھا گیا ہے:۔

> نہ وہ کثیر ہے نہ دقیق، نہ خفیف ہے نہ طویل، نہ وہ آگ کی طرح سرخ ہے نہ پانی کی طرح سیال اس کا سایہ نہیں ہے۔اس میں تاریکی نہیں ہے وہ بغیر ہوا، بغیر تعلق کے بغیر ذائقہ کے، بغیر بو کے، بغیر آنکھوں کے، بغیر گویائی کے، بغیر دماغ کے، بغیر سانس کے، بغیر دہانہ کے، بغیر ناپ کے اور بغیر ظاہر و باطن کے ہے۔" (برہد ۳-۳-۸)

اس طرح انہوں نے برہمن کو تمام صفات سے معرا کر دیا۔بظاہر یہ خیالات متضاد معلوم ہونگے کہ ایک طرف تو خدا کو نرگن نراکار (بے صفت اور بے صورت) کہا جاتا ہے اور دوسری طرف سگن ساکار (صاحب صورت و صفات) لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم اپنے کو مجسم اور محدود سمجھتے ہیں اس وقت تک خدا شخصی ہے اور جب ہم اپنی شخصیت کے حدود سے باہر ہو گئے تو شخصی خدا اور مادی دنیا ہمارے لئے غائب ہو جاتی ہے اور صرف غیر شخصی خدا رہ جاتا ہے۔ہم اور "■" ایک ہو جاتے ہیں۔اس وقت دوئی مٹ جاتی ہے اور "ہست مطلق" کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ان معنوں میں روح (جیو آتما) اور خدا (برہمن) ایک ہیں اور جب تک ہم اپنی خودی کو فنا نہیں کرتے دونوں مختلف ہیں۔

مسئلہ تناسخ (آواگون)

انسان کے مرنے کے بعد روح کا کیا حشر ہوتا ہے اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ۔

۱۔ جسم کے ساتھ روح بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے ۔

۲۔ اسے اپنے اعمال کے مطابق ہمیشہ کے لئے دوزخ یا جنت میں رہنا پڑے ۔

۳۔ اسے اپنے اعمال کے مطابق قالب بدلنا پڑیں تاوقتیکہ وہ اپنی اصلی حالت پر آکر خدا سے مل جائے ۔

ان میں سے پہلا خیال مادیّین کا ہے، دوسرا یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا اور تیسرا خیال ہندوؤں اور بعض دیگر اقوام میں پایا جاتا ہے ۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان کی روح غیر فانی ہے اور دراصل آواگون میں بھی روح میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی وہ تو محض قالب بدلتی ہے جس کا انحصار اعمال پر ہے ۔ اگرچہ روح کو جستجو تو خوب سے خوب تر جسم کی ہوتی ہے تاہم وہ کبھی تو حشرات الارض یا پودوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی انسان اور انسان کامل کی شکل میں نمودار ہوتی ہے (۱) روحوں کے بارے میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: ۔

"اپنے گذشتہ اعمال اور علم کے مطابق بعض حصول
جسم کے لئے رحم میں داخل ہوتی ہیں اور بعض مقیم
اشیاء (پودوں وغیرہ) میں " (کٹھ اپنشد ۵ ۔ ۷)

بعض اپنشدوں کے مطابق مرنے کے بعد روحوں کو دو راستوں میں سے ایک سے سفر کرنا ہوتا ہے ایک تو دیوتاؤں کا راستہ (دیو آین) ہے اور دوسرا آبار کا راستہ (پتر ائن) ہے ۔ اعلیٰ ترین روحیں پہلے راستے سے سفر کر کے برہم لوک (عالم خداوندی) تک پہونچتی ہیں اور دھیان میں محو ہو کر اپنے کو مکمل کرتی ہیں اور بالآخر خدائے تعالے میں جذب ہو جاتی ہیں ۔ نیک روحیں دوسرے راستے سے سفر کر کے چاند تک پہونچتی ہیں اور وہاں جا کر اپنی نیکیوں کا سکھ اٹھاتی ہیں اور وقت پورا ہونے پر پھر زمین پر دوبارہ

پیدا ہونے کے لئے آتی ہیں۔

اپنشدوں سے پہلے آواگون کا ذکر نہیں ملتا (منڈک ا۔۲۔ا، چھاند اگیہ ۵۔۳۔۲ لیکن یہ خیال غالباً برہمنوں کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا۔

بار بار پیدا ہونے سے نجات اسی وقت مل سکتی ہے جب انسان کی روح (جیو آتما) خدا (برہمن) میں مل جائے خدا سے ملنے کا نام ہی موکش یا نروان (نجات) ہے اور ازلی روح سے وصال حاصل کرنا ہی ہندو مذہب کا نصب العین ہے۔ اپنشدوں کی تعلیم پر عمل کر کے ایک شخص کے لئے ممکن ہے کہ وہ جیتے جی برہمن سے واصل ہو جائے اور بار بار پیدا ہونے سے نجات حاصل کر لے۔

فلسفۂ اعمال (کرم)

ہندو مذہب کے مطابق انسانوں میں جو غیر مساوات پائی جاتی ہے وہ خدا کی تلون مزاجی کا نتیجہ ہے کہ جیسا چاہا قسمت میں لکھ دیا بلکہ یہ ہر شخص کے اعمال (کرم) کا نتیجہ ہے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ ایک شخص اس زندگی میں اعلیٰ یا ادنیٰ ذات میں یا غیر انسانی صورت میں پیدا ہوتا ہے تو یہ اس کی گزشتہ زندگی کے اعمال کا پھل ہے جیسا کوئی اس زندگی میں کرے گا اسی کے مطابق وہ آئندہ زندگی میں جنم لے گا۔ اس نظریئے کے مطابق جسے ہم مقدر یا قسمت کہتے ہیں وہ ہماری گزشتہ پیدائشوں کے اعمال کا نتیجہ ہے جو ہماری موجودہ حالت کو متعین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہندو اپنی بری حالت یا تکالیف کیلئے خدا کو ذمہ دار نہیں قرار دیتا بلکہ ساری ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے۔

رزمیہ نظموں کا زمانہ (مہادویہ کال)

رامائن ہندوؤں کی دو مشہور نظمیں ہیں رامائن اور مہابھارت موجودہ رامائن چوبیس ہزار اشعار (اشوک) پر مشتمل ہے جو سات حصوں میں منقسم ہیں دوسرے حصے سے لیکر چھٹے تک میں رام چندر جی کو ایک بہادر انسان کی حیثیت سے پیش کیا گیا

ہے۔ مورخین کے مطابق یہ حصے والمیک کے تصنیف کردہ ہیں جن کا زمانہ کم از کم چھٹی صدی ق۔م تھا۔ پہلے اور ساتویں حصے میں رام چندر جی کو خدا (وشنو) کا اوتار مانا گیا ہے انہیں غالباً بعض دوسرے مصنفین نے دوسری صدی ق۔م میں اضافہ کیا تھا۔

ہندوؤں میں اس کتاب کا پڑھنا ثواب میں داخل ہے جو لوگ سنسکرت سے ناواقف ہیں وہ ہندی میں رامائن پڑھتے ہیں جسے گوشائیں تلسی داس جی نے اکبر اعظم کے عہد میں لکھا تھا اس کا پورا نام رام چرتر مانس ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے رامائن کا موضوع رام کی زندگی ہے۔ "اجودھیا کے راجہ دسرتھ کے تین بیویاں تھیں کوشلیا۔ کیکئی اور سمترا۔ کوشلیا سے رام چندر جی۔ کیکئی سے بھرت اور سمترا سے لکشمن اور سترہن پیدا ہوئے رام چندر جی کی شادی ودیھ کے راجہ جنک کی لڑکی سیتا جی سے ہوئی اور چونکہ رام چندر جی سب سے بڑے اور قابل شہزادے تھے اس لئے راجہ دسرتھ نے ان کو اپنا ولی عہد قرار دیا۔ اس پر ان کی سوتیلی ماں کیکئی کو حسد پیدا ہوا اور انہوں نے راجہ دسرتھ پر زور دے کر اپنے بیٹے بھرت کو ولی عہد بنوادیا اور رام چندر جی کو جلاوطن کرادیا۔(۹)

وہ تنہا جانا چاہتے تھے لیکن ان کی وفادار بیوی سیتا اور بھائی لکشمن ساتھ چلنے پر مصر ہوئے اور ساتھ گئے بعد ازاں سیتا کو لنکا کا راجہ راون اغوا کر لے گیا۔ رام نے ہنومان جی کی مدد سے ایک بڑی فوج تیار کی ہنومان کے بندروں نے جنوبی ہند سے لنکا تک ایک پل تیار کیا جس پر سے ہو کر رام کی فوج لنکا پہونچی۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ راون مارا گیا اور سیتا کو واپس لے آیا گیا آج بھی اس واقعہ کی یاد میں دسہرے کا تہوار منایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں راون کو مارنے سے پہلے رام نے درگا کی پوجا کی تھی سو اسی نمونے پر بنگالی پہلے تین دن درگا پوجا کرتے ہیں اور ادھر کے لوگ چوتھے دن رام لیلا کے تماشے میں راون کی شبیہ بنا کر پھونکتے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک رام اپنی شرافت نفس اور فرزندانہ اطاعت کی بنا پر ایک مثالی انسان ہیں اور "رام راج" ایک مثالی حکومت کا نمونہ ہے۔ سیتا جانثاری اور شوہر پرستی کی بنا پر ایک مثالی عورت ہیں لکشمن برادرانہ وفاداری اور ہنومان اطاعت

گزاری کی علامت ہیں ہر فرقے کے لوگ رام کی عزت کرتے ہیں اور رام سے زیادہ ہندو بچوں کا کوئی دوسرا نام نہیں رکھا جاتا۔ لوگ رام کا نام لیتے ہوئے مرنا پسند کرتے ہیں۔

خود رامائن اور پرانوں میں رام کو وشنو بھگوان کا ساتواں اوتار تسلیم کیا گیا ہے وہ جامہ بشری میں خدا تھے لہٰذا ان کی خدا کے طور پر پرستش کی جاتی ہے۔ گوسوامی تلسی داس جی فرماتے ہیں۔

"واقعی رام وہ خدا ہے جو سراپا وجود، ہمہ تن عقل اور سرتاپا مسرت ہے جو ناموادد ہے جس کا جوہر ہی علم ہے اور جو توانائی کا ایک عظیم مخزن ہے۔ وہ سب میں سمایا ہوا ہے اور ان اشیاء پر بھی مشتمل ہے جن میں وہ سرایت کئے ہوئے ہے، وہ ناقابل تقسیم اور غیر محدود ہے وہ غیر مشروط اور وسیع ہے وہ گویائی اور دیگر حواسوں کے ذریعہ ناقابل رسائی ہے غیر جانبدار، بے عیب، بے داغ ناقابل تسخیر، بے صورت، جہالت سے بری، ابدی اور مایا سے پاک ہے۔ وہ انبساط کا انبار ہے وہ پراکرتی (قدیم مادے) کی دسترس سے باہر ہے ہر دل کا مالک اور اس میں بسنے والا ہے، خواہشات سے آزاد، علائق سے پاک اور غیر فانی ہے۔"

اس اقتباس میں لفظ رام، خدا کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے اور رام کی تمام تر صفات اوصافِ خداوندی ہیں۔

مہابھارت: ۔ ہندوستان کی دوسری مشہور رزمیہ نظم ہے جس کا پڑھنا اور سننا رامائن کی طرح ضروری ہے یہ رامائن سے حجم میں کہیں زیادہ ہے اس میں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ اشلوک ہیں جو ۱۸ حصوں میں تقسیم ہیں۔ دراصل اس سے طویل رزمیہ دنیا کی کسی زبان میں نہیں پایا جاتا۔

اگرچہ اس کا مصنف ویاس رشی کو بتایا جاتا ہے لیکن اس کی طوالت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کسی فردواحد کی نہیں بلکہ مختلف اشخاص کی تصنیف ہے۔اس کے زمانہ تصنیف میں اختلاف ہے لیکن اتنا یقینی ہے کہ وہ گوتم بدھ سے بہت پہلے کی چیز ہے کیونکہ اس میں مہاتم بدھ اور بدھ مذہب کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اس میں راجہ دھرت راشٹر کے سو بیٹوں (جو کورو کہلاتے تھے) اور پانڈو کے پانچ بیٹوں یودھیشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو (جو پانڈو کہلاتے تھے) کی باہمی جنگ کا ذکر ہے۔ کورو کی حکومت موجودہ دہلی کے قرب وجوار کے علاقہ میں تھی جو ہستنا پور کہلاتا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس جنگ عظیم میں ہندوستان کے تمام راجہ شریک ہوئے تھے اور اس نے ہند قدیم کے تمدن کو غارت کر دیا لیکن دراصل یہ بھارت اور پنچالہ قوموں کے درمیان ایک مقامی جنگ تھی جس کا زمانہ ۵۰۰ اور ۱۰۰۰ ق م کے درمیان مانا جاتا ہے۔

کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ کے ساتھ اس رزمیہ میں اور بھی سیکڑوں کہانیاں اور قصے بیان کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ نظم بہت طویل ہو گئی ہے۔

بھاگو وگیتا:۔مہابھارت کی چھٹی کتاب میں وہ مشہور اور فلسفیانہ نظم شامل ہے جسے شری مد بھاگو دگیتا (نغمہ مقدس) یا محض گیتا کہتے ہیں۔دراصل یہ ایک وعظ ہے جسے شری کرشن نے میدان جنگ میں ارجن کو دیا تھا ارجن ایک انسان مکمل ہے جو باوجود جری ہونے کے اپنے پہلو میں ایک نرم دل رکھتا ہے اپنے ہی عزیز واقارب کا خون بہا کر تخت وتاج حاصل کرنا اسے اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن شری کرشن جو اس جنگ (مہابھارت) میں ارجن کے رتھ بان کی حیثیت سے شریک ہیں اسے اپنے فرض کا احساس دلاتے ہیں[۱]

" ادا کر جو اس دم ترا فرض ہے
ترے ذمہ اے چھتری قرض ہے
پئے حق جدل ہو۔ تو اس کے سوا
سپاہی کو درکا ہے اور کیا "

بتدریج ان کے ایڈیشن میں گہراؤ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ گیارہویں باب میں (گیتا میں کل ۱۸ باب اور ۷۰۰ اشلوک ہیں) ارجن کو اپنا "وشو روپ" دکھاتے ہیں ارجن ان کے جسم میں ساری کائنات (برہمانڈ) کو گردش کناں دیکھتا ہے اور اسے کل دیوتا ان ہی کے اندر نظر آتے ہیں اس سے معلوم ہوتا کہ وہ جامعہ بشری میں خدا ہیں اور انہوں نے کوروؤں کے مظالم کا سد باب کرنے کے لئے یادو قوم میں اوتار لیا ہے۔

"گیتا" خدا کے بارے میں کہتی ہے کہ اس کا نہ کوئی شروع ہے نہ آخر، وہ سب میں بسا ہوا ہے اور سب سے الگ ہے، وہ سب کے دلوں میں ہے پر وہ خیال کی پہنچ سے بھی پرے ہے نہ آدمی کا دماغ اس کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اس کی زبان اسے بیان کر سکتی ہے۔

پیدائش عالم کے بارے میں گیتا نے ایک خاص نظریہ پیش کیا ہے دنیا بار بار پیدا ہوتی ہے اور بار بار مٹتی ہے اس دنیا سے پہلے نہ معلوم کتنی دنیائیں پیدا ہو چکی ہیں اور نہ معلوم کتنی اور پیدا ہوں گی۔

تخلیق عالم کو سرشٹی اور اس کے تحلیل یا خاتمے کو پرلیہ (قیامت) کہتے ہیں اس عرصہ کو جب تک ایک عالم موجود رہتا ہے کلپ یا برہم دن (خدا کا دن) کہتے ہیں اور وہ زمانہ جب تک عالم معدوم رہتا ہے برہم راتری (خدا کی رات) کہلاتا ہے ان میں سے ہر ایک ہزاروں یگ کے برابر ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"غیر ظاہر سے تمام مظاہروں کی آمد پر پیدا ہوتے ہیں
اور اس کی رات کے آنے پر اسی مخفی ہستی میں جذب
ہو جاتے ہیں۔" (آٹھواں ادھیائے شلوک ۱۷-۱۹)

اسی خیال کو دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے:۔

ہر ایک کلپ کے خاتمے پر سب چیزیں میری طرف
پلٹتی ہیں اور (دوسرے) کلپ کے آنے پر میں انہیں
پھر نکالتا ہوں۔" (نواں ادھیائے شلوک ۷)

قدیم اپنشدوں میں یہ خیال نہیں پایا جاتا لیکن بعد کے سانکھیہ فلسفہ میں ان کا

پوری طور پر نشوونما ہوا اس لئے بعض عالموں کے نزدیک گیتا میں کائنات کی تخلیق و تحلیل نیز کائناتی زمانوں کا خیال سانکھیہ فلسفہ ہی سے ماخوذ ہے اور عموماً مادے سے متعلق بھاگوت گیتا کے تمام نظریے سانکھیہ فلسفہ سے متفق ہیں۔

گیتا روح اور مادے کی ابدیت کو تسلیم کرتی ہے لیکن مادہ آزاد نہیں ہے بلکہ روح کا تابع ہے (۴۰۴ \ ۷) خدا مادے میں تخم رکھتا ہے جس سے تکون شروع ہوتی ہے اس لئے وہ تمام مخلوقات کا باپ ہے جبکہ مادے کا مقابلہ ماں کے رحم سے کیا جا سکتا ہے ۴۰۳ \ ۱۴ مادے تغیر پذیر ہے لیکن روح غیر متغیر ہے۔ گیتا کی تعلیم کے مطابق روح کو نہ ایذا پہنچائی جا سکتی ہے نہ اسے برباد کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے تکلیف اور موت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ یہ چیزیں محض فانی جسم کو متاثر کرتی ہیں۔

فلسفہ جبر و اختیار میں گیتا کا رجحان جبر کی طرف ہے کرشن جی فرماتے ہیں:۔

"اے ارجن! مالک سب کے دلوں میں رہتا ہے اور
انہیں اپنے مایا کے چکر پر نچاتا ہے (ادھیائے ۸
اشلوک ۶۱)

گیتا پر زور الفاظ میں انسان کو ایک خدا کی پر خلوص پرستش (بھگتی) کی ہدایت کرتی ہے اور انسانوں کے سامنے ایک خاص طریقہ عمل پیش کرتی ہے یعنی نتیجہ کے خیال کو ترک کر کے اپنے فرض کو انجام دینا (نشکام کرم) انسان کا نصب العین ہونا چاہیے۔

آخر میں ہم خود کرشن کے بارے میں تحقیقات جدیدہ کا خلاصہ پیش کریں گے جنہوں نے دنیا کو گیتا ایسی بلند پایہ تصنیف عطا کی۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ کرشن جی ایک غیر برہمن چوپانی اور جنگجو قوم کے سردار تھے ان کے باپ کا نام دسودیو تھا۔ ان کا زمانہ گوتم بدھ اور مہابیر سے کچھ پہلے تھا انہوں نے ایک خاص مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں توحید پر بڑا زور دیا گیا۔ ان کا خدا شخصی تھا جسے وہ بھگوان (قابل پرستش) کہتے تھے۔ اس خدا کا تخیل اخلاقی حیثیت سے مثل ذرن کے بہت بلند تھا۔ یہ نیا مذہب اور اس کے ماننے والے بھاگوت کہلاتے تھے

بھاگوت گیتا اسی مذہب کی مقدس کتاب تھی جس میں بعد ازاں ویدانت کا فلسفہ (جس کا خدا غیر شخصی ہے) اور سانکھیہ لوگ کے عناصر بھی شامل کر لئے گئے۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ گیتا کی تعلیمات توحید اور وحدیت (عقیدہ ہمہ اوست) کا ایک حیرت انگیز مرکب نظر آتی ہیں۔

جب میگستھنیز ہندوستان آیا تو بھاگوت مذہب کا خاصہ دور دورہ تھا بعد میں یہ مذہب وشنو پرستی میں جذب ہو گیا اور اس کے پیغمبر یعنی کرشن جی کو وشنو نارائن کا اوتار مان لیا گیا اور خود گیتا مہابھارت میں شامل کر لی گئی اس طور پر اس کی اہمیت دن بدن بڑھتی گئی۔

کرشن جی کے بارے میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں سے بعض اندر سے متعلق ہیں جن کا رگوید میں ذکر ہے مثلاً اندر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ درتر نامی سانپ کو مارتا ہے کرشن جی کا کالیا نامی سانپ کو مارنے کا بھاگوت پران میں تزکرہ ہے اسی طرح رگوید میں برہسپتی کا دل نامی سانپ کو مار کر ان گایوں کو آزاد کرنیکا تذکرہ ہے جو پہاڑ میں چھپی تھیں اور کرشن جی کا گوبردھن پہاڑ کے نیچے گایوں کی حفاظت کرنے کا ذکر ہے۔اسی روایت نے انہیں گوند اور گوپال کے ایسے خطاب دلوائے۔

بعض عالموں کے نزدیک جس کرشن کو گیتا کا مصنف بتایا جاتا ہے وہ ایک فلسفی اور پیغمبر ہے اور اس کرشن سے مختلف ہے جس کے قصے عوام میں مشہور ہیں یہ کرشن، گوالنوں (جنہیں گوپیاں کہتے ہیں) کی محبت کا مرکز ہے اور ان میں سے ایک یعنی رادھا سے اس کا خاص عشق تھا۔

چھ فلسفے (شٹ ورشن)

۲۰۰ ق۔م اور ۲۰۰ء کے درمیان ہندو فلسفے نے بہت ترقی کی اور رفتہ رفتہ اس کی چھ شاخیں ہو گئیں انھیں باہمی تعلق کے لحاظ سے دو دو کے تین مجموعوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی نیائے اور ویشیشک، سانکھیہ اور یوگ، پورو میمانسا اور ویدانت، ان

سب کا منشا انسانوں کو نجات اخروی حاصل کرنے میں مدد دینا ہے لیکن ان کے بانیوں نے کوئی مذہبی جماعت نہیں قائم کی

نیائے درشن: ۔ اس کا موضوع علم کلام اور منطق ہے ۔ یہ صحیح طریقہ استدلال سکھاتا ہے تاکہ انسان اپنے اعمال کا احتساب کر کے برے کاموں سے محفوظ ہو کر نجات حاصل کر سکے ۔

ویشیشک درشن: ۔ دینیات سے زیادہ اس کا موضوع طبیعات ہے اس میں روح اور مادے کی تفریق کو تسلیم کیا گیا ہے ۔ مادہ غیر فانی، غیر مرئی اور بے صورت ذرات پر مشتمل ہے ان ہی کی ترکیب سے کائنات کی تخلیق ہوتی ہے اور برہم دن کے خاتمہ پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اور دنیا ختم ہو جاتی ہے یہ فلسفہ جینیوں کے فلسفے سے مشابہ ہے ۔

سانکھیہ درشن: ۔ یہ سب سے پرانا ہے ۔ تقریباً ۸۰۰ اور ۵۵۰ ق ۔ م کے درمیان وجود میں آیا ۔ اس میں خدا کی ہستی سے انکار کیا گیا ہے ۔ کائنات کی تخلیق روح (پرش) اور مادے (پراکرتی یا پردھان) کے باہمی عمل سے ظاہر کی گئی ہے اس کے مطابق ہماری مصیبتوں کا باعث صرف یہ ہے کہ ہم روح اور مادے میں تمیز نہیں کرتے لیکن ان میں فرق کرنے سے ہمیں غم و محن سے نجات مل سکتی ہے اس فلسفہ کا سب سے بڑا مفسر کپل تھا ۔

یوگ درشن: ۔ اگرچہ یوگ کی ابتداء وادی سندھ کے زمانہ میں ہو چکی تھی لیکن یہ فلسفہ پاتنجلی سے منسوب ہے اس میں خدا کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ یوگ کو قرار دیا گیا ہے جس کے لئے مختلف طرح کی ریاضتیں کر کے اپنے جسم اور نفس کو قابو میں لایا جاتا ہے جو یوگ کی مشق کرتا ہے وہ یوگی (جوگی) کہلاتا ہے ۔ تپسیا یعنی ریاضت و نفس کشی اسی زمرہ میں شامل ہے ۔

پورو میمانسا درشن: ۔ یہ فلسفہ جیمنی سے منسوب ہے ۔ انسان کو راہ عمل (کرم مارگ) دکھاتا ہے اس میں ویدوں کی مذہبی رسوم پر بحث کی گئی ہے ۔ اس کے مطابق آواز دائمی (قدیم) ہے اور چونکہ وید شبدوں (لفظوں) پر مشتمل ہیں اس لئے وہ بھی ازلی و ابدی

ہیں بعد میں یہ فلسفہ ویدانت میں ضم ہو گیا۔

ویدانت درشن یا اتر میمانسا: ۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ویدانت کے معنی ہیں "ویدوں کا آخری حصہ" یا ان کا نچوڑ اس کی بنیاد اپنشدوں کے فلسفہ پر ہے اور یہ انسان کی راہ علم (گیان مارگ) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کی سب سے اہم کتاب بدرائن کا برہم سوتر (یا ویدانت سوتر) ہے جو سنہ عیسوی کے آغاز میں لکھی گئی تھی یہ اپنشدوں اور گیتا کے مقابلہ میں نہایت ہی پیچیدہ ہے مختلف عالموں نے اس کی شرح بیان کی ہے جن میں شنکر اچاریہ (آٹھویں صدی عیسوی) کی شرح بہت مشہور ہے۔

یہ فلسفہ ہندوستان کا مقبول ترین فلسفہ ہے شری رام کرشن پرم ہنس (۱۸۳۴ء ۱۸۸۶ء) سوامی وویکا (۱۸۶۲ء ۱۹۰۲ء) ان کے شاگرد اور شری آروبند گھوش مشہور ویدانتی ہوئے ہیں موجودہ زمانہ میں سرایس رادھا کرشنن اس فلسفہ کے زبردست ماہر ہیں۔

منوسمرتی: ۔ ہندو دھرم شاستر یعنی مذہبی قوانین کے مجموعوں میں سب سے مشہور منوسمرتی ہے جو پہلی یا دوسری صدی ق ۔ م کی تصنیف ہے اس میں ہمارے موضوع سے متعلق ایک خاص چیز ہے یعنی برہم دن اور برہم راتری کی تفصیل (۱۔۶۹۔۷۲) ان میں ہر ایک ہمارے ۴۳۲۰۰۰۰۰۰۰ سالوں کے برابر ہوتا ہے۔ ہندوؤں نے یہ حساب اس طرح لگایا ہے !!

انسانوں کے ایک سال کے برابر دیوتاؤں کا ایک دن ہوتا ہے دیوتاؤں کے چار ہزار دنوں یعنی چار ہزار انسانی سالوں کے برابر ست یگ (یا کرتیا یگ) ہوتا ہے اور یگ کے پہلے چار سو برس کی سندھیا (صبح کا دھندلکا) ہوتی ہے اور یگ کے اخیر میں اتنے ہی سال کا سندھیا (شام کا دھندلکا) ہوتا ہے ۔ اسی طرح ترتیا یگ تین ہزار سال دواپر یگ دو ہزار سال اور کالی یگ (کلجگ) ایک ہزار سال کا ہوتا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک کے شروع اور اخیر میں بالترتیب تین سو ، دو سو اور ایک سو سال کی سندھیانش ہوتے ہیں ان چار یگوں کے مجموعہ کو جو بارہ ہزار سال ہوتا ہے چتر یگ کہتے ہیں ۳۶۰ چتر یگوں کا ایک مہایگ اور ایک ہزار مہایگوں کا ایک برہم دن یا کلپ ہوتا ہے اور اتنے ہی عرصے کی ایک رات ہوتی ہے۔

غالباً اس حساب کا آغاز ویدوں کے بعد کے زمانہ میں ہوا۔ اتھر وید (۱۔۲۔۲۱) میں چار یگوں کا حوالہ ملتا ہے مہابھارت اور پرانوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔

بت پرستی کی ابتداء

چھٹی صدی ق۔م میں جین اور بدھ مذہب وجود میں آئے۔ ان کا تفصیل ذکر ہم آئندہ کریں گے یہاں پر صرف ہندو مذہب پر ان کے اثرات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ ان دونوں مذہب کے بانیوں نے خدا کے بارے میں سکوت اختیار کیا تھا۔ خدا کا کوئی واضح تخیل نہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود انہیں کو خدا مان لیا گیا اور سب سے پہلے گوتم بدھ (بدھ مذہب کے بانی) اور مہابیر سوامی (جین مذہب کے بانی) کے قوی ہیکل بت بنائے گئے۔ غالباً فارسی زبان کا لفظ "بت" بدھ ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

سب سے پہلے مہاتما گوتم بدھ کا بت گاندھارا کے فنکاروں نے پہلی صدی عیسوی میں تیار کیا۔ کنشک کے زمانہ تک مجسمہ سازی کا فن متھرا تک پہونچ گیا۔ اور ایک صدی میں بنارس، آندھرا اور امراوتی میں بدھ کے بت بننے لگے۔ بدھ مذہب والوں کی دیکھا دیکھی جین مذہب والے بھی اپنے اکابر کے بت بنانے لگے اور ہندو بھی اپنے معبودوں کو مرئی صورت میں دیکھنے کی تمنا کرنے لگے اور ان کی مورتیں بھی ہزاروں کی تعداد میں تیار کی جانے لگیں اور ہر طرف بت پرستی کا دور دورہ ہو گیا۔ پھر انہیں بتوں کی حفاظت کے لئے مندر بنائے جانے لگے۔

دیوتاؤں کی شبیہیں بنانے کے لئے تمام مذہبی کتابیں دیکھی گئیں اور دیوتاؤں کی صفات کو سامنے رکھ کر شبیہ سازی کی گئی۔ مثلاً گیتا میں خدا کو "وشوتو مکھم" یعنی سب طرف منہ والا کہا گیا ہے اسی کے پیش نظر برہما کا بت یوں بنایا گیا کہ انسان کے جسم پر بجائے ایک کے چار سر لگا دئے گئے۔ جو چاروں طرف دیکھ رہے ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی کسی ایسی چار سر والی ہستی کا وجود ہے بلکہ یہ محض نشان ہے خدا کے عالم کل ہونے کا۔ اسی طرح بعض بتوں کے درجنوں ہاتھ بنائے گئے ہیں جس سے

مقصود معبود کی قوت عمل کی زیادتی کا اظہار تھا۔ اسی طرح دیگر دیوتاؤں کی شبیہیں بنانے کے لئے کافی قیاس آرائی اور شاعری سے کام لیا گیا مثال کے طور پر راون کو لیجئے جس کے دس انسان کے سر بنائے جاتے ہیں اور ان پر ایک گدھے کا سر بھی لگایا جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی وہ ایسا ہی تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چار ویدوں اور چھ شاستر (فلسفہ) کا عالم تھا لیکن باوجود اس علمیت کے وہ بے وقوف تھا ورنہ وہ رام سے نبرد آزما ہو کر اپنی جان و مال سے ہاتھ نہ دھوتا۔

ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اگر بت پرستی نہ ہوتی تو ہندوستان میں سنگتراشی و نقاشی اس قدر ترقی نہ کر سکتے یورپ کو اپنے (VENUS OF MILO) کے مجسمہ پر ناز ہے لیکن ہندوستان کے قدیم مندروں میں نہ معلوم ایسے کتنے بلکہ اس سے بھی کہیں خوبصورت مجسمے اور شبیہیں موجود ہیں۔

ہندوؤں نے تجسیم بشری کے اصول کو کس قدر برتا اسے یوں سمجھیے کہ علم موسیقی میں ہر راگ کی شکل و صورت اور سن و سال مقرر کئے اور بتوں کو تو بالکل ہی انسانی خواہشات اور ضروریات کا بندہ مان لیا گیا پجاری بتوں کو غسل کراتا ہے، کپڑے پہناتا، زیورات اور پھولوں سے سنگار کرتا۔ کھانا کھلاتا اور شال میں لپیٹ کر بستر میں سلاتا ہے۔

اہنسا

اگر ایک طرف ہندوؤں نے بدھ اور جین مذہب سے متاثر ہو کر بت پرستی سیکھی تو دوسری طرف اہنسا کا اعلیٰ اصول سیکھا۔ اہنسا کے لفظی معنی ہیں کسی کو "نہ مارنا" ان مذاہب سے پہلے کثرت سے قربانیاں ہوا کرتی تھیں لیکن ان کے ظہور میں آنے کے بعد سے قربانیوں کا رواج دن بدن گھٹتا گیا یہاں تک کہ لوگ گوشت خوری سے بھی پرہیز کرنے لگے اور لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ بلا ضرورت کسی بھی جاندار کو نہ مارنا چاہیے۔ فسلفہ ویدانت سے بھی اس کو تقویت ہوئی ۔ چونکہ ہر شے میں خدا کا ظہور ہے اس لئے وہ قابل تعظیم ہے ایک مشہور قصہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں جب کسی

مقدس ہندو کو ایک انگریز نے سنگین مار کر ہلاک کیا تو اس نے مرتے مرتے کہا "اور تو بھی وہ ہے " (تت توم اسی) یعنی خدا ہے ۔ اس نظریے کے مطابق مجرم اور زاہد اسی صداقت عظیم کے مظہر ہیں لہٰذا دونوں ہی نہیں ہیں ۔

ہندوؤں کا عمل "جیو اور جینے دو" کے اصول پر ہے ۔ ہندو مذہب کے اکابر نے اس چیز کو تسلیم کیا ہے کہ مختلف مذاہب خدا تک پہونچنے کے مختلف راستے ہیں بلکہ بعض نے تو اس کا تجربہ بھی کیا ہے ۔ سوامی رام کرشن پرم ہنس پہلے کالی کے بھگت تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کیا بعد میں عیسائی ہو گئے اور پھر اپنے پرانے مذہب پر آگئے انہوں نے ہر مذہب کی تہہ تک پہونچ کر یہ معلوم کیا کہ ہر مذہب میں ایک ہی خدا کا جلوہ نظر آتا ہے اس لئے ہر مذہب اپنی جگہ ٹھیک ہے اسی چیز نے انہیں اور ان کے شاگردوں کو خدمت خلق اللہ پر آمادہ کیا جس کا نتیجہ رام کرشن مشن کی صورت میں ہمارے سامنے ہے جس کی شاخیں دنیا کے ہر حصہ میں بلا امتیاز مذہب و ملت نوع انسانی کی خدمت میں مصروف ہیں ۔

جدید ہندو مذہب

۳۰۰ء سے ۷۰۰ء تک کا زمانہ تاریخ ہندو میں پرانوں کا دور کہلاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں ۱۸ پران تصنیف ہوئے ۔ یہی وہ زمانہ تھا جب جدید ہندو مذہب کی بنیاد پڑی ۔ بدھ اور جین مذہب والوں کو نیچا دکھانے کے لئے برہمنوں نے اپنے مذہب اور سنسکرت زبان کی پرزور تبلیغ کی اور بت پرستی کو رواج دیا[۱۲] اس دور میں اپنشدوں کی تعلیمات اور ویدوں کے معبود پس پشت جا پڑے ۔ جو معبود ویدی دور میں ثانوی اہمیت کے حامل تھے وہ اول درجہ کے معبود بن گئے اور صف اول کے معبود پیچھے چلے گئے ۔ مثلاً وشنو کی شان میں رگوید میں صرف پانچ بھجن ہیں اور وہ محض سورج دیوتا لیکن اب وہ خدائے تعالیٰ بن گیا اسی طرح ردر جو محض بجلی و طوفان کا دیوتا تھا اب ہندوؤں کا دوسرا بڑا معبود بن گیا ۔ سرسوتی جو پہلے محض اسی نام کے دریا کی دیوی تھی اب علوم و فنون کی سرپرست بن گئی اور اندر جو رگوید کے زمانہ میں سب سے بڑا معبود تھا محض

دیوتاؤں کا راجہ ہو کر رہ گیا۔اس طرح اپنشدوں کے برہمن (بے جنس خدا) کی جگہ برہما (مذکر دیوتا) نے لے لی اور اپنے پیشرو کی مسخ صورت ہے ہندوؤں کے خاص خاص معبود کون ہیں نیچے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عقیدہ تثلیث (تریمورتی)

برہما، وشنو اور شیوا (یا مہیش) ہندوؤں کے سب سے بڑے معبود ہیں انہیں وہ ایک ہی خدا کی تین صورتیں مانتے ہیں۔ بحیثیت خالق کے وہ برہما ہے۔ بہ حیثیت پروردگار (پالنے والے) کے وہ وشنو ہے اور بہ حیثیت قہار یعنی دنیا کے مٹانے والے کے وہ شیو ہے۔ یہ تینوں الگ الگ دیوتا نہیں ہیں بلکہ ایک ہیں اس لئے کبھی کبھی ان کا مجسمہ یوں بنایا جاتا ہے کہ ایک ہی انسان کے جسم پر تین سر لگا دیئے جاتے ہیں ایسے بت کو "تریمورتی" کہتے ہیں۔ بہ ایں ہمہ یہ دیوتا برہما کو چھوڑ کر الگ الگ پوجے جاتے ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ بت بھی بنائے جاتے ہیں۔

برہما:۔ ہندو تثلیث کا پہلا اقنوم ہے۔خالق دیوتا ہے لیکن وہ کائنات کو ہمیشہ موجود رہنے والے مادہ سے پیدا کرتا ہے نہ کہ لاشے سے۔ان کے چار سر اور چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں چمچہ، دوسرے میں لوٹا (قربانی کا سامان) تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہوتا ہے اسکی سواری (واہن) ہنس ہے۔ یہ میرو پربت پر مع اپنی بیوی سرسوتی کے رہتا ہے جو فنون لطیفہ کی دیوی ہے اور مور پر سوار ہوتی ہے برہما کو دیوتاؤں کی حکومت کا صدر سمجھنا چاہیے۔اگرچہ یہ سب سے بڑا معبود ہے لیکن اس کا کوئی مندر نہیں پایا جاتا عوام کے مذہب میں بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔اس لئے کہ بہ حیثیت خالق کے وہ اپنا فرض پورا کر چکا ہے اور اب وشنو کی عملداری ہے۔

وشنو:۔ ہندوستان میں وشنو کے ماننے والوں کا بڑا زور ہے۔ وشنو کے ماننے والے ویشنو کہلاتے ہیں وشنو ایک ویدی معبود ہے۔ منتروں میں اسے معبود شمس ظاہر کیا گیا ہے اس طرح اس کا تعلق نور و حیات سے رہتا ہے۔ منتروں میں اس کے تین ڈگ

(تری وکرما) بھرنے کا ذکر جس سے غالباً سورج کا طلوع، عروج اور غروب مراد ہے۔ اسی نے غالباً پرانوں کے دامن اوتار کے قصہ کو جنم دیا۔ اسی آفتاب پرستی نے بعد ازاں خدا پرستی (وشنو بہ معنی "محیط کل" خدا) کی صورت اختیار کرلی۔ بعض عالموں کا یہ خیال ہے کہ وشنو سے ملتا جلتا تخیل ایک دوسرے معبود نارائن کا تھا اس لئے یہ دونوں ایک مان لئے گئے۔

وشنو کے چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں سنکھ، دوسرے میں گدا (گرز) تیسرے میں چکر (چرخ) اور چوتھے میں پدم (کنول) ہوتا ہے۔ وشنو کی سواری گرڑ ہے جو انسان اور پرند کی مرکب صورت ہے ان کی بیوی لکشمی حسن اور دولت کی دیوی ہیں جو سمندر سے منتھن کے وقت برآمد ہوئی تھیں۔ پیدائش عالم کی تصویر یوں بنائی جاتی ہے کہ وشنو ایک بہت سے سروں والے سانپ مسمیٰ اننت پر لیٹے ہیں اور ناف سے ایک کنول اگا ہے جس پر برہما جی بیٹھے ہیں۔

وشنو ایک نہایت ہی رحیم و کریم دیوتا ہیں۔ دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے انہوں نے نو اوتار لئے۔ اوتار کے معنی "نزول یا اترنے" کے ہیں۔ جب دنیا کی حالت خراب ہو جاتی ہے تو خدا اسکی درستی کے لئے حیوان یا انسان کی صورت میں زمین پر جلوہ گر ہوتا ہے اس نظریئے کی بنا پر بعض دیگر مذاہب ہندو مذہب میں جذب ہو گئے مثلاً بدھ مذہب اور بھاگوت مذہب وشنو کے اوتاروں میں رام اور کرشن کے اوتار سب سے اہم مانے جاتے ہیں کل اوتار ترتیب وار یہ تھے۔

۱۔ متسیہ اوتار مچھلی کی صورت میں

۲۔ کورم اوتار۔ کچھوے کی صورت میں

۳۔ ورہا اوتار۔ سور کی صورت میں

۴۔ نرسنگھ اوتار، انسان اور شیر کی مرکب صورت میں

۵۔ وامن اوتار۔ بونے کی صورت میں

۶۔ پرشرام کی صورت میں

۷۔ رام چندر کی صورت میں

۸۔ کرشن کی صورت میں

۹۔ بدھ کی صورت میں

ابھی دسواں یعنی کالکی اوتار باقی ہے جو ۴۲۵۰۰۰ سال میں ظاہر ہو گا۔ نیچے چوتھے اوتار کی کہانی مختصراً بیان کی جاتی ہے۔

ہرنیہ کشیپ نام کا ایک خودسر راجہ تھا جو کافر مطلق بلکہ خدائی کا دعوے دار تھا لیکن اس کا لڑکا پرہلاد انتہائی دیندار تھا اس کا خدا میں پورا اعتقاد تھا لہذا اس کے باپ نے اس کے طور طریق سے ناراض ہو کر اس کو مروا ڈالنا چاہا۔ اسے پہاڑ کی چوٹی سے پھینکا گیا لیکن غیر مرئی خدا نے پہنچ کر اسے روک لیا۔ اسے زہر دیا گیا لیکن اسے بھی خدا نے پی لیا اس کو جلانے کے لئے اس کی پھوپھی ہلکا (جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اسے آگ نہیں جلا سکتی) آگ میں لیکر بیٹھی مگر پرہلاد بچ گیا اور ہلکا جل کر خاک ہو گئی (اسی خوشی میں ہولی کا تہوار منایا جاتا ہے[۱۳] اس طرح ہرنیہ کشیپ جب اپنے ارادوں میں پے درپے ناکام ہوا تو بالآخر اس نے پرہلاد کو بلوا بھیجا اور پوچھا کہ وہ کیوں اس کی برتری کو تسلیم نہیں کرتا اور کس کے کہنے سے یہ شعار اختیار کیا ہے لڑکے نے جواب دیا

"کائنات کے حاکم نے، تمام اقوام کے مالک نے جو آپ سے عظمت میں کہیں بڑا اور طاقت ور ہے میرے دل و جان کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے اور اسی نے مجھے یہ طریقہ سکھلایا ہے۔"

یہ جواب سن کر وہ طیش میں آگیا اور فوراً میان سے تلوار کھینچ کر بولا:۔

"تو یہ کہنے کی کیسے جرات کرتا ہے کہ تیرا مالک مجھ سے زیادہ صاحب قوت اور طاقت ور ہے؟ تیرا آقا کہاں ہے؟ اسے مجھے دکھلا؟"

لڑکے نے جواب دیا:۔

"وہ ہر جگہ موجود ہے"

راجہ نے سوال کیا

"کیا وہ اس تاج میں ہے؟"

جواب ملا

"ہاں"

یہ سن کر اس نے تاج پر تلوار کا وار کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا پھر پوچھا کہ

"کیا وہ اس کھمبے میں ہے؟"

پرہلاد نے دل میں خدا کو یاد کرتے ہوئے کہا

"ہاں وہ اس کھمبے میں بھی ہے"

راجہ نے یہ کہتے ہوئے کہ

"اب اپنے خداوند سے کہہ کہ وہ تجھے قتل ہونے سے بچالے" زور سے کھمبے پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا فوراً شاندار کھمبا پھٹ گیا اور وشنو بھگوان نے نرسنگھ کی صورت میں نمودار ہو کر اس پاپی راجہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اسطرح اپنے ایک سچے عابد کو شہید ہونے سے بچالیا۔

شیو:۔ شیو کے ماننے والے شیو اور یہ مذہب شیورور مت کہلاتا ہے شیوجی کا پیشرو رگوید کا رور (لفظی معنی "رونے یا چلانے والا") یعنی قدرت کی تخریبی قوتوں کا دیوتا ہے جس کے مظہر اتم بجلی اور طوفان تھے اگرچہ رگوید میں چند ہی بھجن رور کی تعریف میں ہیں تاہم شیوجی کی بعض خصوصیات کا ان میں ذکر ہے مثلاً ان کا پہاڑ پر رہنا، لمبی لمبی جٹائیں اور کھال کا باندھنا وغیرہ۔ بعد ازاں انہیں مہایوگی اور یوگیو کا مربی مان لیا گیا۔ انہیں شیو ("مبارک" "نیک فال") اور مہادیو ("معبود اعظم") کے خطاب دیئے گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وادی سندھ کے زمانہ میں بھی شیوجی کی پوجا ہوتی تھی جس میں بعد ازاں رور کے تخیل کی آمیزش ہو گئی۔

ہندو عقیدے کے مطابق شیوجی تباہ کن دیوتا ہیں ان کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ (تری لوچن) ہے جب وہ اسے کھول دیتے ہیں تو آگ اس طرح نکلنا شروع ہو جاتی ہے گویا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا ہو اور ہر چیز جل کر خاک ہو جاتی ہے۔ کام دیو (عشق و محبت کا دیوتا) ان کی نگاہ غضب کا شکار ہو کر اپنے جسم سے محروم ہو گیا اس لئے ان

انگ (بلا جسم) کہلاتا ہے اور محض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مرد اور عورت یکجا ہوتے ہیں۔ بیشتر شیوجی مراقبہ (دھیان) کی حالت میں رہتے ہیں اور گنگا آسمان سے اتر کر پہلے ان کے سر پر گرتی ہے اور پھر جب اسکا زور ان کی پریچ جٹاؤں میں کم ہو جاتا ہے تب زمین پر آتی ہے ان کی سواری نندی نام کا بیل ہے اور ان کی بیوی پاربتی ہمالیہ کی دختر ہیں۔ ان کا مقام کیلاش پربت ہے۔

شیوجی کا تعلق رقص و غنا سے بھی رہتا ہے انہیں بعض مجسموں میں ایک نہایت ہی دلکش انداز میں رقص کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ یہ ان کا نٹ راج روپ ہے اور اس سے نظام کائنات کی باقاعدہ حرکت (COSMIC RHY THM) کی طرف اشارہ ہے شیو اور پاربتی کی پوجا کا ایک اور پہلو بھی ہے یعنی لنگ (مردانہ عضو) اور یونانی (زنانہ عضو) کی علامات کی صورت میں پرستش جو ایک نہایت ہی قدیم چیز ہے۔ ان سے دنیا کی تخلیق اور تولیدی قوتوں کی طرف اشارہ ہے۔

شیو کے ایک بیٹے جنگجو کارتیکے ہیں جو دیوتاؤں کی فوج کے سردار ہیں اور دوسرے بیٹے گنیش ہیں جن کا سر ہاتھی کا اور جسم انسان کا بنایا جاتا۔ ان کی سواری ایک چوہا ہے گنیش اور لکشمی ہندوؤں کے نہایت ہی مقبول معبود ہیں جن کے بتوں کی جوڑی ہر تاجر کی دکان اور مکان پر نظر آتی ہے۔

شیوجی کی بیوی پاربتی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں:۔

۱۔ پاربتی اور اما کی حیثیت سے وہ ایک حسین عورت اور رحمدل ماں ہے جیسے ماں اپنے بچہ کو بلانے کے لئے اپنے ہاتھ پھیلاتی ہے ویسے ہی وہ ہر مخلوق کی طرف اپنا دست اعانت بڑھاتی ہے۔

۲۔ درگا کی حیثیت سے وہ انتہائی غضب ناک ہے، جسے خوش کرنے کے لئے بنگالی اپنا سب سے بڑا تہوار یعنی درگا پوجا مناتے ہیں۔

۳۔ کالی کی حیثیت سے وہ دباؤں، زلزلوں، طوفانوں اور سیلابوں کی دیوی ہے اس صورت میں اسے ہاتھ میں ایک کٹا ہوا سر اور گلے میں کھوپڑیوں کی مالا پہنے ہوئے

دکھایا جاتا ہے۔

شکتی پوجا

وشنو اور شیومت کے ماننے والوں کے بعد سب سے زیادہ شکتی کے بھگت ہیں جو خدا کو بہ حیثیت ماں کے مانتے ہیں اس فرقہ کا بنگال میں سب سے زیادہ زور ہے۔ ہندوؤں کے بعض مشہور و معروف علماء اور درویش شنکر اچاریہ، رام کرشن پرم ہنس، سوامی وویکا نند وغیرہ "مادر الہیٰ" کے ماننے والے تھے۔

عوام کے مذہب میں شکتی کو شیو کی بیوی مانا جاتا ہے جس کے بہت سے نام ہیں، اما، پاربتی، درگا اور کالی وغیرہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اگرچہ کالی کی خون آلود شبیہیں کسی بھی شخص کو پسند نہیں آسکتیں۔ لیکن کالی کے ایک بھگت کا کہنا ہے کہ فطرت کی پرجلال اور مہیب قوتوں کو مثل اس کی خوشگوار صورتوں کے خدا کا ایک جزو کیوں نہ سمجھا جائے۔

شکتی کے ماننے والے فلاسفہ روح کو مذکر اور مادے کو مؤنث مانتے ہیں جنہیں پرش اور پراکرتی کہتے ہیں انہیں کے ملنے سے سارے عالم کی تخلیق ہوئی ہے۔ ہندوؤں کا مشہور بت "اردھازاری الیشوری" بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

> "یہ بت گویا برہما کا ہے۔ جب وہ تکوین عالم کے کام میں مصروف تھا۔ اس کا داہنا حصہ مردانہ اور بایاں حصہ زنانہ دکھایا جاتا ہے اور اعضا جنسی کو دستہ دار صلیب کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں جو زنانہ و مردانہ اعضاء کے اتصال باہمی کی نشانی ہے"

برہما، وشنو اور شنو کے بعد ویدی زمانہ کے دیوتا ہیں جنہیں ثانوی حیثیت حاصل ہے اور پھر ان سے بھی کم تر درجے کی فوق البشر ہستیاں ہیں جیسے

۱۔ اپسرائیں یا جنت کی رقاصائیں جو راہبوں کو لبھاتی ہیں۔

۲۔ کنر۔ سماوی موسیقار جن کا اوپری حصہ جسم انسان کا اور نیچے کا پرند کا ہوتا ہے۔



ناگا یعنی سانپ دیوتا

۴۔ ورکش دیوتا جو درختوں کے محافظ ہیں۔

۵۔ یکشنی (عورت) اور یکش (مرد) جو دولت کے دیوتا کبیر کے ماننے والے ہیں

۶۔ راکشش یا دیو جن میں سب سے مشہور راون ہوا ہے جس کے دس سر تھے

مذکورہ بالا دیوی دیوتاؤں کے علاوہ، خانگی اور گاؤں کے الگ الگ دیوتا ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے کل دیوی دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہے۔

ہندو مذہب کے مصلحین

ہندوستان میں ساتویں صدی سے بارہویں صدی عیسوی تک کا زمانہ ہندو اصلاحی تحریکوں کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں کمال بھٹ، شنکراچاریہ، رامانج نمبارک، مادھواچاریہ اور راماتند ایسے بڑے بڑے مصلحین پیدا ہوئے جنہوں نے بدھ اور جین مذہب کے عالموں سے بحث کر کے ان مذاہب کا استیصال کیا اور ویدک مذہب نیز وشنو پرستی کو رواج دیا۔ ہندو فلسفہ میں بھی انہوں نے معتدبہ اضافہ کیا۔ اس دور کے تین فلسفے بہت مشہور ہیں:۔

۱۔ شنکراچاریہ (۷۸۸ء۔ ۸۳۰ء) کا ادویت واد یعنی "وحدت وجود"

۲۔ رامانج اچاریہ (۱۱۷۸ء۔ ۱۲۵۰ء) کا وی ششٹاویت واد یعنی "مشروط ثنویت"

۳۔ مادھواچاریہ (۱۱۹۶ء۔ ۱۲۷۶ء) کا دویت واد یعنی "ثنویت"

شنکر کے نزدیک دنیا محض دھوکا (مایا) ہے اصل ہستی خدا کی ہے تمام دیوتا ایک ہی ایشور کے مختلف روپ ہیں لہذا ان کی پرستش جائز ہے وہ خود شیو کی پوجا کرتے تھے اور ان کے پیرو بھی شیو کے پرستار ہیں۔ شنکر کا یہ قول نقل کرنے کے قابل ہے۔

"اے خدا، میرے تین گناہوں کو معاف کر
میں نے تصور میں تیری تصویر قائم کی حالانکہ تیری
کوئی صورت نہیں
میں نے مدح میں تیرا بیان کیا حالانکہ تیری تعریف ہو
ہی نہیں سکتی
اور مندر میں جاتے وقت یہ بھول گیا کہ تو ہر جگہ
موجود ہے۔"

شنکراچاریہ کے برخلاف رامانج نے بھکتی پر زور دیا اور دنیا کو اصل اور واقعی بتایا ان کا خدا سگن ساکار (صاحب صورت وصاحب صفات) ہے وہ وشنو کے ماننے والے تھے

مادھواچاریہ روح اور مادے دونوں کی ابدیت کے قایل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان نرگن ایشور کا دھیان نہیں کر سکتا۔ مگر سگن وشنو بھگوان کی پوجا کر کے نجات

حاصل کر سکتا ہے۔

نمبارک نے جو رامانج کے ہمعصر تھے مذکورہ فلسفوں کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے ایک درمیانی راستہ نکالا۔ وہ برہمن (خدا) کو کائنات کا روحانی سبب اور مادی سبب بھی مانتے تھے۔ برہمن نرگن اور سگن دونوں ہی ہے۔ یہ دنیا دھوکہ نہیں ہے بلکہ اصلی اور واقعی ہے ہاں اسے ان معنوں میں ضرور دھوکا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ہر چیز میں تغیر کا عمل جاری ہے اور اس کا برہمن سے الگ وجود نہیں۔ دنیا برہمن سے مختلف بھی ہے اور خود برہمن بھی ہے۔ اسی طرح جیسے لہریں، بلبلے، جھاگ، پھوار، قطرے، بھاپ اور برف در حقیقت پانی ہی ہیں لیکن یکانی سے صورتاً مختلف بھی ہیں۔ انکے نزدیک انسان محض خدا کی معرفت کے ذریعہ ہی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ نروان حاصل کرنے کے دو ہی ذرائع ہیں۔ اپنی روح کی حقیقت کو پہچاننا اور اپنی زندگی کو خدا کیلئے وقف کر دینا!! نمبارک نے کرشن اور رادھا کی پرستش پر خاص طور سے زور دیا۔ اسی طرح راما نند (چودھویں صدی عیسوی) نے رام کو وشنو کا سب سے بڑا اوتار مانا اور تلسی داس جی بھی ان سے متاثر ہوئے۔

ہندو مذہب پر اسلام کا اثر

جب سے مسلمان ہندوستان آنا شروع ہوئے اور ہندوؤں نے ان کے مذہب سے واقفیت حاصل کی ان میں سے بعض لوگ اس چیز کو محسوس کرنے لگے کہ ہمارا مذہب بہت کچھ اصلاح کا محتاج ہے اور مسلمانوں کی بہت سی باتیں کی اور اپنائی جا سکتی ہیں مثلاً

۱۔ مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں۔

۲۔ ان میں بت پرستی کا رواج نہیں۔

۳۔ ذات پات کی تفریق نہیں۔

۴۔ شادی بیاہ کے طریقے آسان ہیں اور طلاق کا چلن ہے۔

۵۔ لڑکے اور لڑکی کے حقوق میں زیادہ فرق نہیں ہے۔

اسلامی حکومت کے قائم ہونے کے بعد سے اہل ہنود اپنی خرابیوں کو شدت

سے محسوس کرنے لگے اور ان کی اصلاح کی طرف رجوع ہوئے اور ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔ مثلاً کبیر صاحب نے کہا تھا۔

جات پات مانے نہ کوئی
جو ہر کو بھجے سو ہر کو ہوئے

یعنی ذات پات کی تفریق بیکار ہے جو خدا کی پرستش کرے گا وہ خدا کا ہوگا۔ لیکن ذات پات کی تفریق ہنوز باقی ہے اگرچہ حکومت وقت اس قسم کی لغویات کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اسی طرح ہندو کوڈ بل کے پاس ہو جانے سے شادی بیاہ میں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں اور عورتوں کے حقوق پہلے سے بڑھ گئے ہیں۔ رہا مذہب کا سوال سو اگر ہم ہندو مذہب اور اسلام کو دو دریا فرض کریں تو کبیر۔ دادو اور گرونانک کے چلائے ہوئے مذہبوں کو ان دریاؤں کا سنگم کہا جائے گا۔

کبیر پنتھ

کبیر ۱۳۹۸ء کے قریب بنارس میں پیدا ہوئے وہ برہمن زادہ تھے لیکن پرورش ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں ہوئی تھی۔ اسی لئے انھوں نے پارچہ بانی کا پیشہ اختیار کیا اسی کے ساتھ انھوں نے تعلیم کی طرف پوری توجہ کی۔ ہندو مذہب، اسلام نیز تصوف کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا۔ وہ راماننَد کے شاگرد تھے۔ ان مذہبوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ ان کے ماننے والے ظاہر داری میں پڑے ہیں۔ مذہب کی اصلی روح تک کوئی نہیں پہونچتا۔ انھوں نے لوگوں تک اپنے خیالات دوہوں کی شکل میں پہونچائے کبیر کے دوہے ہندی ادب میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جنھیں ان کے ماننے والوں نے (کبیر کے ماننے والے ہندو اور مسلمان دونوں ہی تھے) ان کے مرنے کے بعد کتابی صورت میں جمع کیا جسے بیجک کہتے ہیں، کبیر کے ماننے والے کبیر پنتھی یعنی کبیر کے مسلک کے ماننے والے کہلاتے ہیں نیچے کبیر کے بعض دوہوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ۱۴

"ہندو کہتے ہیں ہمارے پیارے کا نام رام ہے،
مسلمان کہتے ہیں ہمارے پیتم کا نام رحمان ہے۔

دونوں آپس میں لڑ لڑ کر مرے جاتے ہیں اس کی
اصلیت سے دونوں ناواقف ہیں ۔"

" اے بھائی ! اس دنیا کے دو مالک ، دو خدا کیسے ہو
سکتے ہیں ۔ کہو تمہیں کس نے بہکا دیا ؟ ۔ اللہ اور رام ،
کریم اور ایشو ، ہری اور حضرت یہ سب صرف الگ
الگ نام رکھ لئے گئے ہیں ۔"

" اگر خدا مسجد ہی میں رہتا ہے تو باقی ملک کس کا
ہے ؟ ہندو سمجھتے ہیں رام تیرتھ اور مورت میں رہتا
ہے پر ان دونوں میں سے کسی کو بھی رام نہیں ملا ۔
جو سمجھتے ہیں ایشور پورب میں ہے یا اللہ پچھیم میں
ہے وہ دونوں دھوکے میں ہیں اسے ڈھونڈنا ہے تو
اپنے دل کے اندر ڈھونڈو ۔ وہ وہیں ملے گا ۔ وہی
کریم ہے اور وہی رام ہے ۔"

دادو پنتھ

سولہویں صدی کے دوسرے مشہور صوفی واعظ جو کبیر سے کافی متاثر ہوئے دادو دیال جی تھے (اگرچہ کبیر کا انتقال دادو کے پیدا ہونے سے ۲۶ سال پہلے ہو چکا تھا) بعض محقق انھیں احمد آباد کا روئی صاف کرنیوالا بتاتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ وہ ذات کے موچی تھے لیکن زیادہ صحیح یہ مانا جاتا ہے کہ وہ سرسوت برہمن تھے ۔ ان کا اصلی نام مہابلی تھا لیکن رحم دل ہونے کی وجہ سے وہ دیالو کہلانے لگے اور چونکہ یہ سب داوا ، داوا کہکر خطاب کرتے تھے اس لئے بعض لوگ انھیں دادو کہنے لگے اور ان کا یہی نام مشہور ہو گیا ان کا چلایا ہوا مذہب دادو پنتھ کہلاتا ہے ۔ ایک روایت ہے کہ شہنشاہ اکبر نے انھیں چالیس دن کے واسطے مذہبی بحث و مباحثہ کیلئے بلوا بھیجا تھا ۔ گرو ارجن کے سکھوں کی مذہبی کتاب مرتب کرنے سے چند سال پہلے دادو نے اپنے شاگردوں سے فرمائش کی تھی کہ وہ ہندو مذہب ، اسلام اور تصوف کی کتابوں سے ایسے گیت اور بھجن جمع کریں جن

سے خدا کی تلاش میں ایک صداقت کے جویا کو مدد مل سکے۔ شاید یہ دنیا میں اپنی قسم کی پہلی کوشش تھی۔

نیچے دادو کے اشعار سے جو شبد اور بانی کہلاتے ہیں بعض کے ترجمے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص کتنا وسیع النظر تھا اور اس کے نزدیک ہندو اور مسلمان کا فرق کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

"میرے دل سے یہ دھوکا جاتا رہا کہ اللہ اور رام دو ہیں، ہندو اور مسلمان میں مجھے کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ اے ایشور میں سب کے اندر تیرا ہی درشن کرتا ہوں۔"

"ہندو کہتے ہیں ہمارا راستہ ٹھیک ہے۔ مسلمان کہتے ہیں ہمارا راستہ ٹھیک ہے ان سے پوچھو کہ بتاؤ کہ اللہ کا راستہ کون سا ہے یہ دونوں اصلی راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو یہ دوئی، یہ الگ الگ راستے پسند ہیں پر یہ دوئی جھوٹی ہے اس مالک کو سچ ہی پیارا ہے۔"

سکھ مذہب

اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد تقریباً تیس لاکھ ہے تقسیم ہند سے پہلے ۹۵ فیصدی سکھ پنجاب میں آباد تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد ان میں سے بیشتر ہندوستان چلے آئے یا دیگر ممالک کو چلے گئے۔

دنیا کے زندہ مذاہب میں سکھ مذہب بالکل ہی نیا ہے۔ اس کے بانی گرونانک ۱۴۶۹ء میں لاہور سے تیس میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹے سے قصبہ میں پیدا ہوئے جسے اب ننکانہ کہتے ہیں لیکن قدیم نام تلونڈی ہے ۱۵۳۹ء میں انکی وفات ہوئی انھوں نے جس مذہب کی تبلیغ کی اس کا منشا ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانا تھا دونوں ہی ان کے ماننے والے تھے اور یہ اتفاق و اتحاد عرصہ تک قائم رہا حتیٰ کہ امرت سر کے شہرہ آفاق سنہری

مندر کی بنیاد گرو ارجن نے ایک مسلمان صوفی سائیں میاں میر سے رکھوائی تھی۔
سکھوں اور مسلمانوں کی باہمی دشمنی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب اس مذہب کے ماننے والے ہندوؤں نے سیاسی قوت حاصل کی اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگے جسکے نتیجہ میں ان کی مغل بادشاہوں سے جنگیں ہوئیں اور ان دو قوموں کے درمیان مغائرت اور دشمنی کی دیوار کھڑی ہو گئی۔

اگرچہ سکھ معاشرت کے لحاظ سے ہندو ہیں لیکن خیالات کے لحاظ سے مسلمان ہیں۔ وہ خدا کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔ بتوں کو نہیں پوجتے ان کے مندروں میں جو گوردوارے کہلاتے ہیں، بت نہیں ہوتے بلکہ ان کی مذہبی کتاب "گرنتھ صاحب" ہوتی ہے جسے ریشم کے غلاف میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اور رحل پر رکھتے ہیں اور رحل پر رکھ کر پڑھتے ہیں، یہ سکھوں کا قرآن ہے جسکے بعض حصوں کے پڑھنے کے خاص اوقات ہیں مثلاً "جپ جی صاحب" کو طلوع آفتاب سے پہلے پڑھتے ہیں اور "روراس" کو غروب آفتاب سے قبل۔ اسی طرح "آسا کی بار" جپ جی صاحب کے بعد تلاوت کی جاتی ہے ان سب میں خدا کی حمد و ثناء ہے اور یہی سکھوں کی عبادت ہے۔

گرنتھ صاحب یا آدی گرنتھ (قدیم یا پہلی کتاب) کو سکھوں کے پانچویں گرو ارجن نے ۱۶۰۴ء میں مرتب کیا تھا یہ گرونانک، ان کے بعد کے گروؤں، نیز راما نند، کبیر، میرابائی اور بعض مسلمان شعراء کی حمدوں اور بھجنوں پر مشتمل ہے۔ سکھوں کی دوسری مقدس کتاب دسم گرنتھ (دسویں کتاب) یا دسویں پادشاہی ہے جسے دسویں گرو گوبند سنگھ نے مرتب کیا تھا اس میں خود ان کی زندگی کے حالات اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کے اقتباسات ہیں۔

نانک کے اصول مذہب کو ہم مختصراً ایک جملے میں بیان کر سکتے ہیں۔

"خدا ایک ہے اور سب انسان بھائی بھائی ہیں"

مسلمانوں کا خدا، ہندوؤں کے خدا سے جدا نہیں ہے اور نہ ہر مذہب کے الگ الگ خدا ہیں، خدا ایک ہے جو رام کی طرح صورت نہیں رکھتا اور نہ وہ صاحب صفات ہے جیسا کہ مسلمان بیان کرتے ہیں۔۔۔ وحدہ لاشریک ہے، ناقابل تقسیم، ناقابل فہم، ہست

مطلق، قید زماں سے آزاد اور ہر شے میں سمایا ہوا۔ اگرچہ اس کی تعریف ناممکن ہے تاہم نام سے موسوم کرنا ضروری ہے۔

گرونانک نے ذات پات کی تفریق کو باطل قرار دیا اور یہ بتایا کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خدا کے سامنے برابر ہیں نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا، نہ گورا ہے نہ کالا نہ مقبول ہے نہ مردود اس کے حضور میں سب یکساں ہیں

دراصل نانک کا مذہب ہندو اور بدھ مذاہب نیز اسلام ہے ان کا مسلمانوں کی طرح ایک خدا میں اعتقاد تھا۔ بدھ مذہب والوں کی طرح وہ نروان (نجات) میں یقین رکھتے تھے۔ مثل صوفیہ کے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر روح نور الہی کی غیر فانی شعاع ہے۔ اور ہندوؤں کی طرح وہ سوہم (میں وہ ہوں) کے قائل تھے۔ انھوں نے توحید پر بڑا زور دیا۔ آدی گرنتھ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"تو ایک کا نام جپتا ہے، تو ایک کو اپنے دھیان میں
رکھتا ہے تو ایک کو مانتا ہے، وہ ایک آنکھ میں ہے
لفظ میں اور منہ میں تو ایک کو دونوں جہاں میں
مانتا ہے، سوتے میں ایک جاگتے میں ایک، تو ایک
میں غرق ہے۔"

آدی گرنتھ میں جابجا عقیدہ ہمہ اوست کی جھلکیاں ملتی ہیں:۔

"تو میں ہوں، میں تو ہوں، پھر دونوں میں کیا فرق
ہے"

"سب میں ایک رہتا ہے، ایک سمایا ہوا ہے"

"ساری دنیا آقائے صادق میں سمائی ہوئی ہے"

ثنویت کے خیال کی گرونانک نے تردید کی۔ ان کی (نیز صوفیوں کی) رائے میں ایک ہی صورتوں کی کثرت کا باعث ہے۔ یہ دنیا خدا ہی کا ظہور ہے۔

آدی گرنتھ کے بعض دوسرے اقتباسات جن سے گرونانک کا خدا کے بارے میں نقطہ نظر واضح ہوتا ہے یہ ہیں:۔

"ہم نرنکاری ہیں (یعنی بے شکل خدا کے پجاری) اور

نرنکار نے ہمارے تمام بندھن کاٹ دیئے ہیں ۔ ہر
قسم کی قیود وہی اور باطل خیالات سے آزاد ہیں ۔
ہمارا ٹھاکر وہی نرنکار ہے ۔ یعنی اس کی کوئی شکل و
صورت نہیں جو لوگ ساکار بتاتے ہیں ہیں ہم ان کو
راہ راست پر نہیں جانتے ۔"

" نہ ہم ہندو ہیں نہ مسلمان ، ان دونوں کو غیرت
کے شیطان نے بہکا رکھا ہے ۔ اس لئے نہ ہندو کو
راستہ ملتا ہے نہ مسلمان کو ۔ یہ دونوں رام اور
رحیم کو دو سمجھ کر لڑتے ہیں ۔ ان میں کسی کو ایک
خدا پر ایمان نہیں ہے ۔"

جپ جی صاحب میں روحانی ارتقاء کی پانچ منزلیں بتائی گئی ہیں :۔

دھرم کھنڈ ـــــــــــــ (عالم فرائض)
گیان کھنڈ ـــــــــــــ (عالم بصیرت)
شرم کھنڈ ـــــــــــــ (عالم استغراق)
کرم کھنڈ ـــــــــــــ (عالم قوت روحانی)
اور سچ کھنڈ ـــــــــــ (عالم صداقت) یا عرفان

اس منزل تک پہونچ کر انسان خدا سے مل جاتا ہے ۔

برہم سماج

اس فرقہ کے بانی راجہ رام موہن رائے ۱۷۷۴ء میں بمقام بردوان ایک معزز برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے ۱۷ سال کی عمر میں ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ ہندو مذہب کلیۃً اصلاح کا محتاج ہے اپنشدوں کے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ خدا ایک ہے جو شکل وصورت سے معرا ہے اور وہی پرستش کے لائق ہے یہ محسوس کرنے کے بعد انھوں نے بت پرستی کی مخالفت شروع کی ۔ انھوں نے ہر مذہب کی کتابیں پڑھیں جس کیلئے عربی ، فارسی ، سنسکرت ، انگریزی ، اردو یونانی اور عبرانی زبانوں پر عبور حاصل کیا یہی نہیں بلکہ اپنی پہلی کتاب توحید پر فارسی زبان میں لکھی اور

اس کا دیباچہ عربی زبان میں تحریر کیا۔۱۸۲۸ء میں انھوں نے کلکتہ میں برہم سبھا کے بنیاد ڈالی اور اس کے پہلے میر مجلس ہوئے۔ ۱۸۳۴ء میں ان کا برسٹل (انگلستان) میں انتقال ہو گیا اور برہم سبھا کے میر دوسرے ٹیگور (۱۸۱۸ء - ۱۹۰۵ء راپندر ناتھ ٹیگور کے والد) ہوئے اور تیسرے کیشب چندر سین (۱۸۳۸ء - ۱۸۸۴ء) اس کے بعد کی برہم سبھا کی تاریخ چنداں اہم نہیں، اور دراصل خود رام موہن رائے کے بعد ہی ان کے جانشینوں نے اس مذہب کے اصولوں میں بہت کچھ ردوبدل کر دیا تھا نیچے برہم مت والوں کے عقائد نقل کئے جاتے ہیں۔

۱۔اصلی اور ابدی ایک خدائے برتر ہے اس کی شان میں جو کچھ کہیے تھوڑا ہے وہ ازبسکہ نیک اور رحیم ہے

۲۔ وہ مبارک خدا سراسر روح ہے، اس معقول باعث سے اسکی کوئی شکل اور شبیہ نہیں۔

۳۔ صرف اسی کی پرستش اور اطاعت سے اس دنیا اور آنے والے جہاں کی خوشی وقتی حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ بندگی اور ستائش اس کی پرستش ہے اور نیکی اور بھلائی کرنا اس کی عبادت اور اطاعت ہے۔

۵۔انسان کی روح جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو اور عنایات ایزدی شامل نہ ہوں قال بہ قلب پھرتی رہتی یعنی آواگون کیا کرتی ہے۔

۶۔اصل مذہب معرفت ہے جو لوگ کہ زیرک اور عقلمند اور تجربہ کار ہیں اس وسیلہ سے نجات پاتے ہیں۔ ۱۵

جہاں تک اخلاقی اصولوں اور طریقۂ عبادت کا تعلق ہے راجہ رام موہن رائے نے عیسائی مذہب کے اصولوں کو اختیار کیا تھا اسی لئے برہم سماج کو مذہب عیسائی بے

عیسیٰ (CHRISTAINITY WITHOUT CHRIST) کہتے ہیں۔

آریہ سماج

اس کے بانی مہرشی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء-۱۸۸۳ء) تھے ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ شیوراتری کو وہ اپنے والد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ شیوجی کی پوجا کر رہے تھے۔ سویرے پہر سب لوگ سو گئے لیکن وہ جاگ رہے تھے انھوں نے ایک ایسا منظر دیکھا جس نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ یعنی خود شیومورتی کے سر پر ایک چوہا بیٹھا ہوا چاول کھا رہا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر شیو کی مورتی میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ ایک ادنیٰ چوہے کو بھگا سکے تو اس پرستش سے کیا حاصل۔ اس وقت سے انھوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ مورتی پوجا نہ کریں گے اور اس کے بعد انھوں نے دیگر مذاہب کی کتابوں کا گہرا مطالعہ شروع کیا تاکہ ان کے عقاید سے واقفیت حاصل کریں۔ ان کے والدین نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے ارادوں سے باز آجائیں اسی غرض سے ان کی شادی بھی طے کر دی اور جب کل تیاریاں ہو گئیں تو سوامی جی گھر سے غائب ہو گئے اور مختلف عالموں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے انھوں نے قرآن اور بائیبل وغیرہ کا مطالعہ کیا نیز برہم سماج کے اصولوں سے واقفیت حاصل کی اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ بجائے بہت سے دیوی دیوتاؤں کے ایک خدا کی پرستش کرنا چاہیئے۔ انھوں نے ذات پات کی تفریق کو لغو قرار دیا[۱۶]۔ لیکن آواگون اور نروان کے اصولوں کو تسلیم کیا۔ ۱۸۷۵ء میں جب وہ ۵۱ سال کے تھے انھوں نے ایک خاص مسلک کی بنیاد ڈالی جسے آریہ سماج کہتے ہیں اس کا منشا بت پرستی اور شرک کو دور کر کے ویدک مذہب کو زندہ کرنا تھا۔ اپنے خیالات کی اشاعت کیلئے انھوں نے سارے ملک کا دورہ کیا۔ ہر مذہب کے عالموں سے مناظرے کئے اور ۱۹ کتابیں لکھیں[۱۷]۔ جن میں رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اور سیتارتھ پرکاش بہت مشہور ہیں ان میں سے پہلی کتاب چار ویدوں کی تفسیر کا دیباچہ ہے اور دوسری کتاب کے پہلے حصہ میں ویدک اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرے میں مذاہب عالم پر بے لاگ تنقید ہے۔ آریہ سماج کی بنیاد ڈالنے کے بعد مہرشی کا انتقال ہو گیا لیکن ان کے ماننے والوں نے ان کے کام کو

جاری رکھا اور آج اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد سات کروڑ (۷۰۰۰۰۰۰۰) ہے۔

اگرچہ آریہ سماجی اس بات کے مدعی ہیں کہ ایک خدا کے پرستار ہیں لیکن دراصل ان کی توحید ناقص ہے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں لکھا ہے:۔

"پیدائش کائنات سے پہلے شونیہ آکاش (خدا محض) بھی نہ تھا اس وقت پراکرتی اور کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانؤ (ذرے) تھے اس وقت صرف برہم کی سامرتھ (قدرت) تھی۔"

یعنی خدا تعالے نے جب کائنات کو پیدا کیا تو اس کی ذات کے سوا کوئی دوسری شے موجود نہ تھی مگر آریہ سماجی پھر بھی کہتے ہیں کہ روح اور مادہ قدیم ہے جیسا کہ سیتارتھ پرکاش اور گوید آدی بھاشیہ بھومکا میں لکھا ہے۔

"پرمیشور (خدا) جیو (روح) اور پراکرتی (مادہ) انادی (قدیم) ہیں۔ پرمیشور نے اپنے گیان سے جیو اور پراکرتی پر قابو پا کر ان سے دنیا قائم کی۔"

۱۔ ہو سکتا ہے علی، علیٰ، عالی، عالیہ وغیرہ عربی الفاظ (بہ معنی بلند و برتر) بھی آریہ کی بدلی ہوئی صورت ہوں، کیونکہ مفرد آوازیں ر اور ل آپس میں بدلتی رہتی ہیں۔

۲۔ یہی لفظ عربی میں ضحو، ضیا اور ضواء ہے جن کے معنی "روشنی" کے ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے سامی اور آریائی زبانیں آپس میں گہرا رشتہ رکھتی تھیں

۳۔ یہ سوکت قدیم نہیں ہے بلکہ رگوید کے مرتب ہو جانے کے بعد اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ اس میں آگے چلکر یجروید سام وید اور اتھروید کا حوالہ دیا گیا ہے جو رگوید کے بعد تصنیف کئے گئے اور چار ذاتوں کا بھی ذکر ہے اس روایت کے تقابل مطالعہ کے لئے دیکھئے میرا مضمون "پیدائش عالم" مطبوعہ نگار دسمبر ۵۲ء۔

۴۔ اس کا مقابلہ زبور ۲۴ آیت ا سے کیجئے

۵۔ اس کا مقابلہ زبور ۱۳۹ کی آیات ۷ تا ۱۲ سے کیجئے۔ دونوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ بجائے توارد کے زبور کی آیتیں سرقہ معلوم ہوتی ہیں۔

۶۔ اسے برہمن ذات اور برہمن نامی کتابوں سے مختلف سمجھنا چاہئے اس کے معنی ہیں "عظیم ترین اور یہ لفظ بے جنس ہے اسی کی دوسری صورت برہما ہے جسے اس برہما (مذکر) سے مختلف سمجھنا چاہئے جو ہندو تثلیث کا پہلا اقنوم ہے

۷۔ یونانی فلسفیوں میں فیثاغورث اور سقراط آواگون کے قائل تھے موجودہ دور میں شامی النسل شاعر جبران خلیل جبران مسئلہ تناسخ سے کافی متاثر ہوا ہے

۸۔ ملاحظہ ہو چھاندوگیہ ۴۔ ۱۵۔ ۱۰ ابر ہیہد ۶۔ ۲۲ کوشتکی ۱۔ ۲۔ ۳۔ گیتا آٹھواں ادھیا شلوک ۲۴۔ ۲۵

۹۔ تاریخ ہند جلد اول از نواب علی قریشی صفحہ ۶۱

۱۰۔ گیتا اشلوک کا یہ منظوم ترجمہ نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کی لاجواب کتاب "نغمہ جاوید" سے منقول ہے

۱۱۔ اگرچہ کائناتی زمانوں کا سانکھیہ درشن میں بھی ذکر ہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں وہی تفصیل پائی جاتی ہے جو منوسمرتی میں درج ہے

۱۲۔ نواب قریشی تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۲۲

۱۳۔ پرہلاد کے قصہ کی حضرت ابراہیمؑ اور آتش نمرود کے قصہ سے مشابہت حیرت انگیز ہے

۱۴۔ یہ ترجمے پنڈت سندر لال جی کی اہم کتاب گیتا اور قرآن سے منقول ہیں

۱۵۔ منقول از رسالہ "برہم مذہب" (مطبوعہ ڈسٹ پبلشنگ ہاوس لکھنو ۱۸۹۸ء)

۱۶۔ شروع میں محض چار ذاتیں تھیں لیکن اب انیس ہزار مختلف ذاتیں ہیں ان سے اترا چھوت یا ہریجن ہیں

۱۷۔ ملاحظہ ہو دیانند سدھانت بھاسکر مولفہ کشن چند (راولپنڈی ۱۹۴۰ء)

جین مذہب

مختصر تاریخ

جینیوں کے مطابق ان کے مذہب کی تعلیم چوبیس پیغمبروں (تیر تھنکروں) نے دی جو سب چھتری گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن تاریخ سے آخری دو پیغمبروں ہی کا پتہ چلتا ہے یعنی پارسوناتھ اور مہاویر۔ عموماً مہاویر (۵۴۰۔۴۶۷ق۔م) کو جین مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس مذہب کی بنیاد پارسوناتھ نے ڈالی تھی جس کا زمانہ آٹھویں صدی ق۔م ہے۔

مہاویر کا اصلی نام وردھمان تھا۔ وہ پٹنہ سے ۲۷ میل شمال میں ویسالی کے ایک چھتری گھرانے میں پیدا ہوئے تیس سال کی عمر میں انھوں نے گھر بار چھوڑ کر سنیاس لے لیا۔ بارہ سال انھوں نے سخت ریاضت (تپسیا) کی۔ بیالیس سال کی عمر میں انھیں عرفان (گیان) حاصل ہوا۔ اپنے نفس کو جیت لینے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو جین (فاتح) اور مہاویر (بڑا بہادر) کے خطاب دیئے۔ اپنی زندگی کے بقیہ تیس سال انھوں نے بہار، ترہت، اور اودھ میں جین مذہب کی تبلیغ میں گزارے بالاخر ۷۲ سال کی عمر میں پاوا میں انتقال کیا۔

مہاویر سوامی کے زمانہ سے اس مذہب کے ماننے والوں کی دو قسمیں رہی ہیں ایک تو سراوک یا گرہتھ جو اہلی زندگی بسر کرتے ہوئے جین مذہب کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے شرامن یا سادھو جو دنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور جماعت (سنگھ) بنا کر جین مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔

چندر گپت موریہ کے زمانہ میں جو اس مذہب کا پیرو تھا اس مذہب کے سادھوؤں کے دو فرقے ہو گئے ایک تو شوتیامبر جو سفید کپڑے پہنتے ہیں اور دوسرے

دگمبر (لفظی معنی "آسمان میں ملبوس") جو برہنہ رہتے تھے لیکن اسلامی حکومت کے زمانہ سے انھیں ستر پوشی پر مجبور کیا گیا۔

جین مذہب ہمیشہ ہندوستان تک محدود رہا۔ بیرونی ممالک میں اس کی اشاعت نہ ہوئی پہلے اس مذہب کا مگدھ میں بڑا زور تھا لیکن جب موریہ خاندان کے زمانہ میں اس کا وہاں زوال ہوا تو اجین اور متھرا میں اس نے عروج پکڑا۔ دکن میں شنکراچاریہ کے زمانہ میں اس تنزل ہوا مگر گجرات اب بھی جینیوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے اسی صوبہ میں کوہ آبو پر اس کے عالیشان منادر ہیں جن کا شمار ہفت عجائبات ہند میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں کل جین مندر تقریباً چالیس ہزار ہیں اور اس کے ماننے والوں کی تعداد تخمیناً بیس لاکھ ہے۔

ارکان مذہب

اہل ہنود کی طرح جینیوں کا بھی آواگون اور کرم کے فلسفہ میں اعتقاد ہے ہندوؤں کی طرح ان کا مقصد بھی نودان یا موکش (بار بار پیدا ہونے سے نجات) حاصل کرنا ہے موکش حاصل کرنے کیلئے تین اصول ہیں:۔

۱۔ صحیح عقیدہ
۲۔ صحیح علم
۳۔ صحیح عمل

انھیں "تین رتن" کہتے ہیں۔ صحیح عمل کیلئے پانچ عہد (ورت) ہیں:۔

۱۔اہنسا یعنی کسی جاندار کو تکلیف نہ دینا۔
۲۔سچ بولنا۔
۳۔چوری نہ کرنا۔
۴۔برہمچریہ یعنی ضبط نفس۔
۵۔لالچ نہ کرنا۔

معتقدات

جینیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے مذہب کی تبلیغ سب سے پہلے آسمی ناتھ نے کی تھی ۔جو .... پلیا پہلے ہوئے تھے ۔ پلیا کیا ہے اسے یوں سمجھئے کہ اگر ایک مکعب میں کنویں کو باریک ترین بالوں سے دبا دبا کر بھرا جائے اور پھر ایک چڑیا سو سال میں ایک بال نکالے اور سب بال نکل جائیں تب ایک پلیا ہوگا ۔ جینیوں کی مقدس کتابوں میں تیر تھنکروں کے قد اور عمریں لکھنے میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے

تیر تھنکروں کی بعض مورتیاں بہت لمبی بنائی جاتی ہیں ۔ عموماً ان کو برہنہ بناتے ہیں ۔ بعض بیٹھی ہوتی ہیں اور بعض کھڑی ۔ ان ہی بتوں کو جین مندروں میں پوجا جاتا ہے (جین ہندو دیوی دیوتاؤں کو نہیں مانتے اور نہ ویدوں کو مستند سمجھتے ہیں) جینیوں کا عقیدہ ہے کہ ان تیر تھنکروں کی پوجا سے نجات حاصل ہوتی ہے اور دراصل ہندوستان میں بت پرستی جینیوں ہی کی مروجہ ہے لیکن شوتیامبردں میں ایک فرقہ "ڈھونڈیا" ہے جو بت پرستی نہیں کرتا ۔خود مہاویر سوامی کا دعاؤں میں اعتقاد نہ تھا اس لئے شروع میں جینیوں میں بتوں اور مندروں کا رواج نہ تھا ۔

فلسفہ الٰہیات

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے جین لوگ بھی ہندوؤں کی طرح آواگون اور مکتی میں اعتقاد رکھتے ہیں ۔ لیکن مکتی کے بارے میں ان کا عقیدہ ہندوؤں سے مختلف ہے ان کے نزدیک جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ بھاری ہو کر نیچے کی طرف ڈوبنے لگتی ہے حتیٰ کہ وہ اس قدر وزنی ہو سکتی ہے کہ ساتویں دوزخ میں جا کر قرار لے لیکن جو روح پاک اور صاف ہو جاتی ہے وہ ہلکی ہو کر اوپر کو اٹھنے لگتی ہے ۔ اور چھبیس بہشتوں میں سے کسی ایک میں جا کر قیام کرتی ہے (یہ بہشتیں تلے اوپر واقع ہیں) اور جب وہ اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہو جاتی ہے کہ چھبسویں بہشت میں پہونچ جائے تب اسے نروان حاصل ہو جاتا ہے ۔

ہندوؤں کی طرح جینی خدا کے قائل نہیں مادہ اور روح (جیو) کو ابدی (اندی) مانتے ہیں لیتی یہ چیزیں نہ تو پیدا ہوئی ہیں اور نہ فنا ہوں گی۔ جس طرح دھان چھلکا اتار لینے یا بھن جائے کے بعد پھر نہیں اگتا اسی طرح مکتی پایا ہوا جیو پھر پیدائش اور موت کے چکر میں نہیں آتا۔ کرموں سے مخلصی پانے ہی کا نام مکتی ہے جو مکتی حاصل کر لیتا ہے وہ پرمیشور (خدا) ہو جاتا ہے۔ چوبیس تیر تھنکروں نے مکتی حاصل کر لی اس لئے وہ پرمیشور ہیں۔ جہان میں ایک پرمیشور نہیں ہے بلکہ جس قدر مکت جیو ہیں وہ سب پرمیشور ہیں۔ جہان کا کوئی بنانے والا نہیں ہے بلکہ جہان خود بخود بنا ہے۔ جینی فلسفہ اور منطق سے ایسے خدا کے وجود کی تردید کرتے ہیں جسے قدیم اور خالق کہا جا سکے۔ ان کے اعتراضات اس قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر ایشور کو جہان کا بنانے والا اور جیوؤں کے کرموں کا نتیجہ دینے والا مانو گے تو ایشور دنیا کا پابند ہو جائے گا حالانکہ وہ آزاد ہے۔ ایشور کی خواہش سے کچھ نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ کرم سے ہوتا ہے۔ جیو کرموں (اعمال) کے نتیجہ کو اسی طرح بھگتا ہے جس طرح وہ بھنگ پینے کے نشے کو اپنے آپ ہی بھوگتا ہے۔ اس میں ایشور کا کچھ دخل نہیں ہے۔

جینی اپنے تیر تھنکروں کی عموماً ان الفاظ میں پرستش کرتے ہیں:۔

> "آقا جتیندر کے سامنے میں اپنا سر عاجزی سے جھکاتا
> ہوں جو ساری دنیا کا معبود اور امن و راحت کے
> بخشنے والا ہے دنیا کی تمام مخلوقات کو ابدی سکون
> عطا کرتا ہے۔ کاش کہ میں اس کی مہربانی سے نروان
> کا اعلیٰ ترین تحفہ حاصل کر سکوں۔ شری شانتی!!"

لیکن یہ جانتے ہیں کہ پرم دیوتا یا تیر تھنکر انھیں اس پرستش سے کوئی نفع یا نقصان نہ پہونچائیں گے۔ کیونکہ ان کا دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں البتہ دیوتا جو جین مذہب کے ضابطہ کے نگران ہیں ان کے دعاؤں کو سن کر صلہ دیں گے۔ جنوں کے بنائے ضابطہ پر عمل کرنا ہی ان کی سب سے بڑی پرستش ہے۔

بدھ مذہب

دنیا کے تین بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جو لنکا سے لیکر جاپان تک اور ایشیا کے بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہے اس کے تقریباً پچاس کروڑ ماننے والے ہیں اور اس کی تاریخ اب سے ۲۵۰۰ سال قبل شروع ہوتی ہے۔

بانی مذہب

اس مذہب کے بانی مہاتما گوتم بدھ ۵۶۳ ق۔م نیپال اور ہندوستان کی سرحد پر کپل وستو نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ان کے والد شدھودھن وہاں کے راجہ تھے۔وہ نہایت ہونہار شہزادے تھے لیکن ہمیشہ غور و فکر میں مبتلا رہتے تھے ان کے والد نے شودھرا نامی ایک خوبصورت شہزادی سے سولہ سال کی عمر میں ان کی شادی کر دی جس سے ان کے ایک بچہ راہل پیدا ہوا۔باپ کی سخت تاکید اور پہرے کے باوجود ایک دن وہ اپنی بیوی اور بچے کو سوتا چھوڑ کر محل سے نکل گئے اور سادھو بن گئے اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال کی تھی۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق انھوں نے عرفان حاصل کرنے کیلئے ۶ سال سخت ریاضت کی یہاں تک کہ ان کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔اسی عالم میں وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ ریاضت بیکار ہے اور وہ کھانے پینے لگے یہ دیکھ کر ان کے پانچ ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔لیکن گوتم نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور اپنی تلاش کو جاری رکھا بالآخر وہ بدھ گیا میں ایک پیپل کے درخت کے نیچے مراقبے میں بیٹھ گئے اور یہ طے کر لیا کہ جب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے نہ اٹھیں گے۔انھیں ایک خواب کی صورت میں مارا (شیطان) نے ساری دنیا کی دولت بخشنا چاہی کہ وہ اپنے ارادوں سے

باز آجائیں لیکن جب ان کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی تو اس نے ان پر طوفان بادو باراں، چٹانوں اور مشتعل ہتھیاروں سے حملہ کیا لیکن اس کا بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا مارا کی فوجیں مایوس ہو کر چلی گئیں اور اس درخت کے نیچے ۴۹ دن کے مراقبے کے بعد گوتم پر سارے اسرار عیاں ہو گئے ان کا ضمیر روشن ہو گیا تب سے انھوں نے بدھ (روشن ضمیر یا عارف) کا لقب اختیار کیا۔ اور وہ درخت بودھی درکش یا بوورکش کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جو اب بھی موجود ہے اور بت مذہب والوں کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

گوتم بدھ نے اپنی روشن ضمیری کو اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ دوسروں کو راہ راست دکھانے کیلئے وہاں سے چل دئے اور سب سے پہلے بنارس پہونچے اور مارناتھ نامی مقام پر مرگ بن (ہرن والے باغ) میں انھیں اپنے پانچ پرانے ساتھی ملے جو ان پر ایمان لائے۔ اس کے بعد بہت سے دوسرے لوگوں اور ان کے اہل خاندان نے ان کی تعلیمات کو قبول کیا۔ انھوں نے بہار، اودھ اور نیپال میں گھوم پھر کر ۴۵ سال تک اپنے خیالات کی اشاعت کی بالاخر کسی نارا نامی مقام پر (گورکھپور کے علاقے میں) جب ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی کچھ ثقیل غذا کھانے سے وہ بیمار پڑ گئے اور سالگرہ کے دن انتقال کیا یا بدھ مذہب والوں کے الفاظ میں نروان حاصل کیا۔ یہ ۴۸۳ ق۔م کی بات ہے۔

مذہبی تعلیمات

گوتم بدھ نسباً ہندو تھے لہذا انہیں اپنے مذہب سے دلچسپی تھی لیکن وہ اس کی بہت سی باتیں ماننے کے لئے تیار نہ تھے ان کا قربانیوں پر اعتقاد نہ تھا اور وہ پرستش کے خلاف تھے ان کا منشا تھا کہ انسان خود اپنی اصلاح اپنے بھروسہ پر کرے اور کسی فوق الفطری قوت کی امداد کا طالب نہ ہو انہوں نے سخت ریاضت یا تپسیا کو بھی غیر ضروری بتایا۔ ویدانت کی رو سے زندگی کا بلند مقصد وصال حقیقی (برہم پراپتی) یا آتمن اور برہمن کا ایک ہو جانا (برہم بھوت) ہے لیکن گوتم بدھ نے محض پیدائش اور موت کے

چکر یعنی آواگون سے نجات حاصل کرنا (نروان) ہی کافی بتایا اور خدا (برہمن) کے بارے میں مکمل سکوت اختیار کیا۔ وہ روح کو خدا کا جزو نہ مانتے تھے۔ نروان کے حصول کے لئے انہوں نے ذات پات کی تفریق کو بھی باطل قرار دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہندو مذہب کے بعض عملی طریقے یعنی ضبط نفس (برہم چریہ) یوگ (مراقبہ) وغیرہ کو اختیار کیا اور بعض نظری اصول بھی تسلیم کئے مثلاً

۱۔ آواگون کا نظریہ یعنی انسان پیدا ہوتا ہے مرتا ہے اور مر کر دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور پیدائش اور موت کا یہ سلسلہ برابر چلتا رہے گا تاوقتیکہ انسان کو نروان حاصل ہو جائے۔

۲۔ کرم کا نظریہ یعنی انسان کا دوسرا جنم اس زندگی کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے اس زندگی میں کسی کے اعمال اچھے ہیں تو دوسرے جنم میں اس سے بہتر حالت میں پیدا ہوگا اور اگر خراب تو اس سے بھی سقیم حالت میں۔

۳۔ دنیا کی تکالیف کا سبب لاعلمی (اودیا) اور خواہشات (کام، ترشن) ہیں لیکن اس سے نجات حاصل کرنے کا جو طریقہ انہوں نے بتایا وہ ہندوؤں سے مختلف تھا۔

جس طرح ایک معالج پہلے مرض کے اسباب معلوم کرتا ہے اور پھر اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح مہاتما بدھ نے زندگی کی "چار اعلیٰ صداقتیں" (آریہ ستیہ) بتائی ہیں:۔

۱۔ زندگی دکھ ہے۔

۲۔ دکھ کا سبب خواہشات ہیں۔

۳۔ خواہشات کو دور کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اس کے لئے نہ تو سخت ریاضت کی ضرورت ہے اور نہ عیش پرستی کی بلکہ "درمیانی راستہ" اختیار کرنا چاہیے جس کے آٹھ اصول ہیں اسی لئے اسے "آٹھ اصولوں والا راستہ" (اشٹانگ مارگ) بھی کہتے ہیں وہ اصول یہ ہیں:۔

۱۔ صحیح علم

۲۔ صحیح ارادہ

۳۔ صحیح کلام

۴۔ صحیح عمل

۵۔ حلال کمائی

۶۔ صحیح کوشش

۷۔ نیک خیال

۸۔ سچا دھیان

ان میں سے تیسرے اور چوتھے کو مزید تفصیل سے "پانچ نصیحتوں" کی صورت میں بیان کیا ہے۔

۱۔ کسی کی جان نہ لینا

۲۔ جو چیز نہ دی جائے اس کے لینے سے احتراز کرنا۔

۳۔ غیر قانونی جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا

۴۔ جھوٹ نہ بولنا

۵۔ نشہ آور چیزوں سے پرہیز کرنا

بدھ مذہب قبول کرنے کے لئے کسی رسم کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آٹھ اصولوں والے راستہ پر عمل کرکے ہر شخص نروان حاصل کر سکتا ہے یا باالفاظ دیگر دنیوی خواہشات کو ترک کرکے مطمئن اور آسودہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

مابعد الطبیعیاتی مسائل

خالق اور کائنات کے بارے میں گوتم بدھ کے خیالات سانکھیہ فلسفہ سے ماخوذ تھے جس میں ہر چیز کی روح اور مادے (پرش اور پراکرتی) سے تشریح کی گئی ہے اور کسی الہیٰ قوت کی مداخلت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے بدھ مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب گوتم بدھ سے ان کے شاگردوں نے دوسری دنیا اور روح کے بارے میں سوالات کئے تو انہوں نے روحانی اور غیر مرئی دنیا کے بارے میں بتانے سے انکار کر

دیا لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ وہ عالم فوق الفطرت یا خدا پر یقین نہ رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو الحاد کی تعلیم دی۔ان کے سکوت کے دو سبب تھے۔

۱۔وہ سمجھتے تھے کہ لامحدود خدا کی ماہیت کا جاننا انسان کی محدود عقل سے باہر ہے

۲۔وہ یہ چاہتے تھے کہ کہ ان کے شاگرد نروان حاصل کرنے کے لئے خود اپنی کوششوں پر بھروسہ کریں اور کسی خارجی یا فوق الفطرت مدد کا سہارا نہ لیں انہوں نے اس موضوع پر قیاس آرائی کو بھی منع کیا کیونکہ اس سے خود اعتمادی کے جذبہ کو نقصان پہونچنے کا استعمال تھا اور ۔۔ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نجات خود تمہارے ہاتھ میں ہے اور اسے تم اپنی کوشش سے حاصل کر سکتے ہو اس لئے گوتم بدھ کے رویہ کو نہ تو الحاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ لاادریت سے۔

گوتم بدھ نے صرف مذہب کے عملی پہلو یا اخلاقیات پر زور دیا اور مابعد الطبیعیاتی پہلو کو نظرانداز کر دیا تھا لیکن چونکہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد میں خارجی یا فوق الفطرت امداد چاہے اس لئے بعض لوگوں نے خود انہیں کو پوجنا شروع کر دیا۔

مذہبی فرقے

تیسری صدی ق م میں شہنشاہ اشوک نے بدھ مذہب قبول کیا اور اس کی کوشش سے بدھ مذہب نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی پھیل گیا۔بعد میں مذہبی اختلافات کی بنا پر اس مذہب کی دو شاخیں ہو گئیں: (۱) ہنایان (صراط صغیر) جو چٹاگانگ، سیلون، برما، تھائی لینڈ (سیام) کمبوڈیا اور لاوس میں رائج ہے (۲) (صراط عظیم) جو نیپال، تبت، چین، جاپان، کوریا اور منگولیا میں مروج ہے۔

ہنایان فرقے کے مذہبی اصول قدیم بدھ مذہب سے قریب تر ہیں مہایان مذہب قدیم مذہب کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے ہنایان فرقے کے نزدیک نروان

حاصل ہونے پر روح کو مکمل سکون حاصل ہو جاتا ہے، برخلاف اس کے مہایان فرقے کا عقیدہ ہے کہ نروان حاصل کرنے پر بھی روح اپنی نوع کی بہتری کے لئے کام کر سکتی ہے ایسی روح کو بدھستوا (دانشور ہستی) کہتے ہیں، چنانچہ گوتم بدھ نے عرفان حاصل کرنے سے پیشتر بدھستوا کی بیشمار زندگیاں گزاری تھیں جن کا جاتک نامی کتابوں میں تذکرہ ہے۔

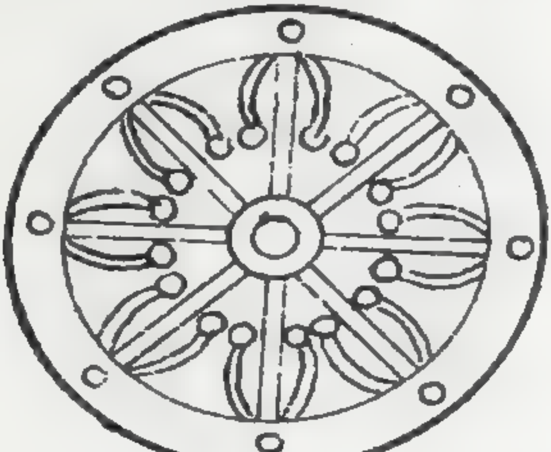
ہنایان فرقے کی مذہبی کتابیں پالی زبان میں اور مہایان فرقے کی سنسکرت زبان میں ہیں۔ان کتابوں میں للت وستار تری پٹک اور جاتک خاص ہیں۔

مہایان مذہب والوں کے نزدیک کل مخلوقات دھرم کایا کا مظہر ہیں۔ اسکے مظاہر اتم کا نام بدھستوا ہے جو انسانی صورت میں زمین پر انسانوں کو نروان حاصل کرنے کے اصول سکھانے کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی امی تابھا (جاپانی امیدا) تھا اور آخری گوتم بدھ دراصل مہایان مذہب میں تاریخی گوتم بدھ کی جگہ امی تابھا نے لے لی ہے جو ایک مثالی بدھ ہے۔یہی وجہ ہے کہ بدھ کے ہزاروں مجسمے جو ایشیا کے مندروں میں پائے جاتے ہیں کسی ایک شخص کی ہو بہو تصویر نہیں ہیں بلکہ "روشن ضمیری" کا نشان یا علامات ہیں، محبت عظیم (مہاماتری) اور بے حد رحمدلی (مہاکرونزا) اور فہم و دانش اسکی خصوصیات ہیں اسے محبت الدعوات مانا جاتا ہے چین اور جاپان وغیرہ میں اسکی پرستش ہوتی ہے اسکا ایک خاص مقام ہے جسے "عظیم مقدس بہشت" یا "ملک صفا" کہتے ہیں اس مذہب کا ہر پیرو وہاں پہنچنے اور امی تابھا کو اسکی نورانی صورت میں دیکھنے کی تمنا کرتا ہے مہایان مذہب، بدھ مذہب اور مقامی مذاہب کا مجموعہ یا آمیزہ ہے۔

بدھ پرستی

گوتم بدھ کے انتقال کے بعد جب رسوم میت ادا کی جا چکیں تو ان کے جسم کی راکھ ہڈیاں، دانت اور بال وغیرہ محفوظ کر لئے گئے اور انہیں گنبد یا مینار کی وضع کی عمارتوں میں رکھا گیا جنہیں استوپ کہتے ہیں سیلون کے استوپ داگوبا اور برما کے پیگوڈا

کہے جاتے ہیں (خیال کیا جاتا ہے کہ لفظ پیگوڈا بتکدہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے) ایشیا میں لاکھوں استوپ ہیں چونکہ گوتم بدھ کے لتنے بال یا ہڈیاں وغیرہ موجود نہیں ہیں اس لیئے ان میں سے بہتوں میں محض بت، مقدس تحریریں یا مناجاتیں رکھی گئی ہیں۔ استوپوں کا طواف کیا جاتا ہے اور ان پر ہار پھول چڑھائے جاتے ہیں یہ گویا بدھ کے آثار جسم کی پرستش ہے اس طرح کی پرستش نیز استوپوں کا بنوانا۔ یا حفاظت کرنا بدھ کا دھیان کرنا بھکشوؤں کو کھلانا یہ سب کار ثواب ہیں جن سے حصول نروان میں مدد ملتی ہے دھرم چکر بدھ مذہب کی خاص علامت ہے اس سے مراد آٹھ اصولوں والا راستہ ہے



چین کے مذاہب

چین کے لوگ مذہب کے باب میں بڑے آزاد خیال ہیں۔ انہیں دوسری زندگی سے زیادہ موجودہ زندگی کی فکر ہے کنفوشش (CONFUCIUS) سے جب اس کے ایک شاگرد نے حیات بعد ممات کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ "ہمیں ابھی زندگی ہی کا علم حاصل نہیں ہے موت کو ہم کیسے جان سکتے ہیں۔" چینی سماج کی بنیاد مذہب پر نہیں بلکہ کنفوشش کی اخلاقی تعلیمات پر ہے جس نے والدین کی اطاعت پر بڑا زور دیا تھا۔ عیسائیت، یہودیت اور اسلام کی طرح چین کا مذہب خدا کا کوئی واضح تصور پیش نہیں کرتا۔

دو مشہور فلسفی یا پیغمبر

لاؤتزو (LAOTZU) اور کنگ فوتزو (۲)(KUNG FOTUZU) یا کنفوشش چین کے دو مشہور فلسفی یا پیغمبر تھے۔ انکا زمانہ وہی تھا جو ہندوستان میں مہاتما بدھ اور مہابیر سوامی کا تھا (یعنی چھٹی صدی ق م) جو مذہب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے

لاؤتزو (پیدائش ۶۰۴ ق م) کے لفظی معنی ہیں "بوڑھا فلسفی" یا بوڑھا لڑکا" (کہتے ہیں جب وہ پیدا ہوا تو اس کے بال بالکل سفید تھے) وہ عرصہ تک شاہی کتب خانہ کا مہتمم رہا لیکن بعد ازاں مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا اور پھر چین کا ملک چھوڑ کر نہ جانے کدھر نکل گیا۔ اس نے اپنے خیالات ۲۵ صفحہ کی ایک مختصر کتاب تاؤ۔تیہ۔کنگ یا تو تا۔چنگ (TAO TECHING) میں قلمبند کئے ہیں۔ جو تاؤ مذہب والوں کی بائبل ہے۔ کہتے ہیں لاؤتزو نے تاؤ مذہب کی بنیاد ڈالی لیکن دراصل چین میں تاؤ کا تخیل

نہایت قدیم زمانہ سے پایا جاتا تھا۔ البتہ وہ پہلا شخص تھا جس نے تاؤ کی ماہیت کو تفصیل سے بیان کیا لیکن کہیں کہیں پر اس نے نہایت اوق زبان استعمال کی جس کی وجہ سے اس کی کتاب کا سمجھنا مشکل ہے۔

کنفوشش

(۵۵۱-۴۷۸ ق م) نے کوئی نیا مذہب نہیں چلایا، بلکہ اپنے زمانہ کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے پر زور دیا۔ اس نے لوگوں کے سامنے ایک خاص اخلاقی نظام رکھا جس پر چینی سماج کی تعمیر ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرے اور پھر اپنے گھر والوں کی اصلاح کی طرف رجوع ہو اس سے ہر شہر اور بعد ازاں پوری سلطنت کی اصلاح ہو جائے گی۔ ۳۴ سال کی عمر میں اس کے تقریباً ۳۰۰۰ ماننے والے تھے لیکن اب اسکے ماننے والوں کی تعداد ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ سے زائد ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اس کے ہم خیال علماء کی کوشش ہیں جن میں منگتزی یا بیتزی (MENG - TZE) کا نام بہت مشہور ہے۔ اس کا زمانہ ۳۷۱-۲۸۸ ق-م ہے۔ کنفوشش، چین کا "پہلا فلسفی" اور وہ "دوسرا فلسفی" کہلاتا ہے۔

بعض عالموں کو لاؤتذو کے وجود کے بارے میں شبہ ہے اور دراصل اس کے بارے میں بڑی مبالغہ آمیز روایتیں بیان کی جاتی ہیں برخلاف اس کے آج بھی کنفوشش کی ۷۷ ویں پشت اس کا ایک خاندان موجود ہے جس کے پاس غالباً دنیا میں سب سے پرانا مستند شجرہ ہے۔

فطرت پرستی

زمانہ قدیم کی بیشتر اقوام کی طرح چین کا مذہب بھی مناظر فطرت کی پرستش تھا جو اب بھی رائج ہے۔ چین کے کروڑوں عوام جو کنفوشش، لاؤتذو یا بدھ کی تعلیمات

سے ناواقف ہیں متعدد مافوق الفطرت قوتوں کی پرستش کرتے ہیں فیض رساں روحیں شیں (SHEN) کہلاتی ہیں اور ضرت رساں کوئی (KWEI) (۳) جو انسانوں کی قسمت پر حکومت کرتی ہیں چینیوں کے نزدیک ہر جگہ حیوانوں، پرندوں اور مچھلیوں وغیرہ کی صورت میں شیاطین اور اژدہے چھپے رہتے ہیں ۔ جنہیں اگر چھیڑ دیا جائے تو وہ سخت مصیبتیں لاتے ہیں لیکن خوش قسمتی سے ارواح خبیثہ بے وقوف ہوتی ہیں ۔اسی لئے مکانوں کے راستے اور پل ہریا( ) بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ راستہ بھول جائیں کبھی کبھی انہیں بے وقوف بنانے کے لئے دروازے کے سامنے صحرا و بیابان کی تصویریں بنا دی جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس طرح وہ بھٹکتی پھریں گی اور مکان میں داخل نہ ہو سکیں گی ماہرین روحانیات سے مشورہ لئے بغیر کوئی تقریب شادی یا سالگرہ وغیرہ نہیں منائی جا سکتی اور نہ کسی عمارت کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ کوئی قبر کھودی جا سکتی ہے نیک روحوں کو چاول، سبزی گوشت اور پھلوں وغیرہ کی نذریں پیش کر کے خوش کیا جاتا ہے چینیوں کا عقیدہ ہے کہ روحیں کھانے کا جوہر چوس لیتی ہیں اس لئے نذر یا فاتحہ کے بعد کھانے کو سب لوگ مل کر کھا لیتے ہیں ۔ زمانہ قدیم میں ہر ساتویں سال خاقان چین ایک سفر کرتا تھا جس میں اپنے ملک کے خاص دریاؤں اور پہاڑوں کو قربانیاں پیش کرتا۔اس قدیم فطرت پرستی کو تاؤ مذہب اور کنفوشش کے مذہب میں شامل کر لیا گیا۔

بزرگ پرستی

اس کے سوا چینیوں میں زمانہ قدیم سے آباء پرستی کا بھی رواج ہے ۔چینی حیات بعد ممات کے قائل ہیں اور کنفوشش نے بزرگ پرستی پر بڑا زور دیا تھا۔اس کا قول ہے کہ "جو لوگ مر گئے ہیں ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے گویا وہ زندہ ہوں ۔یہی سب سے بڑی سعادت مندی ہے ۔" چنانچہ اب بھی بزرگوں کی روحوں کو قربانیاں پیش کی جاتی ہیں اور ہر چینی گھر میں ایک حصہ خاص اسی کام کے لئے وقف ہوتا ہے

عرصہ سے اصلی قربانیوں کی جگہ علامتی رسوم نے لے لی ہے۔ مثلاً کاغذ کا مکان جلانا جس سے مقصود دوسری دنیا میں روح کے لئے مکان مہیا کرنا ہے۔ خاندانی بزرگوں کے سوا ناموران قوم کی پرستش بھی کا رواج ہے چنانچہ مثل آفتاب و ماہتاب کے کنفوشش کی بھی پرستش ہوتی ہے۔ لیکن اس کے مندروں میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ ایک تختی پر "کنفوشش" لکھا یا کندہ ہوتا ہے۔

چینیوں کا زمانہ قدیم میں یہ بھی عقیدہ تھا کہ کسی دور کے ملک میں آب حیات کا ایک چشمہ موجود ہے جسے پی کر انسان امر ہو سکتا ہے لیکن وہ اس کی تلاش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آباء پرستی کے علاوہ چینیوں میں دعا، تعویذ، جادو ٹونے فال و شگون وغیرہ کا بھی رواج رہا ہے اور ان سب کو تاؤ مذہب کا جزو مانا جاتا ہے۔

شانگٹی (SHANGTI) شخصی خدا

چینیوں میں خالص توحید کا رواج کبھی نہیں ہوا، وہ ہمیشہ کثرت پرستی میں مبتلا رہے، آسمان اور زمین کو شوہر اور بیوی اور کل اشیا کا والدین مانا جاتا ہے لیکن زمین کے مقابلہ میں آسمان کی اہمیت بہت زیادہ رہی ہے۔

آسمان کے لئے چینی زبان میں دو الفاظ پائے جاتے ہیں شانگٹی بہ معنیٰ "اوپر کا بادشاہ" اور تھیان (THEN) بہ معنیٰ "آسمان" چین کی تاریخ میں خدا بلکہ مذہب کی طرف قدیم ترین اشارہ ان الفاظ میں پایا جاتا ہے: "شہنشاہ زرو (۲۶۹۷ - ۲۵۹۸) نے شانگٹی کے نام پر قربانی کی۔ کل عوام کو جمع کیا اور انہیں حکومت اور مذہب کے اصول بتائے۔"

زمانہ قدیم میں بادشاہ اور ملکہ آسمان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چینی رسوم کی کتاب میں لکھا ہے کہ "بہار کے پہلے مہینے" میں آسمان کا بیٹا اچھی فصل کے لئے شانگٹی سے دعا کرتا اور خود اپنے ہاتھ میں ہل لیتا ہے" یہ رسم ۱۹۱۱ء تک چین میں جاری تھی۔

چینیوں کا عقیدہ تھا کہ حکمراں کا تقرر آسمان کی طرف سے ہوا کرتا ہے آسمان

بدکاروں کو مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔اور نیکوکاروں پر برکتوں کا نزول فرماتا ہے۔
کنفوشش نے لکھا ہے کہ: "تجھ میں جو کچھ خوبیاں ہیں ان کا منبع آسمان ہے۔"
لاؤتذو کہتا ہے "آسمان کا جال ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔اسکے پھندے وسیع ہیں ان سے کوئی چیز نہیں بچتی۔"

مشہور چینی مؤرخ پانکو (متوفی ۹۲ء) نے لکھا ہے کہ:

"آسمان خوش بھی ہوتا ہے اور ناراض بھی ۔اسکے پاس رنج وراحت کا احساس کرنے والا دل ہے اور یہ بالکل انسانوں کے مثل ہے اس طور پر آسمان اور انسان یکساں ہیں"

ڈاکٹر ولیم الیف وارین (Dr. W . F. WARREN) کی تحقیقات کے مطابق اگرچہ شانگٹی آسمان کا دیوتا ہے لیکن آسمان میں بھی اس کا ایک خاص مقام ہے یعنی قطب ستارہ۔چینیوں کا عقیدہ ہے کہ کولن لوئیں (KWEN - LUN) پہاڑ دنیا میں سب سے اونچا ہے۔اس کی وادیوں میں جانب شمال مغرب شانگٹی کا اراضی رنگ محل ہے۔اسکے سامنے نو دیواریں ہیں اور ایک قیمتی پتھروں کا احاطہ ہے اطراف میں نو دروازے ہیں جن سے روشنی نکلتی ہے اور جانور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ شانگٹی کی بیوی یہیں رہتی ہے اور اس کے ٹھیک اوپر شانگٹی کا آسمانی محل ہے جو آسمان کے وسط یعنی قطب ستارے میں واقع ہے جسے تذوی (TSZE - WEI) کہتے ہیں قطب ستارے کو "آسمان کا عظیم خسروی حکمراں" بھی کہا جاتا ہے۔اسی تخیل کے تحت شہنشاہ چین اور اسکے درباری "قربان گاہ فلک" میں مذہبی مراسم ادا کرتے وقت ہمیشہ شمال کی طرف منہ کرتے تھے اور شمال کو قطب ستارہ سے جو خصوصیت ہے وہ ظاہر ہے چین کی طرح بعض دیگر اقوام میں بھی قطب ستارہ کو معبود اکبر یا خدا مانا جاتا تھا۔

تاؤ (TAO) غیر شخصی خدا

شانگٹی، چینیوں کا شخصی خدا ہے اور تاؤ غیر شخصی ۔ شانگٹی کا تخیل غیر فلسفیانہ ہے اور تاؤ کے تخیل میں کافی فلسفہ پایا جاتا ہے ۔ ہم تاؤ کا مقابلہ ہندوؤں کے برہمن اور بدھ مذہب والوں کی بدھی (عقل) سے کر سکتے ہیں ۔

تاؤ کے محدود معنی " راستے " " طریقے " اور وسیع معنی " طرز زندگی " یا قانون فطرت " کے ہیں ۔ انسان تاؤ میں پیدا ہوتا ہے اور تاؤ میں رہتا ہے ویسے ہی جیسے مچھلی پانی میں پیدا ہوتی ہے اور پانی میں رہتی ہے اس لئے کہ تاؤ ہر شے میں سمایا ہوا ہے اور اسے گھیرے ہوئے ہے بایں ہمہ وہ غیر متغیر اور تنہا ہے ۔ تاؤ کو نہ تو دیکھا جا سکتا ہے، نہ سنا جا سکتا ہے اور نہ اس کے بارے میں کچھ کہا جا سکتا ہے وہ بے صورت ہے لیکن ہر شے کا صورت گر ہے ۔ تاؤ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے لیکن وہ خود کوئی چیز نہیں ہے ۔ وہ خالق ہے لیکن تخلیق عالم سے پہلے بھی موجود تھا وہ ہر چیز کی روح ہے تاہم نہ وہ عرض ہے اور نہ جوہر اور چونکہ وہ غیر محدود ہے اس لئے تاؤ مذہب انسان کو بھی زمین اور زماں کی قید سے آزاد ہو کر عالم غیر محدود میں گم ہو جانے کی تعلیم دیتا ہے ، تاؤ مذہب دنیا اور دنیا داری کو برا بتلاتا ہے کیونکہ اس سے ہمارے روحانی احساسات کو صدمہ پہونچتا ہے اس کے مطابق باطنی زندگی ہی اچھی اور ظاہری کچھ نہیں ہے اس پر عمل کرنے سے روحانی سکون مل سکتا ہے ۔

تاؤ مذہب کا یہ بھی کہنا ہے کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد تاؤ کا علم حاصل کرنا اور اس سے ہم آہنگ ہونا ہے ۔ انسان کو تاؤ کی اطاعت کرنی چاہیے کیونکہ جو شے تاؤ کی مخالفت کرتی ہے وہ جلد ضائع ہو جاتی ہے ۔

تاؤ مذہب کے مطابق انسان کی بداعمالی ہی اس پر مصائب لاتی ہے انکے نزدیک عالم مافوق الفطرت قدرت اور انسان کی دنیا میں حد فاصل نہیں کھینچی جا سکتی ۔ یہ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور تینوں پر ایک ہی کائناتی قانون (تاؤ) حاوی ہے ۔ اس لئے انسان کو چاہیے اپنے اعمال سے قدرت کے اصولوں میں خلل نہ ڈالے ۔ اگر وہ قدرت کے اصول کے مطابق عمل کرتا ہے تو سورج میں سکون اور امن رہتا ہے اور اگر

وہ قدرت کے قوانین کو توڑتا ہے تو آسمان اور زمین میں اتحاد قائم نہیں رہتا اور کائناتی مشین بگڑ جاتی ہے جس کا انجام تباہی و بربادی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گا کہ چینیوں کے نزدیک تاؤ سے مراد دراصل "قانون فطرت" ہے جس کا سراغ غالباً انہوں نے اجرام فلکی کی باقاعدہ گردش، موسموں کی آمد، پودوں کے لگنے، دریاؤں کی شاندار روانی وغیرہ سے لگایا ہو گا اور سیلابوں کی بے پناہی اور قحط سالی وغیرہ کو قانون فطرت میں خلل پڑنے کا نتیجہ بتایا ہو گا۔

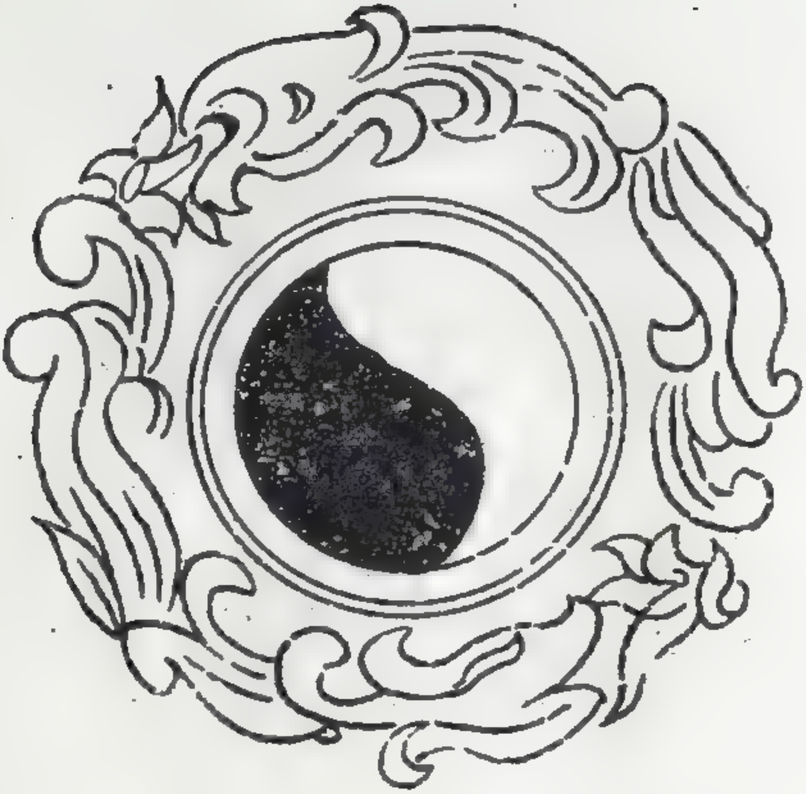
ثنویت

تقریباً ۱۰۰۰ ق۔م میں چینیوں نے مشاہدہ قدرت کی بناء پر ایک خاص فلسفہ وضع کیا جسے ہم ثنویت کہہ سکتے ہیں۔ انہوں نے قدرت میں دو قوتوں کی کار فرمائی دیکھی جو متضاد خصوصیات کی حامل ہیں۔ یعنی:۔(۱) یانگ (YANG) جو مثبت، مذکر، سفید، گرم، سخت اور متحرک ہے۔(۲) یین (YIN) جو منفی، مونث، سیاہ، سرد، نرم اور غیر متحرک ہے اور دنیا کی ہر چیز انہیں کے باہمی عمل سے بنی ہے۔

یانگ دھوپ اور آگ کا جوہر ہے اور یین سایہ اور پانی کا جوہر ہے۔ آسمان یانگ ہے اور زمین یین ہے یہ دو قوتیں آپس میں بدلتی بھی رہتی ہیں۔ مثلاً لکڑی یین ہے لیکن آگ میں ڈالنے سے یانگ ہو جاتی ہے۔

دیگر مذاہب کی ثنویت میں نور و ظلمت، نیکی اور بدی وغیرہ کو ایک دوسرے کا مخالف مانا جاتا ہے اور ان میں ابدی جنگ جاری سمجھی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے چینیوں کے نزدیک یانگ اور یین میں مکمل اتحاد ہے۔ کائنات کو چلانے کے لئے یانگ اور یین دونوں ضروری ہیں اگرچہ یہ قوتیں متضاد ہیں لیکن تاؤ کے باعث ان میں مکمل ہم آہنگی قائم ہے جو ساری کائنات پر حاوی ہے۔

ان کائناتی قوتوں کو روایتاً ایک دائرے میں ہم آغوش دکھایا جاتا ہے۔ سفید سے (یانگ) اور سیاہ سے (یین) کو ظاہر کرتے ہیں۔



۱ ۔ چین میں مہایان بدھ کا رواج غالباً پہلی صدی عیسوی سے شروع ہوا اسی کے ساتھ ساتھ
پروہتوں کا طبقہ مراسم عبادت اور مجسمہ سازی کا فن بھی آیا
۲ ۔ کنفوشش اسکی لاطینی صورت ہے اور اصل نام سے زیادہ مشہور ہے
۳ ۔ چین کے مندروں کے سامنے اکثر خوفناک محافظوں کے مجسمے رکھے جاتے ہیں جن کا منشا ارواح
خبیثہ کو دفع کرنا ہوتا ہے

جاپان کا مذہب

اہل جاپان شنتو(SHINTO) مذہب کے ماننے والے ہیں۔ شنتو چینی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں "دیوتاؤں کا راستہ" اس مذہب کا علم ہمیں دو کتابوں سے حاصل ہوتا ہے کوجیکی اور نحونگی جو بالترتیب ۷۱۲ء اور ۷۲۰ء کی تالیف ہیں۔

جہاں تک شنتو مذہب کے آغاز کا تعلق ہے یہ بتانا مشکل ہے کہ اسے جاپان کے قدیم باشندوں نے جو آئنو(AINO) کہلاتے ہیں کہاں تک متاثر کیا اور وہ چین کے مذہب سے کیا تعلق رکھتا ہے اگرچہ کنفوشش کے مذہب نے شنتو مذہب کو متاثر کیا علاوہ ازیں چین کی طرح جاپان میں بھی آباء پرستی اور مناظر فطرت کی پرستش کا رواج ہے لیکن چین اور جاپان کے مذہبوں میں بڑا فرق ہے چین میں سب سے بڑا معبود آسمان ہے اور اس کے بعد زمین، چاند، سورج وغیرہ لیکن جاپان میں سب سے بڑا معبود سورج ہے۔

معبود کا تخیل

جاپانی زبان میں معبود کو کامی کہتے ہیں۔ اسکے معنی ہیں "اعلیٰ" یا "اوپر کا" برخلاف شیمو کے جس کے معنی ہیں "اونی" یا "نیچے کا"۔ چنانچہ جسم کے اوپر کے حصہ کو کامی کہتے ہیں اور نیچے کے حصے کو شیمو۔ اعلیٰ طبقے کا آدمی کامی ہے اور ادنیٰ طبقے کا شیمو۔ آسمان، کامی ہے اور زمین شیمو۔

آفتاب پرستی

جاپان کا خاص مذہب آفتاب پرستی ہے چین کے ایک بادشاہ نے جاپان کا نام

دائی نپن(DAINIPPON) یعنی "طلوع آفتاب کی سرزمین "رکھا تھا۔ برخلاف دیگر مذاہب کے جاپان میں سورج کو مونث مانا جاتا ہے کیونکہ قدیم جاپان میں عورت ہی کو تفوق حاصل تھا۔

جاپانی شہنشاہ جو ملیکیڈو کہلاتے ہیں اپنا مورث اعلیٰ سورج دیوی AMA) (TERASU کو مانتے ہیں۔ اور نیابت الہیٰ کے قائل ہیں۔ اسی لئے جاپان میں زمانہ قدیم سے شہنشاہ پرستی کا رواج رہا ہے۔

جاپان کا شاہی خاندان دنیا کا سب سے پرانا خاندان ہے۔ ہیروہیٹو اس خاندان کا ۱۲۴واں شہنشاہ تھا اور پہلا شہنشاہ جم مو ۶۶۰ ق۔م یعنی اب سے ۲۶۱۵ سال پہلے ہوا تھا۔

دیگر معبود

سورج کے مقابلہ میں چاند (جو مذکر ہے) اور ستاروں کے معبود کم اہم ہیں۔ زمین پرستی کا بھی رواج ہے۔ کیچڑ بالو اور چکنی مٹی کے الگ الگ معبود ہیں۔ ہر پہاڑ کا ایک الگ دیوتا ہے، جاپان زلزلوں کا ملک ہے لیکن زلزلے کا کوئی خاص معبود نہیں ہے بلکہ ہر معبود ناراض ہو کر زلزلہ پیدا کر سکتا ہے سمندر کے تین دیوتا ہیں۔ سمندر کی تہ کا دیوتا، سمندر کے بیچ کا دیوتا سمندر کا سطح کا دیوتا کبھی کبھی انہیں تثلیث فی التوحید کی صورت میں ایک ہی دیوتا مانا جاتا ہے۔ دریاؤں کے دیوتا سانپوں اور اژدہوں کی صورت میں ظاہر کئے جاتے ہیں جنہیں پہلے انسانی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں بارش، بجلی، ہوا اور آگ کے دیوتا بھی ہیں، بڑے بڑے درخت اور کنویں بھی پوجے جاتے ہیں سورج دیوی، کھانے کی دیوی اور زمین کا دیوتا سب سے بڑے معبود ہیں۔ آگ، بجلی اور طوفان کے دیوتاؤں سے ڈرا جاتا ہے کیونکہ جاپان میں زیادہ تر مکان کاغذ اور لکڑی کے ہوتے ہیں۔

سرسری طور پر جاپان معبودوں کو سات مجموعوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔(۱) اجرام فلکی (۲) عناصر اربعہ (۳) غیر معمولی مظاہر قدرت (۴) نمایاں مظاہر فطرت پہاڑ،

چٹانیں، درخت اور غار وغیرہ (۵) غیر معمولی انسان (۶) طاقت ور حیوان (۷) مصنوعات تلواریں، کٹاریں وغیرہ الغرض ہر غیر معمولی اور اعلیٰ درجہ کی چیز قابل پرستش ہے حتیٰ کہ بسا اوقات پرستار کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جس شے کی پرستش کر رہا ہے اس کی ماہیت کیا ہے؟ ایک جاپانی مقولہ ہے "ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کیا چیز ہے لیکن اس میں ضرور کوئی دیوتا ہے" کو جیکی سے معلوم ہے کہ زمانہ قدیم میں قطب ستارے کو بھی ایک اہم بلکہ معبود اکبر مانا جاتا تھا کیونکہ تکوین عالم کے سلسلہ میں سب سے پہلے جس دیوتا کا پیدا ہونا ظاہر کیا جاتا ہے وہ یہی تھا۔ اسے "آسمان کے مقدس مرکز کا مالک دیوتا" کہتے تھے۔

چونکہ قطب ستارہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اور دیگر ستارے اس کے گرد گھومتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اسلئے مختلف اقوام قطب ستارہ کو معبود اکبر مانتی ہے۔





اور قطب اکبر (سپت رشی) کے سات تارے قطب تارہ کے گرد گردش کرتے ہیں جو قطب اصغر میں واقع ہے بائیں طرف کا شکل ایک فوٹو گراف کی نقل ہے جس میں قطب تارے کے گرد ستاروں کی گردش دکھائی ہے۔

ا۔ پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مذہب کوریا سے جاپان پہونچا جس نے وہاں کے لوگوں کے عقائد کو بہت متاثر کیا۔ کل شنتو دیوتاؤں کو بدھ اور بدھستوا کے اوتار مان لیا گیا۔ اس کے علاوہ حیات بعد ممات اور دوزخ و جنت کے خیالات بھی اپنا لئے گئے

ایرانی مذہب

ایران مخفف ہے ایریانہ کا جس کے وہی معنی ہیں جو آریہ ورت اور آئرلینڈ کے ہیں یعنی "آریوں کا ملک" یہ اس بات کا ثبوت ہے پہلے ان ممالک میں ایک ہی نسل کے لوگ آباد تھے چنانچہ فارسی اور سنسکرت زبانوں کی مشابہت کی بھی یہی وجہ ہے زبان کی طرح ہندوستان اور ایران کا قدیم مذہب بھی ایک ہی تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ میں ان ملکوں میں کچھ مذہبی اختلافات پیدا ہوگئے اس حقیقت کے ثبوت میں دو لفظ باقی رہ گئے ہیں ایک دیو جس کے معنی سنسکرت میں "نورانی مخلوق" کے ہیں اور فارسی میں بھوت پریت کے۔ دوسرا لفظ آسور ہے، جس کے معنی سنسکرت میں دیو کے ہیں اور فارسی میں یہی لفظ دیوتا کے معنی میں آہورا ہوگیا۔

ابتدائی معبود

اہل ایران کا قدیم مذہب مناظر فطرت کی پرستش آباء پرستی اور جادو ٹونا تھا۔ خاص معبود یہ تھے: ۔ پہر (آسمان) خورشید (سورج) ماہ (چاند) ارمائتی (زمین) آتش (آگ) آب (پانی) باد (ہوا) ہیروڈوٹس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ ویں صدی ق۔ م کے وسط میں ایرانی ان معبودوں کو پرستش کرتے تھے۔ اسٹریبو نے بھی ایرانیوں کے آگ و پانی پوجنے کا ذکر کیا ہے سنسکرت میں سورج کی سوریہ کہتے ہیں جو قدیم ایرانی میں جا کر حور ہوگیا اور فارسی میں خور جو خورشید کے معنی میں اب بھی مستعمل ہے۔

مترائیت (MITHRAISM)

فارسی میں سورج کا ایک اور نام بھی ہے، مہر جو مخفف ہے متھرا کا۔ یہ وہی معبود ہے جسے ویدوں میں متر کہا گیا ہے متھرا آوستا میں چنداں اہم معبود نہیں لیکن ایرانی اقتدار کے بڑھنے سے اس کی اہمیت بھی بڑھ گئی۔ چونکہ ایشیائے کوچک میں فارس کی نوآبادیاں تھیں اس لئے اس کی پرستش وہاں بھی رائج ہو گئی اور سکندر کی فتوحات کے بعد اسے مغرب میں بڑھنے کا مزید موقع مل گیا۔ یہ نیا مذہب روم میں پہلی صدی ق۔م میں پہونچا اور بعد کی دو صدیوں میں پوری سلطنت رومہ پر چھا گیا۔ پہلے مانویت کی طرح عیسائی مذہب سے زیادہ اس کی توقیر کی جاتی تھی، لیکن جب عیسائی مذہب نے عروج حاصل کرنا شروع کیا تو پادریوں نے رومی شہنشاہوں کو اسے کچل ڈالنے پر آمادہ کیا اور یہ رفتہ رفتہ غائب ہو گیا تاہم اسکے متعدد عقائد و رسوم عیسائیت میں بھی داخل ہو گئے۔

دین زردشتی

زردشت (ZOROASTER) اپنے ملک کا پہلا پیغمبر تھا جس نے کثرت پرستی کی مذمت کی اور توحید کی تائید کی عام طور سے اسکا زمانہ ۶۶۰-۵۸۳ ق۔م مانا جاتا ہے لیکن بعض عالم ۱۰۰۰ ق۔م ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی زندگی حضرت ابراہیم سے مشابہ تھی (۱) روایت ہے کہ جب مجوسیوں کو اپنے عالم کے زور سے یہ معلوم ہوا کہ وہ رائج الوقت مذہب کی بیخ کنی کرینگے اور انہیں ملک بدر کر دیں گے تو وہ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ زردشت ہنوز بچہ تھے کہ آگ میں ڈال دیا گیا لیکن خدا کی قدرت کہ وہ پرہلاد اور ابراہیم کی طرح محفوظ رہے۔

ایرانی روایات کے مطابق انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی غریبوں کی خدمت میں گزاری بیس سال کی عمر میں وہ ایک پہاڑی میں گوشہ نشین ہو کر غور و فکر میں منہمک ہو گئے اور ۳۰ سال کی عمر میں انہیں عرفان حاصل ہوا۔

انہوں نے عرصہ تک اپنی قوم کو اپنی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا لیکن انکے چچازاد بھائی کے سوا کوئی ان کا شاگرد نہ ہوا وجہ یہ تھی کہ ان کی تعلیمات کا تعلق کسی قوت غیر مرئی سے تھا اور لوگ ایسے معبود چاہتے تھے جنہیں وہ آنکھوں سے دیکھ سکیں

اور ہاتھوں سے چھو سکیں لیپنے بھائی کے کہنے سے وہ شاہ وقت گشتاسپ (یا وستاسپ) سے بلخ میں جا کر ملے اور بادشاہ نے دین زردشتی قبول کر کے ان کے اقوال قلمبند کرائے۔ان کی کتابی صورت کو آویستا کہتے ہیں (۲) ۔جو پیروان زردشت کا قرآن ہے اب زردشت نے شاہ ایران کی مدد سے اپنے مذہب کو توران میں بھی پھیلانا چاہا جس کا نتیجہ ان دو ملکوں کی جنگ کی صورت میں نمودار ہوا۔یہی نہیں بلکہ زردشت کو ایک تورانی سپاہی نے پیٹھ میں خنجر بھونک کر شہید کر دیا۔

زردشت کے مرنے کے ڈھائی سو سال بعد سکندر نے ایران فتح کر لیا (۳۳۰ ق۔م) اور زردشتی مذہب کی جگہ یونانی مذہب پھیلانا چاہا۔اس نے آویستا کے قدیم نسخوں کو بھی جلوا دیا۔یونانی حکومت کا خاتمہ پارتھیا والوں نے کیا لیکن یونانی اور پارتھوی دونوں حکومتوں کے زمانوں میں زردشتی مذہب تنزل کی حالت میں رہا۔

ساسانی حکومت کے زمانے میں البتہ زردشتی مذہب نے عروج حاصل کیا۔اس خاندان کا بانی اردشیر بابکاں (۲۲۶ء ۲۴۰ء) تھا ساسانی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ زردشت کے مذہب کی قومی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔مسلمانوں نے زردشت کے صحیفے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلائے۔پارسیوں کو تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا۔بہت سے لوگوں نے تبدیلی مذہب پر ترک وطن کو ترجیح دی۔اور ایران سے بھاگ نکلے۔ایک روایت کے مطابق پہلے خلیج فارس میں ہرمز کے جزیرے میں ٹھہرے۔وہاں سے گجرات کے ساحل پر پہونچے (نویں صدی) اور پھر سورت سے بمبئی تک پھیل گئے۔آج ایران میں دس ہزار زردشتی ہیں ہندوستان اور پاکستان میں ان کی تعداد ۹۰۰۰۰ ہے یہ پیروان زردشت پارسی کہلاتے ہیں اس لئے کہ وہ پارس یا فارس سے ہجرت کر کے آئے تھے۔

توحید

آویستا کے پانچ حصے ہیں:۔(۱) یاسنا (۲) گاتھا (۳) وسپر (۴) وندیداد (۵) یاشت ان میں سے پہلے دو حصے خاص طور پر اہم ہیں پہلا عبادت یا قربانی سے متعلق ہے اور دوسرا حمد و مناجات ہے۔زردشت کی پانچ گاتھاؤں میں (کل ۱۷ ہیں) خدا کا سب سے قدیم اور سب سے اعلیٰ تخیل پایا جاتا ہے۔ خدا کا نام آہورامازو

(AHURAMAZDA) یا ماژدا آہورا ہے ۔ اس کی مختصر صورت ہرمزد (ORMUZD) ہے آہورا کے معنی "آقا اور ماژدا کے معنی " دانش یا روشنی " کے ہیں گویا وہ "خداوند نور" ہے میرا خیال ہے کہ آہورا کی اصل شکل وہی سورج دیوتا ہے جسے سامی قوم کی ایک شمالی شاخ اشور کہتی تھی چنانچہ ہنجامنشی کتبات میں آہورا کی تصویر بالکل اسی طرح بنائی ہے جیسے آشوری قوم اپنے معبود اشور کی بنائی تھی ۔



زردشت نے فطرت پرستی کی ممانعت کی تھی اور اسکا خدا روحانی تھا یاسنا میں خدا کی جو صفات مرقوم ہیں ان میں سے چند یہ ہیں (۱)

وہ تمام چیزوں کا خالق ہے (۴۵\۱۶)

وہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا ہے (۵۰\۱۱)

اس نے پانی درخت اور کل دوسری چیزوں کو پیدا کیا (۵۱\۷)

وہ انسانی ارواح کا خالق ہے (۳۱\۱۱)

اس کے قبل کچھ بھی نہ تھا (۲۸\۳)

وہ بزرگ ترین ہے (۴۴\۷)

وہ بہترین ہے (۲۶\۸)

وہ غیر متغیر ہے (۳۱\۷)

وہ رحیم ہے (۲۸\۵)

وہ پاکیزہ ترین ہستی ہے (۴۴\۷)

وہ پاکیزگی کا منبع ہے (۴۳\۳)

وہ خود مختار ہے (۴۳\۱)

وہ تمام ہستیوں کا مالک ہے (۲۸\۷)

وہ عاقل ہے (۶\۲۹)
وہ سب کچھ جانتا ہے (۱۹\۲۶)
وہ سب کچھ دیکھتا ہے (۱۳\۳۳)
وہ تمام رازوں کا جاننے والا ہے (۱۳\۳۱)
وہ کل باتوں سے واقف ہے (۵\۳۱)

ثنویت

بایں ہمہ آہورا مازدا قادر مطلق نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا ایک دوسری قوت بھی موجود ہے جو ہر چیز میں اسکی مخالفت کرتی ہے اس متضاد قوت کا نام جو "مبداء شر" ہے انگرا مینیو (ANGRA MAINYU) ہے اور غالباً اسی کی بگڑی ہوئی صورت موجودہ فارسی کا لفظ اہرمن ہے جس کا ضد یزداں (آہورا مازدا) ہے۔ دنیا میں سب اچھی چیزیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں اور دنیا میں جو کچھ برائی ہے وہ اہرمن کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اہرمن کا مقابلہ ہم شیطان سے کر سکتے ہیں شیطان کا تخیل اسلام اور عیسائیت میں یہودی مذہب سے آیا اور خود یہودی مذہب نے اسے ایران سے لیا لیکن شیطان اور اہرمن میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ شیطان کا تخیل شخصی ہے اور اہرمن محض ایک قوت ہے۔

عربی کا مقولہ ہے کہ :۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے" فطرت میں اجتماع ضدین ہر جگہ پایا جاتا ہے اسی لئے زردشت کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا میں دو قوتیں پائی جاتی ہیں ایک نور و نیکی کی اور دوسری تاریکی و بدی، قوت خیر سے یہ امید کرنا کہ " کوئی برا کام انجام دے، ناممکن ہے، اسی طرح قوت شر سے کسی بھلائی کی توقع کرنا عبث ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور باہم نبرد آزما۔

ان دو قوتوں کی جنگ کا تخیل نہایت قدیم ہے غالباً اس کی بنیاد وہی روایت ہے جسے گوید میں اندرا اور ورتر کی جنگ کہا گیا ہے جس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ اندر سے مراد سورج ہے اور ورتر سے بادل جو وقتی طور پر سورج کو چھپا لیتا ہے لیکن پھر ہٹ جاتا ہے۔ ورتر کو ایک طویل سانپ ظاہر کیا جاتا ہے اور سامی روایات میں سانپ کو شیطان سے بڑا تعلق حاصل ہے۔ یہی قصہ مردوک اور قیامت کی جنگ کے عنوان سے

بابلی افسانہ آفرینش عالم میں بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقابلہ ہم مصر میں اوسیریز (خدا وند نور) اور سیت (خداوند ظلمت) کی جنگ سے کر سکتے ہیں اور غالباً لفظ شیطان سیت سے نکلا ہے۔

زردشت نے یہ بھی ظاہر کیا کہ جس طرح خارجی دنیا میں خیر و شر کی جنگ جاری ہے اسی طرح خود انسان کا دل بھی خیر و شر کی جنگ کا میدان بنا ہوا ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ قوت خیر کا ساتھ دے اور قوت شر کا استیصال کرے۔اس نے یہ بھی بتایا کہ یزداں کی پیروی کرنے سے جنت حاصل ہو گی اور اہرمن کا اتباع کرنے سے جہنم میں جانا ہو گا۔یزداں کی پیروی کے تین اصول ہیں نیک خیالات (ہمت) نیک نیک اقوال (ہمنت) افعال (ہورشت) بالآخر خداوند خیر کی جیت ہو گی اور باطل کو شکست ہو گی۔ بالکل یہی بات قرآن میں بتائی گئی ہے۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ زردشتی ثنویت کے قائل ہیں لیکن ثنویت پرست نہیں۔بقول پروفیسر فارنل ہمیں کسی جگہ سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ زردشتی گروہ نے کسی وقت بھی اہرمن کا کسی صورت میں احترام کیا ہو بلکہ ماڑدا پرستوں کے نزدیک اہرمن کی مخالفت اصول مذہب میں داخل ہے۔"

توحید کا زوال

آدیستا کا جو حصہ زردشت کے بعد تصنیف ہوا اس میں خدا کا تخیل زوال پزیر ہے (۱) خدا کی صفات کو مشخص کر کے "سات غیر فانی ہستیاں" (ایشا۔اسپنتا) قرار دی گئیں یہ سات روحیں جن میں سرفہرست خود آہورا ماڑدا کا نام ہے یہ ہیں: ۔۔ دہومنو (بہمن) عقل اول، اشاوہشت (اردی بہشت) راستی، شتھرادریہ (شہریور) ارضی نعمتیں اسپنتا ائیتی (اسفندارند) دینداری، سورواتاد (خرداد) صحت، امرتاد (مرداد) حیات جاوداں۔ انہیں ہفت ملائکہ سے۔یہودیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خداوند کے تخت کے سامنے سات روحیں ہیں (۲) آگ کو اہورداڑدا کا بیٹا مان کر پوجنے لگے۔(۳) ماہ و مہر کی بھی پرستش ہونے لگی۔سورج کو آہوراماڑدا کی آنکھ مانا گیا۔(۴) متھرا کے نام کو آہوراماڑدا کے نام

سے ملا دیا گیا (۵) ایک دیوی کی بھی پوجا ہونے لگی جس کا پورا نام اردوی سورا انا ہتا تھا۔ جس کے معنی ہیں۔ بلند طاقتور اور پاکباز ہستی غالباً یہ پانی کی دیوی تھی مختصراً اسے اناہتا کہتے ہیں اور غالباً یہی لفظ موجودہ فارسی کا ناہید بن گیا جس کے معنی زہرہ ستارہ کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی دیوی تھی جسے شمالی ساحی اقوام الیشتر یا استارتہ کہتی تھیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں اور محافظ ارواح کا بھی عقیدہ تھا ان سب کو (بشمول متھرا اور اناہتا) آہور امازدا کی تخلیق مانا جاتا تھا۔

ہخامنشی دور میں معبود کے تخیل میں مزید زوال ہوا اور نادیدہ خدا کی تصویریں بھی بنائی جانے لگیں۔ آہور امازدا کی یہ تصاویر مثل آشور کے بنائی جاتی تھی۔

دنیا کے ہر مذہب نے خدا کی ایک صفت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ یعنی وہ نور ہے۔ گیتا و آویستا، بائبل، قرآن چاروں اس پر متفق ہیں۔ نور کا مظہر تین چیزیں ہیں۔ آسمان پر آفتاب و ماہتاب اور زمین پر آگ لہذا پیروان زردشت ان تینوں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی نگاہ میں ہر عنصر مقدس ہے اسی لئے وہ اپنے مردوں کو دفن نہیں کرتے کہ اس سے مٹی گندی ہوگی۔ دریا میں نہیں بہاتے کہ پانی نجس ہوگا۔ آگ میں نہیں جلاتے کہ وہ ناپاک ہو جائے گی۔ ان میں یہ رواج ہے کہ لاش کو "مینار خموشاں" میں لے جا کر رکھ دیتے ہیں جسے دخمہ کہتے ہیں اور وہاں گدھ آکر کھاتے جاتے ہیں۔

مانوی مذہب

مانی ایک ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص تھا۔ وہ ۲۱۵ء یا ۲۱۶ء میں موجودہ بغداد کے قریب پیدا ہوا۔ اسے فنون لطیفہ سے بے حد دلچسپی تھا اور نقاشی میں اسے کمال حاصل تھا۔ وہ فلسفی بھی تھا اور علوم فلسفیہ و الہیات میں غور و تدبر کرنے کے بعد اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جس کی تبلیغ اس نے شاپور اول کے عہد سے ۲۴۰ء میں شروع کی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شاپور کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا یا نہیں لیکن اتنا یقینی ہے کہ شاپور کا بھائی پرویز اس کا مربی تھا لیکن ایرانی کاہنوں اور زردشتی مذہب کے

متعداؤں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مانی کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اس نے وسط ایشیاء، چین اور ہندوستان کا سفر کیا اور یہاں کے مذاہب میں بھی بصیرت حاصل کی۔ غالباً سلطنت روما میں اس کا گزر نہ ہوا) پھر وہ ترکستان واپس آیا یہاں اس نے ایک سنسان وادی میں جا کر خلوت اختیار کی اور اسی خلوت کدہ میں اس نے اپنی کتاب ارژنگ یا ارتنگ تیار کی۔ اس میں نہایت اعلیٰ درجے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس کتاب کو لے کر وہ ایران واپس آیا اور اپنے کو صاحب کتاب پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا۔ اب اسے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ شاپور دوم (شاپور اول کے بیٹے) نے اس کی اعانت کی۔ لیکن جب بہرام (شاپور دوم کا بیٹا) بادشاہ ہوا تو آتش پرستوں کے موبدوں اور دستوروں نے اسے اس قدر ابھارا کہ وہ مانی کا دشمن ہو گیا۔ آخر ۲۷۷ء میں وہ گرفتار کر کے بہرام کے سامنے لایا گیا جس نے زندگی میں اس کی کھال کھچوا کر بھس بھروا دیا۔ مانی کا کھال کا یہ پتلا ایک عرصے تک شہر شاپور کے پھاٹک پر رکھا مرقع عبرت بنا رہا

اس ظلم سے خوفزدہ ہو کر مانی کے ماننے والے مشرق کی طرف بھاگ گئے اور دین مانوی کو ایران کے باہر وسط ایشیاء اور چین میں پھیلا دیا۔ تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں مانی کا مذہب مغربی ایشیاء شمالی افریقہ، جنوبی یورپ، گال (فرانس) اور اسپین میں پھیل گیا لیکن ساتویں صدی سے اس کا اثر زائل ہونے لگا اور تیرھویں صدی کے بعد وہ غائب ہو گیا۔

مانی کی تصانیف میں سات کتابیں تھیں۔ چھ سریانی زبان میں اور ایک پہلوی میں۔ آخری کا نام شاپورقان ہے۔ جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ شاپور کے لئے لکھی گئی تھی۔ ۱۹۰۴ء میں فان لی کاق نامی محقق نے طرفان (وسط ایشیا) سے بعض مانوی صحائف برآمد کئے۔ یہ ایک خاص خط میں لکھے ہیں جو اپنے موجد کے نام پر مانوی کہلاتا ہے۔

مانی کا مذہب دین زردشتی، عیسائیت اور بدھ مذہب کا حیرت انگیز مجموعہ تھا اس کا خیال تھا کہ خالق دو ہیں۔ خالق خیر و خالق شر۔ ازلی و ابدی عناصر بھی دو ہیں یعنی

نور و ظلمت جن میں سے ہر ایک پانچ صفات سے متصف ہے یعنی رنگ، ذائقہ، بو، لمس اور صورت ابتداء میں یہ عناصر الگ الگ تھے لیکن بعد میں متصل ہو گئے۔ انہیں کے اتصال سے آفرینش عالم ہوئی۔ ہر شے میں نور کا ظہور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ظلمت کے عناصر بھی دست و گریباں ہیں۔ لہٰذا انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ نور کے اجزاء کو تاریکی کے اجزاء کی قید سے آزاد کرائے۔ اس کے لئے نفس کشی اور عبادت (نماز، روزے) کی ضرورت ہے۔ سانوی حمد کا ایک نمونہ یہ ہے:۔

(۱) ہمارا ہادی، نور کا سفیر مبارک ہے۔ اس کے محافظ فرشتے مبارک ہیں اس کے منور ملائکہ کی مدح ہو۔

(۲) بانی، اے منور ہستی تو قابل ستائش ہے ہمارے ہادی، نور کے چشمے، حیات کی شاخ۔ اے شجر عظیم جو کہ سراپا شفا ہے۔

(۳) میں سر بسجود ہوتا ہوں اور حمد کرتا ہوں کل دیوتاؤں کی، نورانی فرشتوں کی کل تجلیات کی سب ملائکہ کی جن کا منبع خداوند تعالیٰ ہے۔

(۴) میں سر جھکاتا ہوں اور مدح کرتا ہوں گروہ ملائکہ کی اور منور دیوتاؤں کی جنہوں نے اپنی دانش سے تاریکی میں نفوذ کر کے اسے زیر کیا اور رفع کر دیا۔

(۵) میں سجدہ کرتا ہوں اور تمجید کرتا ہوں رب ذوالجلال کی ہستی عظیم اور سراپا نور کی۔

مانی نے سحر وافسوں اور بت پرستی کی سخت ممانعت کی، اہنسا، راستی اور تجرد پر زور دیا۔ اس کا مذہب اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا حامل تھا۔ اس نے انبیاء عبرانی کو اپنے نظام سے خارج کر دیا لیکن حضرت عیسیٰ کو نبی حق مان لیا اور زردشت اور بدھ کو بھی مرسل تسلیم کیا وہ عدم عصبیت کی تلقین کرتا تھا اور یہی وجہ تھی اس کے مذہب کی غیر معمولی کامیابی کی۔

مزدک

خراساں کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد دین

زردشت کی اصلاح قرار دیا تھا۔ اس کی تعلیمات مانی سے ماخوذ تھیں۔ مانی کی طرح اس نے بھی نور و ظلمت کے وجود کو تسلیم کیا۔ روشنی کو علم و دانش کا عامل بتایا اور ظلمت کو جہل کا۔ کائنات کی تخلیق اس کے نزدیک تین عناصر آگ، پانی اور مٹی سے ہوئی تھی دنیا کی تمام اچھی چیزیں ان عناصر کے لطیف اجزاء سے بنی تھیں۔ اور خراب چیزیں کثیف اجزاء سے۔ مزدک کے نزدیک روحانی عالم بھی مثل اسی دنیا کے ہے۔ آسمان پر دونوں جہان کا حکمراں تخت نشین ہے۔ اس کے سامنے چار قوتیں ہیں:۔ ادراک، عقل حافظہ اور انبساط۔ یہ چار قوتیں سات وزیروں کے ذریعہ سے دنیا کا نظم و نسق کرتی ہیں۔ ان وزراء میں سے صرف چھ کے نام بتائے گئے ہیں یعنی:۔ سالار، پیشکار، بلوان (یا بروان) کارواں دستور اور کودک۔ یہ سات بر بارہ ملائکہ کے ذریعہ عمل کرتے ہیں:۔

خوانندہ (پکارنے والا)

دہندہ (دینے والا)

ستانندہ (لینے والا)

بارندہ (اٹھانے والا)

خورندہ (کھانے والا)

دوندہ (دوڑنے والا)

خیزندہ (اٹھنے والا)

کشندہ (ہلاک کرنے والا)

زنندہ (مارنے والا)

کنندہ (کھودنے والا)

آئندہ (آنے والا)

شوندہ (ہونے والا)

عربی مؤرخ شہرستانی نے ایک تیرہویں پایندہ (قائم رہنے والا) کا بھی ذکر کیا ہے۔

مزدک کے نزدیک دنیا میں تمام جھگڑوں کی بنیاد ملکیت کا جذبہ ہے۔ اگر زر،

زمین اور زن پر سے شخصی تصرف ہٹا دیا جائے تو ساری کدورتیں دور ہو جائیں اور فسادات سے پاک ہو کر یہ دنیا جنت بن جائے۔ اسی لئے اس نے مساوات اور اشتراک کی تعلیم دی اس نے بتایا کہ تمام انسانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ ہر چیز سے یکساں مستفید ہوں عورتوں کے معاملے میں بھی اشتراک کے اصول کو برتنا چاہیے کسی عورت کو اپنے لئے مخصوص کرنا سخت ناانصافی ہے۔ ہر عورت سے ہر مرد یکساں متمتع ہو سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے آگ، پانی یا ہوا سے! اس کے ساتھ ہی اس نے لباس میں سادگی اختیار کرنے اور جانوروں کا گوشت نہ کھانے کی تاکید کی اس نے یہ تجویزیں بالکل بے غرض ہو کر پیش کی تھیں۔ لہٰذا ہر خیال کے لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے اور روز بروز اس کے تابعین کی تعداد بڑھتی گئی حتیٰ کہ شاہ وقت قباد بھی دل سے اس کا معتقد ہو گیا اور کھلم کھلا اس کی حمایت کرنے لگا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماجی نظام میں خلل پڑ گیا۔ قانون کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور سلطنت کی بنیاد ہل گئیں۔ امرائے ایران نے اس کا تدارک کرنے کے لئے شاہ قباد کو تخت پر سے ہٹا کر اس کے بھائی زماسپ کو بادشاہ بنایا۔ لیکن قباد قید سے بھاگ نکلا اور ایک پڑوسی حکومت کی امداد سے پھر تخت ایران پر قابض ہو گیا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا لہٰذا اس نے یہ اعلان کیا کہ اگرچہ وہ نظری طور پر مزدک سے متفق ہے لیکن بادشاہ ہونے کے باعث اس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے قاصر ہے کہ اس سے سلطنت کے استحکام کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہے اس طرح ملک میں جو بدامنی پھیل گئی تھی دور ہو گئی۔

قباد کے چار بیٹوں میں سے تین مزدک کی اشتراکیت کے خلاف تھے خصوصاً خسرو (جو نوشیرواں عادل کے نام سے مشہور ہے) کہا جاتا ہے کہ مزدک نے قباد سے خسرو کی ماں کو طلب کیا تھا اور خسرو نے بڑی مشکل سے اپنی ماں کو ذلت سے بچایا تھا۔ اس لئے جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے ۵۳۱ء میں مزدک کو معہ اس کے ایک لاکھ تابعین کے قتل کرا دیا۔

۱۔ منقول از "پارسی اہل کتاب ہیں" مترجمہ سید وجاہت حسین نگار جولائی ۱۹۳۵ء

یہودی مذہب

مختصر تاریخ

دوسری سامی اقوام کی طرح عبرانی قوم کا وطن بھی عرب تھا تقریباً ۱۷۵۰ق۔م سے یہ لوگ کنعان میں آباد ہونا شروع ہوئے۔ اور مختلف اوقات میں مختلف اطراف سے قبیلوں کی صورت میں آکر ۱۲۰۰ق۔م تک وہ کنعان و فلسطین میں پوری طرح آباد ہو گئے۔

یہودی روایت یہ ہے کہ انہیں حضرت ابراہیم، کلدانیوں کے پایہ حکومت ار سے نکال کر لائے تھے پہلے فلسطین میں ٹھہرے پھر مصر چلے گئے جہاں انہیں غلام بنا لیا گیا۔ آخر کار حضرت موسیٰ نے انہیں اس غلامی سے نجات دلوائی اور موسیٰ دیشوع کی سرکردگی میں تقریباً ۱۳۰۰ق۔م میں مصر چھوڑ کر کنعان آگئے۔

عبرانی قوم سے تقریباً ۱۰۰۰ سال پہلے سے کنعان میں ایک دوسری سامی النسل قوم آباد تھی جسے کنعانی کہتے ہیں۔ یہ عبرانیوں سے کہیں زیادہ متمدن تھے۔ ان کا اپنا مذہب تھا، اپنی حکومت تھی اور یروشلم ان کا دارالحکومت تھا عبرانی بہت جلد کنعانیوں میں گھل مل گئے اور ان کی تہذیب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔

فلسطین میں ایک دوسری قوم بھی آباد تھی جو فلسطینی کہلاتی تھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ کریٹ سے ہجرت کر کے آئے تھے فلسطینی فتوحات نے یہودیوں کو متحد کر دیا اور ۱۰۰۰ق۔م انہوں نے حضرت صالح کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا ان کے دوسرے بادشاہ داؤد نے یروشلم کو کنعانیوں سے چھین لیا جو اس دن سے آج تک فلسطین کا دارالسلطنت رہا ہے

حضرت سلیمان نے جو داؤد کے بیٹے تھے یروشلم کا ہیکل بنوایا اور اس کی تعمیر کو پورا کرنے کے لئے بھاری ٹیکس لگائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا سلیمان کے بیٹے رہبوبوم (۹۳۰ ق۔م) کے زمانہ میں دس شمالی قبیلوں نے اپنی ایک علیحدہ ریاست قائم کر لی جو حکومت اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی ان کا دارالحکومت سماریہ تھا۔ دو جنوبی قبیلوں نے یہودا (۱) کی ریاست بنائی جس کا دارالحکومت یروشلم برقرار رہا۔

۸۵۰ ق۔م میں فرعون مصر شیشاک نے ہیکل سلیمانی کو لوٹا اور ۷۲۲ ق۔م میں اسرائیل کی زرخیزی اور دولت کی فراوانی نے آشوری حکمراں سادرگون کو حملہ کرنے پر اکسایا وہ اسکے کل باشندوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور پھر یہ پتہ نہ چلا کہ اسرائیل کے دس قبیلے کہاں گئے۔ وہ اور ان کی حکومت صفحہ تاریخ سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئی۔

اسرائیل کے بعد یہودا کی باری آئی ۵۸۶ ق۔م کلدانی حکمراں تخت نصر نے حملہ کیا اور یروشلم کو مسمار کر کے وہاں کے باشندوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔ ۵۳۹ ق م ایرانی بادشاہ سائرس (CYRUS) نے بابل پر قبضہ کر کے کلدانی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور یہودیوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد سے یہ قوم کبھی تو ایرانیوں کی ماتحت رہی اور کبھی یونانیوں کی حتیٰ کہ ۷۰ء میں یروشلم کو رومی حکمراں ٹیٹس (TITUS) نے مسمار کر کے یہودی ریاست کا خاتمہ کر دیا تب سے یہودیوں کو ابھرنے کا موقع نہ ملا بہرحال وہ زندہ ہیں اور اپنے مذہب پر قائم ہیں۔

یہودیوں کے مذہب کے بارے میں ہمارے علم کا خاص ذریعہ بائبل ہے جس کے دو حصے ہیں:۔ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید آخری حصہ حضرت عیسیٰ سے متعلق ہے اس لئے عیسائیوں کے نزدیک پہلے حصہ سے زیادہ اہم ہے جو یہودیوں کی تاریخ اور مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔

یہودی مذہب کی تاریخ کو آسانی کے لئے دو زمانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلا دور حضرت موسیٰ کے زمانے (۱۳۰۰ ق۔م) سے لے کر ایلیا نبی (۸۵۰ ق۔م) تک دوسرا اس کے بعد سے حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک۔

خالص توحید کا تصور پیدا ہونے سے پہلے یہودی کثرت پرست تھے اور یہ حالت
عزقیاہ کے زمانہ تک برقرار رہی، چھٹی صدی عیسوی میں یرمیاہ پیغمبر نے کہا کہ "اے
یہودا! جتنے تیرے شہر ہیں اتنے ہی تیرے معبود ہیں۔"

خاندانی معبود

بزرگوں کے چھوٹے یا بڑے مجسمے ہر گھر میں موجود رہتے جنہیں ترافیم کہتے تھے
بسا اوقات یہ قد آدم بڑے ہوتے ایسا ایک بت حضرت داؤد کی بیوی بنت حضرت صالح
میکل کے پاس تھا (اسموئیل ۱۳\ ۱۹) ۔ان بتوں کا تعلق آباء پرستی سے تھا اس کی تائید
پیدائش کے باب میں ۳۱ سے ہوتی ہے ۔جب یعقوب، لابن کے یہاں سے بھاگے تو ان
کی بیوی راخل نے اپنے باپ کے بتوں کو چرالیا۔لابن نے ان کا تعاقب کیا اور جالیا وہ
یعقوب سے ناراض ہو کر پوچھتا ہے کہ "کس واسطے تو میرے معبودوں کو چرالایا ہے؟"
میکاہ نامی ایک شخص کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ اس نے اپنے ترافیم کے بت
بنوائے اور اپنے بیٹوں میں سے ایک کو خاندانی کاہن مقرر کیا۔ (قاضیوں باب ۔ ۱۷)
ہوسیع نے انہیں کاٹھ کے پتلے کہا ہے (باب ۴ آیت ۱۲) اور زکریا نے انہیں ایسے بت
کہا ہے جو لوگوں سے جھوٹ بولتے ہیں (زکریاہ باب ۱۰ آیت ۲)

بائبل کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترافیم ہر گھر میں بڑی احترام وعزت کے
ساتھ رکھے جاتے تھے ۔ مخصوص موقعوں پر انہیں قربانیاں دی جاتی تھیں اور ہر مشکل
یا تذبذب کی حالت میں ان سے گھر کے پروہت کے ذریعہ مشورہ کیا جاتا تھا (خرقی ایل
باب ۲۱ آیت ۲۱، ہوسیع باب ۳، آیت ۱۴) اگر ہم کل اشارات کو یکجا کر کے ترافیم کا مقابلہ
دوسرے مذاہب کے گھریلو دیوتاؤں سے کریں تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ ان کا تعلق
آباء پرستی (ANCESTOR - WORSHIP) سے تھا۔

ایک دوسرے قسم کے بت بھی یہودیوں میں پائے جاتے تھے جنہیں انود کہتے
تھے ۔ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کے بت تھے ۔بہر حال ان سے مشورہ کیا جاتا
تھا (اسموئیل باب ۳۰ آیات ۷-۸)

غیر ملکی معبود

ان میں بعل اور مولک خاص تھے۔ اہل کنعان میں ان کی پرستش فنیقیوں سے آئی اور جب کنعانیوں کو بنی اسرائیل سے شکست دی اور ان کے ملک پر قابض ہو گئے تو ان معبودوں کی بھی پرستش کرنے لگے۔

بعل، فنیقیوں کا معبود اور زرخیزی و بارآوری کا دیوتا تھا اس لفظ کے معنی "آقا" یا "مخدوم" کے ہیں۔ ہر جگہ کے الگ الگ بعل تھے۔ مثلاً شہر صور کا بعل ہیکارت تھا۔ عستاریت بائبلس کی بعلت تھی۔ ایک لبنان کا بعل تھا، ایک کوہ حرمون کا (قاضیون ۳\۳) ایک کوہ فغور کا (گنتی ۳\۲۵) وغیرہ وغیرہ بعض مقامات نے بعلم (جمع بعل) کے ناموں کو محفوظ رکھا ہے جیسے بعل تمر یعنی "کھجوروں کا آقا" (قاضیون ۳۳\۲۰) بعل بریت (قاضیون ۳۳\۸) بعل معون (خرقی ایل ۹\۲۵) بعل صفون (خروج ۲\۱۴) وغیرہ وغیرہ۔

مولک، اکادوالوں کا آگ کا دیوتا تھا جو آشوری قوم میں کسی قدر رانو میں جذب ہو گیا اور کس قدر آور میں۔ بعد میں اس کی پرستش کو فنیقیوں، موآبیوں، بنی عمون اور ان کی قرابت دار دیگر اقوام نے اختیار کر لیا اسی سلسلے میں مولک پرستی یہودیوں میں آئی۔

عبرانی میں مولک کے معنی "بادشاہ" ہیں (عربی ملک) اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ شروع میں یہ کسی خاص معبود کا نام نہ تھا بلکہ لقب تھا۔ بہر حال اس کا سر بیل اور جسم انسان کا بنایا جاتا تھا۔ عہد نامہ قدیم میں یہودیوں کو جا بجا منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مولک کے لئے آگ میں نہ گزرائیں (احبار ۲۱\ ۱۸، ۲، ۳، ۴\ ۲۰، یرمیاہ ۳۵\ ۳۲، ۱ سلاطین ۷\ ۱۱، ۲ سلاطین ۲\ ۲۳) بعد میں یہ خوفناک دیوتا یہودا میں جذب ہو گیا اور اسے بھی انسانی قربانیاں پیش کی جانے لگیں۔

شجر پرستی

یہودیوں کی قربان گاہ کے نزدیک ایک بلی یا مخروطی چوب نصب ہوتی تھی جسے اشیرا (ASHERA) کہتے تھے اس کی پرستش یہودیوں میں فنیقیوں سے آئی ۔ استثناء میں ارشاد ہوتا ہے کہ "تو یہوداکی قربان گاہ کے نزدیک کسی قسم کی لکڑی کا اشیرا نہ لگائیو نہ اپنے لئے کسی قسم کی مورت بنائیو کہ اس سے خداوند تیرا نفرت رکھتا ہے " (استثناء باب ۱۶، آیت ۲۱) خرقیاہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ "اس نے اونچے مکانوں کو ڈھادیا اور ستونوں کو توڑا اور اشیرا کو کاٹ ڈالا" (۲ سلاطین باب ۱۸، آیت ۱۴ ۔ اشیرہ کا ترجمہ "کنج باغ" کیا جاتا ہے جو غلط ہے اشیرا اور اصل لکڑی کا ایک مخروطی کھمبا ہوا کرتا تھا جو شجر مقدس کی مرموز علامت تھا ۔

حیوان پرستی

بنی اسرائیل بعض جانوروں کو بھی پوجتے تھے جن میں بیل اور سانپ خاص تھے ۔

(۱) بیل ۔ دان اور بیت ایل میں ایک نوجوان بیل دیوتا کی طرح پوجا جاتا تھا ۔ خروج میں اسرائیلیوں کا ایک "سنہرا بچھڑا" بنا کر پوجنے کا ذکر ہے ۔ ۸ ویں صدی کے پیغمبروں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیل پوجنے والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ یہوداہ کی پرستش کر رہے ہیں ۔ چنانچہ (KUENEN) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "بچھڑے کی پرستش دراصل یہوداہ کی پرستش تھی" برخلاف اس کے (GRANTALLEN) کا کہنا ہے کہ جس دیوتا کی شکل میں پوجا کی جاتی تھی وہ یہوداہ سے الگ تھا (۲) اور بعد ازاں یہوداہ میں ضم ہو گیا ۔ بیل قدرت کی تخلیقی قوتوں کا مظہر تھا اور یہوداہ زرخیزی و بارآوری کا دیوتا تھا لہذا دونوں کا تعلق استوار ہو جانا یقینی تھا ۔ یروشلم کے ہیکل میں بھی بیل کے مجسمے داخل کر لئے گئے " پیتل کا بحر " بارہ بیل کے پتوں پر قائم تھا ۔ علاوہ ازیں قربان گاہ میں چار سینگ نصب تھے ۔

(۲) سانپ ۔ ایک دوسرا حیوانی معبود جس کی یہودیوں نے پرستش کی " پیتل کا سانپ " تھا گنی باب ۲۱ میں حضرت موسیٰ کو اس کا موجد بتایا گیا ۔ اس سانپ کی پوجا خرقیاہ کے زمانہ تک جاری رہی حتیٰ کہ "اس نے پیتل کے سانپ کو جو موسیٰ نے بنایا تھا توڑ کے چکنا چور کیا کیونکہ بنی اسرائیل ان دنوں تک اس کے آگے خوشبو جلاتے تھے

(۲ سلاطین باب ۱۸ آیت ۴) خرقیاہ کے زمانہ تک یہوداہ کی پرستش میں کافی "وحدانیت" پیدا ہو گئی تھی لہٰذا اس بت کا توڑنا ضروری معلوم ہوا۔ غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سانپ کو اہل مصر بہت مقدس مانتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ یہودیوں میں یہ افعی پرستی مصر سے آئی۔

قومی معبود

بائبل میں خدا کے لئے دو نام استعمال کئے گئے ہیں ایک تو الوہم اور دوسرے یہوداہ۔

الوہم ۔ عہد نامہ قدیم کے انگریزی ایڈیشنوں میں اس کا ترجمہ خدا کیا گیا ہے لیکن اس کے معنی شروع میں تھے "وہ جس سے ڈرا جائے" اور یہ نام ان غیر مرئی قوتوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو انسان کے دل میں خوف پیدا کرتی ہیں مثلاً اسموئیل باب ۲۸ آیت ۱۳ میں ہم پڑھتے ہیں کہ عین دور کی جادوگرنی نے "معبودوں الوہم کو دیکھا کہ زمین سے اوپر کو چڑھتے ہیں" یہاں پر الوہم سے مراد غالباً روحیں ہیں لیکن عام طور پر یہ لفظ قبیلوں کے دیوتاؤں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا کموش ، واگن ، بعل اور یہودا سب کو ہی الوہم کہتے تھے۔

جب بنی اسرائیل نے دوسرے قبیلوں پر فتح پائی تو ان کا قبلائی معبود مفتوح قبیلوں کا سردار (خداوند) ہو گیا اور یہودی پیغمبر یہوداہ کو دوسرے قبیلوں کے الوہم سے بڑا ماننے لگے۔

یہوداہ ۔ دراصل یہوداہ ہی بنی اسرائیل کا خاص معبود تھا لیکن یہوداہ سے پہلے یہودی خدا کو ال شدوائی کہتے تھے جس کے معنی ہیں : میرا عفریت " MY DEMON) اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی خوفناک قسم کا دیوتا تھا اور بالکل ممکن ہے کہ اس کی بعض خصوصیات یہوداہ میں ضم ہو گئی ہوں ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے خدا کو بجائے ال شدوائی کے یہوداہ کہنے لگے۔

یہوداہ کے معنی میں اختلاف ہے ۔ ایک معنی ہیں "وہ جو نفسانی محبت کو ہیجان

میں لاتا ہے" اور یہ معنی ان عالموں کی موافقت میں ہیں جن کے مطابق یہوواہ پہلے زرخیزی و بارآوری کا دیوتا تھا۔ برخلاف اس کے ڈاکٹر اسپائیگل (Dr.SPIEGEL) کا خیال ہے کہ لفظ یہوواہ کے وہی معنی ہیں جو آہورا کے ہیں ۔ ان دونوں کا مادہ لفظ آہ (سنسکرت "اس") ہے جس کے معنی "ہونے" کے ہیں ۔ اس لئے آہورا اور یہوواہ دونوں کے معنی ہیں "وہ جو ہے" چنانچہ خدا نے موسیٰ سے کہا:۔ "میں وہ ہوں جو میں ہوں اور اس نے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ وہ جو ہے اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے" (خروج باب ۳، آیت ۱۴)

خدا کا یہی نام زند آویستا میں پایا جاتا ہے ۔ ہورمزد یاشت میں آہورا ماژدا نے اپنے بیس نام گنائے ہیں ان میں سے پہلا ہے اہی (سنسکرت اسی) "میں ہوں" "آخری ہے اہی یداہی" (سنسکرت اسی یداسی) میں وہ ہوں جو میں ہوں" گویا اس نظریے کے مطابق لفظ یہوواہ فارسی الاصل ہے اور غالباً بابل میں یہ زمانہ اسیری یہودی خدا کے اس نام سے واقف ہوئے ۔

یہوواہ یہودیوں کا خاص معبود تھا اور دیگر اقوام کے معبودوں کی طرح انسانی صورت اور انسانی صفات کا حامل تھا ۔ چنانچہ عہد نامہ قدیم میں یہوواہ کا باغ عدن میں آدم کے ساتھ چلنے اور بات کرنے کا ذکر ہے "اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز سنی جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا اور آدم اور اس کی بیوی نے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا" (پیدائش باب ۳، آیت ۸)

انسانی صورت ، انسانی صفات اور انسانی شخصیت کا حامل یہی یہوواہ ، عیسائی توحید پرستوں کا بھی خدا ہے ، اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شروع میں یہوواہ کیا تھا اور اس کے تخیل میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں ۔

گرانٹ ایلن کی رائے میں یہوواہ پہلے زرخیزی (بارآوری) کا دیوتا تھا انہوں نے اپنے دعوے کی تائید میں بائبل کی متعدد آیات پیش کی ہیں مثلاً :۔ یہ قومی دیوتا حاران میں ابراہام کو نظر آیا اور کہا کہ وہ اسے ایک "بڑی قوم" بنائے گا (پیدائش باب ۱۲ آیت ۲ بعد میں ابراہام نے یہوواہ سے اپنے بے اولاد ہونے کا شکوہ کیا (باب ۱۵ آیت ۲) "تب

یہوداہ اس کو باہر لے گیا اور کہا اب تو آسمانوں کی طرف نگاہ کر اور ستاروں کو گن اگر تو انہیں گن سکے تیری اولاد ایسی ہی ہو گی" (باب ۱۵ آیت ۶) ان کے علاوہ بائبل میں اور بہت سی آیات پائی جاتی ہیں جن سے گرانٹ ایلن کی تصدیق ہوتی ہے۔

دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی اسی طرح کے بعض تولید و بارآوری کے دیوتا پائے جاتے ہیں۔ یہ دیوتا عموماً ایک سنگی ستون کی صورت میں ہوتے ہیں۔

بائبل کے متعدد بیانات سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً:۔

"اور یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس
نے اپنا تکیہ کیا تھا لیکے ستون کھڑا کیا اور اس کے
سرے پر تیال ڈالا اور اس مقام کا نام بیت ایل رکھا
(پیدائش باب ۲۸ آیات ۱۸-۱۹)

ہندوستان میں لنگ پوجا بھی اسی قبیل کی چیز ہے۔

گرانٹ ایلن کا خیال ہے کہ چکنے پتھر قدیم سامی قوم کے فیٹش تھے جن پر ایک نہایت ہی قدیم رسم کے مطابق تیل لگایا جاتا تھا یعقوب نے بھی ایک ایسے ہی پتھر کی پرستش کی تھی۔ ایسے پتھروں کو بیت ایل یعنی "خدا کا گھر" سمجھا جاتا تھا۔

ستون پرستی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہوئے تو یہوداہ ان کے آگے دن کو ایک بادل کے ستون اور رات کو آگ کے ستون کی صورت میں رہنمائی کرتا تھا (خروج باب ۱۴)

ہندوستان میں اکثر مہادیو جی کی مورتیاں گول پتھروں کی صورت میں بعض مقدس درختوں (پیپل، برگد وغیرہ) کے نیچے رکھی رہتی ہیں۔ یہودیوں کے مقدس پتھر بھی بعض درختوں کے نیچے پائے جاتے تھے جن میں سے چند کا نیچے ذکر کیا جاتا ہے۔

سکم کے نزدیک شاہ بلوط کا ایک درخت تھا جسے "پیغمبروں کا بلوط" یا "کاہنوں کا بلوط" کہتے تھے۔ اس کے پاس ایک پتھر تھا جسے کبھی حضرت ابراہیم کی قربان گاہ بتایا گیا ہے اور کبھی حضرت یعقوب کی اور کبھی یشوع کی یادگار کہا ہے۔ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس پر اکثر قربانیاں چڑھاتے تھے اور اس سے مشورہ بھی کیا

جاتا تھا (پیدائش ۶\ ۱۲، ۴\ ۳۵ یشوع ۲۶\ ۲۴، قاضیوں ۶\ ۹)

جرون کے نزدیک "ممرے کا بلوط" تھا جس کے نیچے ایک مقدس پتھر تھا اسے حضرت ابراہیم کی قربان گاہ بتایا جاتا تھا (پیدائش ۱۸\ ۱۳،۱\ ۱۸) اس پر حضرت داؤد کے زمانہ میں بھی قربانیاں کی جاتی تھیں۔

سر سبع میں ایک تیسرا درخت تھا جسے حضرت ابراہیم نے لگایا تھا (پیدائش ۲۳\ ۲۱) اس کے نیچے ایک قربان گاہ یا پتھر تھا جو اسحق سے منسوب تھا۔

بیت ایل کے مقدس پتھر کے علاوہ حضرت یعقوب نے کئی اور پتھر بھی نصب کئے تھے۔ ایک جگہ درج ہے کہ "یعقوب نے ایک پتھر لے کر ستون کھڑا کیا اور یعقوب نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ پتھر جمع کرو، انہوں نے پتھر جمع کر کے ایک تودہ بنا لیا اور انہوں نے وہاں اس تودہ پر کھانا کھایا" (پیدائش باب ۳۱۔ آیات ۴۵۔۴۶) سنگ پرستی کی ایسی بہت سی مثالیں قدیم عبرانی صحایف میں موجود ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مقدس پتھر جب شرق یردن میں پائے جاتے ہیں تو فلسطین میں کیوں نہیں پائے جاتے؟ اس باب میں کونڈر کا خیال ہے کہ جب خرقیاہ اور یشوع کے زمانہ میں خالص یہوداہ پرستی شروع ہوئی تو یہوداہ کے پرستاروں نے "بت پرستی" کے تمام نشانات کو مٹا دیا۔

خداوند کا صندوق

یہوداہ شروع میں محض ایک لنگ تھا جو ایک صندوق میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ بعد میں اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی اور "یہوداہ کے صندوق" کو "یہوداہ کے عہد کا صندوق" کہا جانے لگا اگرچہ بائبل میں یہ بتایا گیا ہے کہ:۔ "صندوق میں کچھ نہ تھا سوائے پتھر کی ان دو روحوں کے جنہیں موسیٰ نے بہ مقام حورب اس میں رکھا تھا جب کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے ان کے سرزمین مصر سے نکلتے وقت عہد باندھا تھا" (تواریخ باب ۸ آیت ۹) لیکن گرنٹ ایلن کا خیال ہے کہ یہ پتھر دراصل لنگ تھا جس پر بعض نقوش بنے تھے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ایک کتبہ ہے قاضیون۔ سموئیل

اور سلاطین پائی جانے والی روایات سے ظاہر ہے کہ اس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہوداہ خود صندوق میں رہتا ہے جسے وہ سفر و حضر میں ساتھ لئے پھرتے تھے اور اس کے سامنے ناچنا گانا یہوداہ کے سامنے ناچنے گانے کا مصداق تھا۔

اس صندوق کو جنگ کے وقت لشکر کے سامنے لے جاتے تھے مثلاً ابن عزر میں فلسطینیوں سے جو بڑی جنگ ہوئی اس میں یہوداہ کا صندوق اٹھا کر لے جایا گیا (اسموئیل باب ۴) اور جب انہوں نے اس صندوق پر قبضہ کر لیا تو ان کا معبود (جون واگن) اس کے سامنے منہ کے بل گر پڑا اور وہ خود بواسیر میں مبتلا ہو گئے (اسموئیل باب ۵) جب فلسطینیوں نے وہ مقدس صندوق واپس کر دیا تو وہ کچھ عرصہ تک قریت یعریم میں رہا اور جب داؤد نے یروشلم کو فتح کیا تو صندوق کو ایک نئی گاڑی پر لادا گیا اور داؤد خداوند کے آگے اپنے سارے بل سے ناچتے ناچتے چلا گیا (اسموئیل باب ۶ آیت ۱۴)

انسانی قربانیاں

بعض علماء یہود نے مذہب کے اس پہلو کو چھپانا چاہا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہوداہ صرف انسانی قربانیوں سے خوش ہوتا تھا بلکہ خاص طور پر پہلی اولاد کی بھینٹ چاہتا تھا۔ چند بیانات ملاحظہ ہوں:۔

"سموئیل نے اجاج کو خداوند کے آگے ٹکڑے ٹکڑے کیا" (اسموئیل باب ۱۵۔ آیت ۳۳) اور افتاح نے اپنی اکلوتی لڑکی کو جو کنواری بھی تھی یہوداہ کے حضور میں قربان کیا کیونکہ اس نے منت مانی تھی کہ "میں بنی عمون کی طرف سے سلامتی کے ساتھ پھروں گا تو جو کوئی میرے گھر کے دروازے سے پہلے میرے استقبال کو نکلے گا وہ خداوند کا ہوگا اور میں اس کی سوختنی قربانی گزاروں گا (قاضیوں باب ۱۱ آیت ۳۱ جب ابراہام نے اپنے بیٹے کو چھری سے ذبح کرنا چاہا تو یہوداہ نے اسے روک دیا کیونکہ وہ ان کی نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کی ریت کی مانند بڑھانا چاہتا تھا (پیدائش باب ۲۲۔ آیت ۱۔۱۷) داؤد نے یہوداہ

کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ساؤل (صالح) کے دو بیٹوں اور پانچ نواسوں کی قربانیاں کیں (اسموئیل باب ۲۱۔آیت ۹)۔

ختنہ

گرانٹ ایلن کا خیال ہے کہ انسانی قربانیوں کی جگہ بعد میں ختنہ کی رسم نے لے لی۔بائبل میں اسے حضرت ابراہیم سے منسوب کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:۔

"یہ میرا عہد ہے جو میرے اور تمہارے اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اسے تم یاد رکھو تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے" (پیدائش باب ۱۷۔آیات ۱۰۔۱۴)

سورج دیوتا

یہوداہ کے تصور میں بعد کو متعدد تبدیلیاں ہوئیں چنانچہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب سورج دیوتا یہوداہ میں ضم ہو گیا۔مثلاً بائبل میں یہوداہ کی سواری کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ ایک رتھ میں چلتا تھا جس میں کروبی جتے ہوتے تھے (زبور باب ۱۸۔آیت ۱۰) خرقی ایل باب ۱۔آیت ۲۰) اس سماوی رتھ میں سفر کرتے وقت یہوداہ کروبیوں کے پھیلے ہوئے پروں کے سایہ میں رہتا تھا۔اس وقت ان کے پروں سے جلتے ہوئے انگاروں اور چراغوں کی طرح روشنی پھیلتی تھی۔حرکت کرتے وقت رتھ سے آگ اور بجلی نکلتی تھی (خرقی ایل باب۔آیات ۱۳۔۱۴)

کروبی ایک خراقیاتی حیوان تھا۔بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے ایک الگ معبود تھا جس کا شیروں اور بیلوں سے کچھ تعلق تھا (اسلاطین باب ۷۔آیت ۲۹) بعد میں ان دو جانوروں میں عقاب اور انسان کا اضافہ کرکے ایک چار حیوانوں سے مرکب تیار ہوا لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ یہ چاروں حیوان مختلف ممالک میں آفتاب کی علامت تھے۔یہوداہ کی گرد شعاعوں کا ہالہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کروبی کا سوار خود سورج دیوتا تھا۔

اسی سلسلے میں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مصر میں مخروطی مینار (OBELISK) کو پہلے لنگ یعنی تخلیقی قوت کا مظہر مانا جاتا تھا بعد میں اسے شعاع آفتاب کی علامت مانا گیا۔ اسی طرح یہوداہ میں جو پہلے محض پتھر کا لنگ تھا، آفتابی خصوصیات پیدا ہو گئیں۔

یہودی مذہب میں اکادی قوم یا کلدانیہ والوں کے اثر سے انجم پرستی کے بھی بعض عناصر شامل ہو گئے۔ جیسے کیوان (زحل) کی پرستش زحل کو منحوس خیال کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا تھا کہ جو کام سنیچر کو شروع ہو گا وہ پورا نہ ہو گا اسی لئے یہودیوں نے سنیچر کو کسی قسم کا کام کرنا ہی بند کر دیا۔ بعد میں تخیل یہوداہ کی پرستش میں داخل ہو گیا اور بتایا گیا کہ چونکہ خدا نے چھ دن میں دنیا بنائی اور ساتویں دن آرام کیا اسی لئے ساتواں دن جسے سبت کہتے ہیں آرام کا دن ہے۔

اس انجم پرستی کی کچھ اور بھی کڑیاں ہیں جیسے قمری مہینہ کا سات دن کے چار ہفتوں میں تقسیم کیا جانا اور ہر دن کا ایک سیارے سے تعلق ظاہر کرنا۔ عموس کے مطابق کیوان کی پرستش بت کے طور پر کی جاتی تھی (عموس باب ۵۔ آیات ۲۶۔ ۲۷)

بجلی اور آگ کا خدا

اسی سلسلہ میں یہوداہ کا تعلق بجلی اور آگ سے بھی ہو گیا ایک ارضی ہے اور دوسرے سماوی۔ جنگل کی آگ اور کوہ آتش فشاں اس کے ارضی مظاہر تھے۔ آخر الذکر سے یہوداہ کا خاص تعلق نظر آتا ہے۔ خروج باب ۱۹ کی آیتیں ملاحظہ ہوں:۔

> "اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ دیکھ میں اندھیری بدلی میں تجھ پاس آتا ہوں تاکہ لوگ جب میں تجھ سے باتیں کروں، سنیں اور ابد تک تیرے معتقد رہیں اور موسیٰ نے لوگوں کی باتیں خداوند سے کہیں (آیت ۹) اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا اڈی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سارے لوگ ڈیروں میں کانپ گئے (آیت ۱۶) اور سب کوہ سینا پر زیرو

بالا دھواں تھا۔ کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کر اس پر اترا اور تنور کا سا دھواں اس پر سے اٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا (آیت ۱۸)"

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور خداوند کا جلال بنی اسرائیل کی نظر میں پہاڑ کی چوٹی پر دھکتی آگ کی مانند دکھائی دیتا تھا" (خروج باب ۲۴۔آیت ۱۷)

اسی طرح یہوداہ کا جلال کبھی تو "آگ کے شعلے" میں ایک جھاڑی پر ظاہر ہوتا ہے (خروج باب ۳ آیت ۲) اور کبھی وہ رات کو بنی اسرائیل کے سامنے "آگ کے ستون کی صورت میں چلتا ہے تاکہ رہنمائی کرے (خروج باب ۱۳۔آیت ۲۲)

توحید کا ارتقاء

ہر مذہب میں یہ خاص بات پائی جاتی ہے کہ تمام دیوی دیوتاؤں میں ایک کا مرتبہ زیادہ بلند ہوتا ہے مثلاً یونانیوں میں زیوس (ZEUS) رومیوں میں جوپیٹر (JUPITER) اسی طرح بنی اسرائیل میں ایک زمانہ سے یہوداہ اور مختلف مقامات کے بعلیم میں تفوق کے لئے جنگ جاری تھی یہاں تک کہ بالآخر یہوداہ ہی بنی اسرائیل کا واحد معبود بن گیا۔ وہ یہودیوں کا مخصوص خدا تھا اور وہ اس کی منتخب قوم تھے۔

اگر ہم فلسطین میں یہودیوں کی حالت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں وہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔ لیکن کامیابی کی اسی وقت توقع کر سکتے تھے جب ان کی تعداد تیزی سے بڑھتی رہے اور باہمی اختلافات دور ہو جائیں چونکہ "ماں بننا" عبرانی عورت کی سب سے بڑی آبرو تھی، اس لئے یہ فطری بات تھی کہ تولید کا خدا مقامی معبودوں میں سب سے زیادہ اہم سمجھا جائے اور یہ یہوداہ تھا۔ جس کی پرستش رفتہ رفتہ توحید کی طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ بعد کو وہ ایک "غیور خدا" مانا جانے لگا جو اپنے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کو روا نہ رکھ سکتا تھا

اس طرح تدریجی طور پر یہوداہ کی پرستش میں گہرائی پیدا ہونے لگی لیکن باوجود

اس کے دوسرے معبود بھی موجود تھے اور اس طرح پرستاران یہوداہ اور پرستاران العلیم کے درمیان اندورنی جنگ شروع ہو گئی جس پر پرستاران یہوداہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور دوسرے معبودوں کو محض بے جان بت سمجھا جانے لگا۔

اس کے بعد خالص توحید پرستی پیدا کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ قومی جوش و خروش تھا جو بیرونی حملوں سے پیدا ہوا۔ سب سے پہلے آشوریوں نے حملہ کیا اور پھر بابل والوں نے اور اس طرح یہودی عرصہ تک مصر و عراق کے زیر اثر رہے۔ ٹھیک اسی زمانہ میں پیغمبروں کا عہد شروع ہوا جنہوں نے لوگوں کو یقین دلایا کہ اگر وہ مصر کی امداد کا خیال چھوڑ دیں اور آشوریہ سے معاہدہ نہ کریں بلکہ صرف یہوداہ پر بھروسہ کریں تو یہوداہ آشوریا کی طاقت توڑ دے گا۔

اسی کے ساتھ پیغمبروں نے مذہبی اصلاح شروع کر دی ۔ یہوداہ کے متعصب لوگوں کو یقین دلا دیا کہ خالص یہوداہ پرستی ہی اسرائیل کے ہر مرض کی دوا ہے یشوع نے "بت پرستی" کے انہدام پر کمر باندھ لی ۔ اور دربانوں کو حکم دیا کہ سارے برتن جو بعل اور یسیرت کے لئے بنائے گئے تھے، ہیکل سے باہر نکال کر جلا دیئے جائیں (۲ سلاطین باب ۲۳ ۔ آیت ۴) اس نے یروشلم کے گرد و پیش کے دیگر معبدوں کو بند کرا دیا اور ان کے بت پرست کاہنوں کو موقوف کر دیا (ایضاً آیت ۵) اس نے یہوداہ کے مندر سے الشیرا (یسیرت کو نکلوا کر جلا دیا (آیت ۶) اس نے ان گھوڑوں کو یہوداہ کے بادشاہوں نے سورج کی نذر کئے تھے نکالا اور "سورج کے رتھوں کو جلا دیا" (آیت ۱۱ اور ان مندروں کو مسمار کرنے کے بعد جو کموس، ملکوم اور عستارات کے لئے سلیمان نے بنوائے تھے صرف یہوداہ کی واحد پرستش کو بنی اسرائیل کا عام مذہب بنا دیا۔

لیکن یہ تمام اصلاحات وقتی تھیں کیونکہ مذہبی عصبیت یہودیوں کے ملک کو اپنے طاقتور پڑوسیوں کے مظالم سے نہ بچا سکی یشوع کی اصلاحات کے بیس یا تیس سال کے اندر بابل والوں نے یروشلم پر تین بار قبضہ کیا۔ یہوداہ کے مندر کو مسمار کیا گیا۔ اس کے بیش قیمت سامان کو لوٹ لیا گیا اور خاص باشندوں کو قیدی بنا کر بابل لے گئے اور اسی اسیری کے زمانہ میں یہودیوں میں پہلی مرتبہ خالص توحید پرستی کا رواج ہوا

اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ یہوداہ سے بے اعتنائی برتنے کا نتیجہ تھا کہ انہیں یہ تکلیفیں سہنا پڑیں اس لئے وہ اسیری میں پہلے سے زیادہ اس معبود کو ماننے لگے جو ان کے قومی اتحاد اور قومی وجود کا مظہر تھا۔ دو پشتوں کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آئے۔ یہ راسخ عقیدہ لیکر کہ ان کی تمام خوشی کا انحصار اخلاقی صفائی پر ہے۔

یہودی پیغمبر اور توحید

حضرت موسیٰ کے زمانہ (۱۳۰۰ق۔م) سے لے کر ایلیا نبی کے زمانہ (تقریباً ۸۵۰ ق۔م) تک یہودی مذہب صحیح معنوں میں توحید نہ تھا۔ وہ موسیٰ کے خدا کی پرستش کرتے تھے لیکن دوسرے دیوتاؤں کے منکر نہ تھے۔ چنانچہ سلیمان نے یہوداہ کے مندر کے علاوہ یروشلم میں بنی عمون کے معبود مولخ اور موآبیوں کے خیموش کے مندر بھی بنوائے۔ اہاب کے زمانہ میں جس نے شمالی ریاست پر ۸۷۶ق م سے ۸۵۴ق۔م تک حکومت کی۔ یہوداہ کی پرستش پر بعل پرستی غالب آگئی جو صور کا معبود تھا جہاں سے اہاب کی بیوی یذبیل آئی تھی۔

ایلیاہ بڑے نبیوں کے پیشرو تھے۔ انہوں نے بعل پرستی کی مخالفت کی اور یہ تعلیم دی کہ یہوداہ ہی واحد خدا ہے اسکے معنی تھے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

ایلیاہ کے زمانہ کے تقریباً سو سال بعد سے یہودی پیغمبروں کا زمانہ شروع ہوتا ہے جن میں عموس (۷۶۰ق۔م)، ہوسیع (۷۵۰ق۔م) یسعیاہ (۷۴۰۔۷۰۰ق۔م) اور میکاہ (۷۲۶۔۶۸۰ق۔م) نے اس کار عظیم کی تجدید کی جسے ایلیاہ اور السیع نے شروع کیا تھا اور یہوداہ کو اسرائیل کا واحد خدا بنایا تھا۔

خدا کی عظمت اور انسان

یہودہ شروع میں محض یہودیوں کا قبائی معبود تھا جسے یہودی پیغمبر نے ساری دنیا کا واحد خدا بنا دیا یسعیاہ بنی نے خدا کی عظمت اور اسکی قدرت کا ان الفاظ میں ذکر کیا

ہے۔

"کس نے پانیوں کو اپنے ہاتھ کے چلو سے ناپا اور آسمان کو بالشت سے پیمائش کیا اور زمین کی گرد کو پیمانے میں بھرا اور پہاڑ کو پلڑوں میں ڈال کے وزن کیا اور ٹیلوں کو ترازو میں تولا؟ کس نے خداوند کی روح کو انداز کیا ہے ۔۔۔ دیکھ قومیں ڈول کی ایک بوند کے مانند ہیں اور پلڑے کی مہین گردے کے مانند گنی جاتی ہیں دیکھ وہ بحری ممالک کو ایک ذرے کی مانند اٹھالیتا ہے ۔ لبنان ایندھن کے لئے کافی نہیں اور اس کے بہائم سوختنی قربانی کے لئے بس نہیں ۔ ساری قومیں اس کے آگے کچھ چیز نہیں بلکہ وہ اس کے نزدیک بطالت اور ناچیز سے بھی حساب میں کمتر ہیں" (یسعیاہ باب ۔ ۴۰ ۔ آیات ۱۲ ۔ ۱۸)

اس کا مقابلہ زبور ۸ کی ان آیات سے کیجئے: ۔
"جب میں تیرے آسمانوں پر جو تیری دستکاریاں ہیں دھیان کرتا ہوں اور چاند اور ستاروں پر جو تو نے بنائے تو انسان کیا ہے کہ تو اس کی یاد کرے اور آدم زاد کیا کہ تو آکے اسکی خبر لے؟ تو نے اس کو فرشتوں سے تھوڑا ہی کم کیا اور شان شوکت کا تاج اس کے سر پر رکھا ہے تو نے اس کو اپنے ہاتھ کے کاموں پر حکومت بخشی تو نے سب کچھ اس کے قدموں کے نیچے کیا ہے"
زبور میں خدا کا ذکر ان الفاظ میں ہے: ۔
"تیری روح سے میں کدھر جاؤں؟ اور تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں؟ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے ۔ اگرچہ میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے ۔ اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہا ہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا ۔ اور تیرا داہنا ہاتھ مجھے سنبھال لے گا ۔ اگر میں کہوں کہ تاریکی

تو مجھے چھپا لے گی تب رات میرے گرد روشن ہو جائے گی ۔ یقیناً تاریکی تیرے سامنے تیرگی نہیں پیدا کرتی پر رات دن کی مانند روشن ہے تاریکی اور روشنی دونوں یکساں ہیں " (زبور ۱۳۹۔ آیات ۷۔۱۲) ۴

اسی سلسلہ میں انہوں نے بعض غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کیا اور ان اعتراضات کا جواب دیا جو یہوداہ پر کئے جاتے تھے مثلاً کتاب پیدائش میں بتایا گیا تھا کہ خدا نے چھ دن میں تکوین عالم سے فرصت پائی اور ساتویں دن کو مبارک کیا اور انسان کو حکم ہوا کہ " چھ دن محنت کرے لیکن ساتویں دن آرام کرے (باب ۲ آیات ۱۔۳، خروج باب ۲۰ آیات ۸۔۱۱) اس سے بعض لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ خدا نے چھ دن تک بڑی محنت کی تھی کہ جس سے تھک کر ساتویں دن سو گیا؟" اس کا جواب یسعیاہ نبی نے یوں دیا:۔

" کیا تو نے نہیں جانا؟ کیا تو نے نہیں سنا؟ خداوند سو ابدی خدا ہے زمین کے کناروں کا پیدا کرنے والا۔ وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا۔ اس کے فہم کی تھاہ نہیں ملتی وہ تھکے ہوؤں کو زور بخشتا ہے اور ناتوانوں کی توانائی کو زیادہ کرتا ہے " (باب ۴۰ آیات ۲۸)

اسی طرح انہوں نے ثنویت کی بھی تردید کی۔ اہل ایران کے نزدیک دنیا میں دو زبردست قوتیں ہیں ایک تو نور اور نیکی کی قوت اور دوسرے تاریکی اور بدی کی قوت یہ دونوں قوتیں دنیا کی حکومت کے لئے باہم نبرد آزما رہتی ہیں اور بالآخر قوت خیر کامیاب ہو گی۔ اس کی تردید میں یسعیاہ نبی خدا کی زبان سے کہلاتے ہیں:۔

" میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں ... میں ہی روشنی بناتا ہوں اور تاریکی پیدا کرتا ہوں۔ میں سلامتی کو بناتا ہوں اور شر کو پیدا کرتا ہوں میں ہی خداوند ان سبھوں کا بنانے والا۔

(یسعیاہ باب ۴۵۔آیات ۵۔۷)

کلام خدا

پیدائش عالم کے بارے میں یہودیوں کا اعتقاد تھا کہ دنیا خدا کے حکم سے وجود میں آئی ۔ یہ وہی چیز ہے جسے مسلمانوں میں "کن فیکون" کہتے ہیں ۔ اسی سلسلہ میں بائبل کی بعض آیات قابل نقل ہیں: ۔

اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو اور اجالا ہو گیا ...

اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہو اور پانیوں کو پانیوں سے جدا کرے ... اور خدا نے کہا کہ آسمانوں کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوں کہ خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہو گیا" وغیرہ وغیرہ (پیدائش باب ا

"خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور ان کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے اس نے کہا اور وہ ہو گیا اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا" (زبور ۳۳۔آیات ۶۔۹)

"ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔" (یوحنا کی انجیل باب ۱)

خدا بحیثیت خالق

یہودیوں میں تکوین عالم کا تخیل غالباً بابل والوں سے آیا تھا۔ اس کا بائبل میں متعدد مقامات پر ذکر ہے چنانچہ پہلے ہی صحیفے یعنی کتاب پیدائش کی ابتدائی آیتیں ہیں:

"ابتدا میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی ۔" (پیدائش باب ۱، آیت ۱۔۲)

شروع میں پانی اور اس پر خدا کی روح کے جنبش کرنے کا تخیل بہت سے مذہبوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی آیت ہے:۔

"وکان عرشہ علی الماء"

(خدا کا عرش پانی پر ہے) اسی طرح ہندوؤں میں خدا کا نام نارائن ہے جس کے معنی ہیں "پانی پر حرکت کرنے والا"

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ زمین نہ صرف پانی سے پیدا ہوئی بلکہ پانی ہی پر قائم ہے چنانچہ زبور میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"زمین خداوند کی ہے اور اس کی معموری بھی جہاں اور اسکے سارے باشندے اس کے ہیں اس لئے اس نے اس کی بنا پانیوں پر رکھی اور اسے سیلابوں پر قائم کیا" (زبور ۲۴ آیات ۱۔۲) ۵

خدا دنیا کا خالق ہونے ۶ ہونے کے باعث اس کا حکمراں بھی ہے۔ عموس نبی فرماتے ہیں:۔

"اس کی تلاش کرو جس نے ثریا اور جبار ستاروں کو بنایا ہے جو موت کی پرچھائیں کو صبح کر دیتا اور دن کو اندھیری رات کرتا ہے اور سمندر کے پانیوں کو بلاتا ہے اور انہیں روئے زمین پر انڈیلتا ہے اس کا نام خداوند ہے" (عموس باب ۵ آیت ۸)

اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کا قبیلائی معبود یہوواہ کس طرح بعض مفکرین کی کوششوں سے ساری دنیا کا خدا، خالق و حکمراں بن بیٹھا۔ لیکن باوجود اس کے خدا کے یہودی تخیل میں ایک بہت بڑا نقص ہے (اور وہ تقریباً ہر مذہب میں پایا جاتا ہے) یعنی خدا کو انسانی صورت اور صفات کا حامل بنایا جاتا ہے۔ اپنے قول کی تائید میں ہم چند آیتیں پیش کرتے ہیں:۔

خدا کی انسانی صورت اور صفات

(۱) خداوند تعالیٰ مہیب ہے۔ وہ تمام زمین کے اوپر بادشاہ عظیم ہے (زبور ۴۷

آیت ۱)

(۲) میں نے خداوند کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور سارا آسمانی لشکر اس کے پاس اس کے داہنے ہاتھ اور اس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ (اسلاطین باب ۲۲۔ آیت ۱۹)

(۳) خداوند آسمان پر سے دیکھتا ہے، وہ سارے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے وہ اپنی سکونت کے مقام سے زمین کے سب باشندوں کو تاکتا ہے (زبور ۳۳۔ آیات ۱۳۔۱۴)

(۴) خداوند کا تخت آسمان پر ہے اس کی آنکھیں دیکھتی ہیں، اس کی پلکیں بنی آدم کو آزماتی ہیں (زبور ۱۱۔ آیت ۴)

آخر میں ہم ان پیغمبروں کے بارے میں تحقیقات جدید کا خلاصہ پیش کریں گے جو صحیح معنی میں توحید کے علمبردار تھے یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ۔ اگرچہ انہوں نے خدا کا جو تخیل پیش کیا تھا وہ بہت اعلیٰ نہ تھا لیکن بہ حیثیت توحید کے بانیوں کے ان کا ذکر ناگزیر ہے۔

حضرت ابراہیمؑ

یہودی روایت کے مطابق ار میں تارح نامی ایک بت ساز تھا۔ حضرت ابراہیم انہیں کے بیٹے تھے۔ ایک دن تارح ابراہیم کو دوکان پر بٹھا کر کسی کام سے گیا۔ دوکان پر ایک ضعیف شخص آیا جس نے مٹی کا ایک بت انتخاب کیا اور خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ لڑکے نے پوچھا کہ وہ اسے خرید کر کیا کرے گا۔ جب لڑکے کو معلوم ہوا کہ وہ اس کی پرستش کرے گا، تو اس نے اظہار تعجب کیا کہ ایسا بزرگ شخص ایک ایسی شے کی تعظیم کرے گا جو کل ہی بنائی گئی تھی اور ہنوز اس میں آنوے کی گرمی باقی تھی، اس نے بڈھے اور ہر خریدار پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ بت بیکار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بت بھی نہ بکا اور جب وہ بازار سے ان بتوں کو لے کر لوٹا تو اس نے انہیں سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا اور ان سے پوچھا کہ کیا وہ اسے کھانا پانی دیں گے اور جب اسے جواب نہ ملا (اور ملتا بھی کیسے وہ محض لکڑی اور پتھر کے ٹکڑے تھے) تو اس نے انہیں ٹھوکر ماردی اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

بعد ازاں اس نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اس کے کارخانہ میں سب سے طاقتور بت کون سا ہے اور جب اسے بتایا گیا کہ سب سے بڑا بت سب سے طاقتور ہے تو اس نے اس کے سوا سب کو توڑ کر چکنا چور کر دیا۔ واپسی پر تارح نے بدحواسی سے پوچھا کہ یہ آفت کس نے برپا کی ہے۔ اس پر ابراہیم نے بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے سب کو توڑ ڈالا ہے۔ ناراض دوکاندار نے قسم کھا کر کہا کہ یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ وہ بت محض پتھر کا ایک ٹکڑا ہے اور وہ یہ کیسے کر سکتا تھا۔ لڑکے نے باپ کی زبان پکڑ لی اور بولا کہ پھر ان کی پرستش بیکار ہے۔ جب ابراہیم اپنی بدعتوں سے باز نہ آیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہاں اس نے مزید فلسفیانہ گفتگو کی۔ بت محض کسی شے کی نقل ہوتے ہیں۔ اس لئے بجائے نقل کے اصل کی عبادت کرنی چاہیے (انسان سورج، چاند، ستاروں یا آگ، پانی، ہوا کی بجائے خود پرستش کیوں نہ کرے اور ان کے بت کیوں بنائے ؟) لیکن وہ بھی امتحان لینے پر مخلوق ثابت ہوئے نہ کہ خالق حضرت ابراہیم کو تمام مناظر فطرت کے پیچھے ایک غیر مرئی اور محیط کل خدا کی ذات نظر آئی جس کی پرستش کی طرف انہوں نے لوگوں کو بلایا۔

یہودی ادب میں سب سے پہلے یہ روایت کتاب جبلی میں نظر آئی جو ۱۳۵ ق۔م کے بعد لکھی گئی تھی اور اس کے بعد مدراشم میں جو بیشتر حضرت مسیح کے بعد لکھی گئیں یہی یہودی روایت اسلامی روایت کا ماخذ ہے جس کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے لیکن تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔

مذکورہ یہودی روایت تاریخی لحاظ سے چنداں اہم نہیں۔ خود یہودی اسے غیر مستند مانتے ہیں۔ عہد نامہ عتیق میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ عہد نامہ عتیق کے لکھنے والوں کے زمانہ تک یہ روایت گھڑی نہ گئی تھی اور انہیں اس کا علم نہ تھا اور دوسرے یہ کہ انہوں نے اسے نقل کرنے کے قابل نہ سمجھا۔ ان میں سے اول الذکر صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اسی سلسلہ میں آتش نمرود کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اسلامی روایت کے مطابق جب حضرت ابراہیم کو ان کے والد نے شاہ وقت نمرود بن کش کے حوالہ کر دیا تو اس

نے انہیں آگ میں ڈلوادیالیکن خدا کے حکم سے آگ بجھ گئی اور وہ بچ گئے۔اس روایت پر ڈاکٹر تسڈل نے اپنی کتاب "ماخذ القرآن" میں تفصیل سے بحث کی ہے جو نگار کے سالنامہ (جنوری، فروری ۴۵ء) میں شائع ہو چکی ہے یہ روایت محض ایک غلطی سے پیدا ہوئی یعنی کتاب پیدائش باب ۱۵ کی آیت ہے "میں خداوند ہوں جو تجھے کلدانیوں کے ار سے نکال کر لایا" جو ناتھن نے ار کو اور سمجھ لیا جس کے معنی عبرانی میں نور یا روشنی کے ہیں لہذا اس نے منقولہ آیت کا ترجمہ کیا "میں وہ خدا ہوں جس نے تجھے کلدانیوں کی آگ کی بھٹی سے باہر نکالا" اس طرح یہ تمام قصہ محض ایک لفظ کے غلط معنی کرنے سے پیدا ہو گیا ورنہ اس کی کوئی بنیاد نہ تھی۔رہی یہ بات کہ سب سے پہلے یہ غلطی جو ناتھن نے کی تھی صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا۔ممکن ہے کہ اس نے یہ خیال دوسرے لوگوں سے لیا ہو۔

بہر حال یہودی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد تارح (اسلامی روایت کے آذر) بت ساز تھے اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود ان کا بت کیا تھا۔چونکہ ابراہیم کلدانیوں کے ار سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہاں نانز یعنی چاند کے دیوتا کی پرستش ہوتی تھی اس لئے تارح قمر پرست رہے ہوں گے۔اب اس چیز کو پیش نظر رکھ کر ان آیات پر غور کیجئے:۔

" ابراہام کا خدا اور نحور کا خدا اور ان کے باپ کا خدا ہمارے بیچ میں انصاف کرے" (پیدائش باب ۳۱۔آیت ۵۳)

یہ الفاظ لابن نے یعقوب سے حاران میں کہے تھے جہاں وہ چودہ سال سے اوپر رہ چکے تھے اور ان سے پہلے جہاں تارح اور ابراہیم رہے تھے۔اب اگر یہ مان لیا جائے کہ ابراہیم موحد تھے اور ان کا خدا ان کے بھائی کا خدا کیسے ہو سکتا ہے۔مزید براں ان کے باپ کا جو بت ساز تھا؟ ابراہیم کو خدائے واحد کا علم حاران میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد ہوا تھا۔اسلئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا خدا تھا جو ان تینوں میں مشترک تھا ظاہر ہے کہ وہ ان کا "خاندانی معبود" ہی ہو سکتا تھا یعنی ترافیم۔علاوہ ازیں اس زمانہ تک "توحید" کا علم بھی لوگوں کو نہ تھا۔اس طرح ابراہیم کا خدا محض خاندانی معبود تھا

جس کا شروع میں کوئی نام بھی نہ تھا اور عرصہ تک وہ "ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کے خدا" کے نام سے مشہور رہا۔ جیسا کہ خروج کی ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:۔

"میں خداوند ہوں اور میں نے ابراہام اور اسحٰق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے تئیں ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا۔" (خروج باب ۔۶ آیت ۳)

سرلیونارڈاولی لکھتے ہیں کہ:۔ حضرت ابراہیم توحید پرست نہ تھے بلکہ "ایک بت کے پرستار تھے" اور اسی ایک بت کی پوجا نے آگے چل کر توحید پرستی کی صورت اختیار کرلی"

حضرت موسیٰؑ

مذہبی دنیا میں حضرت موسیٰ کا مقام بہت کیونکہ ان کے مشہور احکام عشرہ نے یہودیوں کو بت پرستی سے باز رکھنے اور ان کی اخلاقی حالت کو درست کرنے میں بڑا کام کیا۔

حضرت موسیٰ کا زمانہ کوئی ۱۵۰۰ ق۔م بتاتا ہے اور کوئی ۱۲۰۰ ق۔م عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں جو (PENTATEUCH) کہلاتی ہیں۔ روایتاً حضرت موسیٰ سے منسوب ہیں لیکن تحقیقات جدید کے مطابق انہیں ۴۵۰ ق۔م میں عزرا اور نحمیاہ نے مرتب و مدون کیا تھا۔ بعض علماء کو حضرت موسیٰ کے تاریخی وجود کے بارے میں شبہ ہے، ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یہودیوں کو مصر کی غلامی سے نجات دلا کر کنعان میں لائے لیکن تاریخ سے یہودیوں کا مصر میں بحیثیت قیدی رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی بھی پردہ خفا میں ہے۔ ان کا بچپن کا افسانہ بابل کے بادشاہ سارگون کی حکایت سے ملتا جلتا ہے۔ (خروج باب ۲ میں ہم پڑھتے ہیں:۔

"اور جب وہ (موسیٰ کی ماں) اسے آگے کو نہ چھپا سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسہ اور رال لگایا اور لڑکے کو

اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر
جھاؤ میں رکھ دیا" (آیت ۳)

اسی کے ساتھ سارگون کے متعلق کینو نجک کی تختیوں کی تحریروں کو دیکھئے۔

"(۱) میں سارگون ہوں، طاقت ور بادشاہ، اکاد کا بادشاہ، (۲) میری ماں ایک شہزادی تھی۔ اپنے باپ کو میں نہیں جانتا، میرے باپ کا ایک بھائی حکومت کرتا تھا (۳) شہر ازپیرن میں جو دریائے فرات کے کنارے ہے (۴) میری ماں یعنی شہزادی حاملہ ہوئی، بڑی مشکل سے اس نے مجھے جنم دیا۔ (۵) اس نے مجھے سینٹھے کے ایک صندوق میں رکھا اور اس نے میرے جانے کے راستے کو رال سے بند کیا۔ (۶) اس نے مجھے دریا میں ڈال دیا جس نے مجھے ڈبویا نہیں (۷) دریا مجھے بہا کر اکی پانی لے جانے والے کے پاس لے گیا۔ (۸) اکی پانی لے جانے والے نے ترس کھا کر مجھے اٹھالیا" وغیرہ وغیرہ۔

سارگون کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے تھا۔ (۲۷۵۰ ق۔م) اس سے بعض عالموں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسیٰ کا افسانہ طفولیت سارگون کی حکایت سے ماخوذ ہے جسے عزرا نے موسیٰ سے چسپاں کر دیا اور یہ کہ عزرا نے اسے بابل کی اسیری کے دوران سنا ہوگا (۱)

جدید تحقیقات کے مطابق دنیا کی مختلف اقوام اپنے "ہیرو" کی پیدائش اسی طور پر بیان کرتی ہیں۔ یونانی، رومی اور جاپانی ادب میں بھی موسیٰ اور سارگون کی پیدائش سے ملتے جلتے افسانے بعض لوگوں کے بارے میں بیان کئے جاتے ہیں۔ جو ان روایات کے مشترک الاصل ہونے کی بنا پر ہے اور یا پھر اس لئے کہ بعض اقوام نے دوسروں کے دیکھا دیکھی ان سے ملتی جلتی روایات گھڑی ہیں۔ بہر حال واقعی صورت کیا ہے اس کا بتانا ہمارے لئے بہت مشکل ہے۔

حضرت موسیٰ کے قوانین

حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی کے علاوہ ان کے مشہور قوانین پر بھی بابلی قوانین کا اثر نمایاں ہے بابل کے حکمراں حمورابی (۲۱۰۰ ق۔م) کے شہرہ آفاق قوانین میں ایک آٹھ فٹ لمبی پتھر کی سل پر کندہ ملے ہیں اس میں ایک تصویر بھی ہے جس میں حمورابی کو سورج دیوتا سے مجموعہ قوانین لیتے ہوئے دکھایا ہے۔ یہ قوانین سامی زبان میں ہیں (حضرت موسیٰ کی زبان سامی تھی) اور حضرت موسیٰ کے قوانین سے ملتے جلتے ہیں۔ یقیناً موسیٰ نے ان قوانین سے استفادہ کیا ہوگا۔

بابل میں اسیری کے دوران یہودی لوگ ایران کے زردشتی مذہب سے بھی واقف ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰ کی کہانی کے بعض حصے زردشتی مذہب کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً بائبل میں ہم پڑھتے ہیں، کہ "موسیٰ خدا پاس چڑھا اور خداوند نے اسے پہاڑ سے بلایا اور کہا کہ تم یعقوبؑ کے خاندان سے یوں کہیو اور بنی اسرائیل سں یوں کہیو" (خروج باب ۱۹۔آیت ۳) اس طرح زند آویستا میں آہورا ماژدا، زردشت سے "مقدس سوالوں کے پہاڑ" پر بات کرتا نظر آتا ہے (فرگر ۱۲۔۱۹)

برخلاف ان عالموں کے جو افسانہ موسیٰ میں بابلی و ایرانی عناصر دیکھتے ہیں مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ نے اپنی کتاب "موسیٰ اور توحید" (MOSES & MONETHEISM) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت موسیٰ یہودی نہ تھے بلکہ مصری تھے اور وہ فرعون مصر اخناتن کے مذہب کے پیرو تھے جو توحید کا اصل بانی تھا، اپنے قول کے ثبوت میں انہوں نے جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔(۱)

(۱) حضرت موسیٰ کے یہودی النسل ہونے کا ثبوت ان کا نام ہے جو یونانی میں موزیز (MOSES) عبرانی میں موشے اور عربی میں موسیٰ ہے۔ اگرچہ موسیٰ کے معنی نامعلوم ہیں لیکن ایک پرانا خیال ہے کہ یہ لفظ قدیم مصری زبان کے لفظ یاموس سے نکلا ہے جس کے معنی "بچہ" کے ہیں۔ اور یہ لفظ متعدد فراعنہ مصر کے ناموں میں پایا جاتا ہے جیسے تھوتھ موس (یا تھوتھ میس) راموس (یا رامیسیس) جن کے معنی ہیں "را کا بیٹا" (یا را کا پیدا کیا ہوا) یا "تھوتھ کا بیٹا" (یا تھوتھ کا پیدا کیا ہوا) موسیٰ پورا نام نہیں ہے۔ اس کا شروع کا حصہ لوگوں نے بھلا دیا اور وہ آخری حصے کے نام سے مشہور ہو گئے

(۲) اگرچہ آٹین پرستی کے بارے میں ہماری معلومات اتنی مکمل نہیں ہیں کہ اس کا یہودی مذہب سے تفصیلی موازنہ کیا جاسکے ۔جو کافی تبدیلیوں کے بعد انتہائی ترقی یافتہ صورت میں نظر آتا ہے ۔لیکن کسی حد تک ایسا مواد ضرور موجود ہے کہ جس سے آٹین پرستی ، اور یہودیوں کے قدیم مذہب کی مشابہتوں کا پتہ چلتا ہے مثلاً آٹین یا آٹن کا مقابلہ سریانی کے ایڈونائی (ایڈونیس) سے کیا جاسکتا ہے جسے یہودیوں نے یہوواہ کے نام کے طور پر اختیار کر لیا مصر میں یہ نام غالباً سریانی شہزادیوں کے ذریعہ پہونچا تھا ۔ جن کی شادیاں مصر کے شاہی گھرانے میں ہوئی تھیں اور غالباً خود اخناٹن کی ملکہ نیفرتتی ایک سریانی شہزادی تھی ۔

(۳) اپنے معبود کے عالمی تخیل میں اخناٹن نے لاغیریت پسندی کا بھی اضافہ کیا تھا وہ کہتا ہے کہ "اے تو، واحد خدا! تیرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں " اس کے حکم کے بموجب دوسرے دیوتاؤں کے معبد بند کر دیئے گئے اور ان کی پرستش پر روک لگا دی گئی ۔یہودی مذہب اس سے بھی زیادہ توحید پسند تھا ۔یہوواہ بھی ایک لاغیر پسند معبود تھا جو اپنے حضور کسی دوسرے معبود کو برداشت نہ کر سکتا تھا ۔

(۴) آٹن کے لئے ہر قسم کی شکلیں و شبیہیں بنانا ممنوع قرار دی گئی تھی بجز قرص آفتاب کے جو معہ اپنی شعاعوں کے معبود کا ایک مظہر اتم اور زمین پر حیات کا منبع تھا اسی لئے اس کی پرستش کی جاتی تھی ۔یہودی مذہب نے بھی خدا کے لئے ہر قسم کی تصویر و علامت بنانے کی ممانعت کی، علاوہ ازیں آفتاب پرستی کو بھی مطلقاً ترک کر دیا ۔

اخناٹن کے مذہب میں حیات بعد ممات اور اوسیریز کی پرستش کے بارے میں مطلق خاموشی ہے اگرچہ یہ چیز توحید پرستی کے منافی تھی تاہم مصر کے عوامی مذہب کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہو گیا کیونکہ مصر میں حیات بعد ممات اور اوسیریز کی پرستش پر بڑا زور دیا جاتا تھا اسی طرح یہودیوں کے قدیم مذہب میں بھی حیات بعد ممات کا تخیل نہیں پایا جاتا ۔

(۶) اخناٹن کے مرنے پر مصر میں ایک زبردست خلفشار پیدا ہوا ۔ توت عنخ

آمین نے اس کے مذہب کو منسوخ کر دیا اور آمین را کے پجاریوں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کر لی ۔ اسی زمانہ میں موسیٰ نامی ایک طاقتور مصری نے جو غالباً شہزادہ، پروہت یا گورنر اور آٹین کے مذہب کا پیرو تھا اپنی طاقت اور رتبہ سے فائدہ اٹھایا وہ یہودیوں کا سرغنہ بن گیا اور انہیں مصر سے نکال کر فلسطین لے چلا تاکہ ایک نئی سلطنت قائم کرے ۔ اسی سلسلہ میں اس نے یہودیوں پر ختنہ کی رسم مسلط کی تاکہ وہ غیر ملکیوں سے ممیز ہو سکیں ختنہ ایک خالص مصری رسم تھی ۔ یہودیوں میں اس کا اپنایا جانا ان کے مذہب کا مصری الاصل ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے ۔

(۷) پروفیسر فرائڈ کا یہ بھی خیال تھا کہ بائبل میں دو مختلف افراد کو حضرت موسیٰ کی حیثیت سے پیش کیا گیا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لایا اس موسیٰ سے بالکل الگ تھا جو یہوداہ اور بنی اسرائیل میں واسطے کی حیثیت سے نظر آتا ہے اور جو زیان کے کاہن تیرد کا داماد تھا ۔ ان میں سے اول الذکر کو اس کے متبعین نے باہمی بغاوت کے سلسلہ میں ہلاک کر دیا ۔ اس چیز کا پتہ (SELLEN ۔ E) ہوسیع نبی (ا اور بعد کے نبیوں کی کتابوں سے لگایا تھا اور موسیٰ کی ہلاکت ہی نے غالباً بعد میں آمد مسیح کی امید دلائی ۔ موجودہ مورخین اس پر متفق ہیں کہ ان قبائل نے جو بعد میں بنی اسرائیل کہلائے مصر سے فلسطین کو جاتے ہوئے ایک نیا مذہب اختیار کیا ۔ یہ نیا مذہب یہوداہ کی پرستش تھی جو ایک آتش فشاں پہاڑ کا دیوتا اور خون کا پیاسا عفریت تھا مدیان کا موسیٰ اسی یہوداہ کا پرستار تھا اور اس نے ہی یہودیوں کو یہوداہ کی پرستش اختیار کرنے پر آمادہ کیا چونکہ مصر اور جزیرہ نما سیناس کوہ آتش فشاں نہیں پائے جاتے بلکہ وہ پہاڑ جو موسیٰ اور اس کے زمانہ کے بعد آتش فشاں رہے ہوں گے عرب کی شمالی مغربی سرحد پر اور سینا کے مشرق میں واقع ہیں اس لئے ان میں سے کوئی پہاڑ سینائی حورب رہا ہوگا جسے یہوداہ کا مسکن مانا جاتا تھا ۔ لہذا یہودیوں نے یہوداہ پرستی سینا کے دامن میں نہیں بلکہ ماریبہ کادش میں ۱۳۵۰ اور ۱۲۱۵ ق ۔ م کے درمیان اختیار کی ہوگی ۔ بعد ازاں اس نئے اور پرانے مذہب میں مصالحت کرانے کی کوشش کی گئی ۔ اور مذہبی روایات میں کافی تغیر و تبدل کیا گیا ۔ مثلاً ختنہ کی رسم کو بجائے حضرت موسیٰ کے حضرت ابراہیم

سے منسوب کر دیا گیا تا کہ وہ مصری الاصل نہ معلوم ہو اس طرح حضرت موسیٰ اور وہ شخص جو یہوواہ کا پروہت اور تیرد کا داماد تھا ایک ہی مان لئے گئے اور اس طرح اپنے سردار کے قتل پر پردہ ڈالا گیا۔

تقریباً ۸۰۰ سال تک یہوواہ کی پرستش کا زور رہا اور موسیٰ کا روحانی مذہب جس کی انہوں نے خروج کے وقت تعلیم دی تھی دبا رہا یہاں تک کہ اسے ابھرنے کا موقع مل گیا اور پیغمبروں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ خدا کو قربانی اور مراسم کی ضرورت نہیں بلکہ وہ انسانوں کو انصاف اور راستی کی زندگی بسر کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ ہے فرائڈ کی تحقیقات کا خلاصہ اگرچہ اسے آنکھ بند کر کے تسلیم کیا جا سکتا اور اس کی ... حیثیت ایک نظریہ یا مفروضہ سے زیادہ نہیں تاہم اس میں مزید تحقیقات کرنے اور غور و فکر کرنے کے لئے کافی سامان موجود ہے۔

نتیجہ

جدید تحقیقات کے مطابق یہودیوں میں خدا کا تخیل پیدا ہونے کے متعلق تین نظریئے ہیں (۱) گرانٹ ایلن کے مطابق یہودیوں میں خدا کے تخیل کی ابتداء لنگ پوجا سے ہوئی۔ لنگ دیوتا یہوواہ کی ذات میں دیگر معبودوں کی صفات شامل ہونے اور ان کے مادی مظہر (جو ایک عمودی پتھر) کے برباد ہونے کے بعد صحیح معنی میں توحید پیدا ہو سکی (۲) سرلیونارڈ داولی کے مطابق حضرت ابراہیم اپنے خاندانی معبود کے پرستار تھے۔ اسی ایک بت کی پرستش نے تدریجی ترقی کے بعد توحید کی صورت اختیار کر لی (۳) فرائڈ کے مطابق یہودیوں میں توحید کا تصور موسیٰ کے توسط سے پہونچا جو مصری النسل اور اخناٹن کے مذہب کے پیرو تھے۔ مصر میں توحید کا تصور حکومت میں وسعت پیدا ہونے سے پیدا ہو سکا۔ تھوتھ موس سو (۱۴۷۹-۱۴۴۷ ق۔م) نے جو مصر کا نپولین کہلاتا ہے سیریا، فنیقہ اور فلسطین کو فتح کر کے حکومت مصر کا دائرہ بہت وسیع کر دیا۔ جس سے ایک بین الاقوامی معبود کا تخیل پیدا ہوا۔ علاوہ ازیں خدا کا تخیل فرعون ہی کا ایک عکس یا پرتو تھا۔ فرعون کے اختیارات میں توسیع خدائی اختیارات میں توسیع کے لئے لازم تھی۔

۱۔یہودی کے معنی ہیں یہودا کا باشندہ یہ نام پوری قوم کے لئے اسرائیل کی حکومت ختم ہونے کے بعد سے قابل استعمال ہے اس سے پہلے عبرانی کا نام موزوں ہے

۲۔قدیم زمانہ میں بیل کی پرستش نہایت عام تھی۔کریٹ میں بیل پوجا جاتا تھا۔علاوہ ازیں..... اس سے پہلے مصر میں پوجا جاتا۔اور ملبوس بیل (آن یا ہیلو پولس میں) پوجے جاتے تھے مینوس کورا کا اوتار اور آپس کو پہلے پتاح کا اور بعد میں اوسریز کا اوتار بنالیا

۳۔اس کی بنا پر عالموں نے یہ پتہ چلایا کہ موجودہ بائبل کا ماخذ دو جدا جدا نسخے میں خدا کو یہودا کہا گیا ہے وہ (jeho - vistic) کہلاتا ہے اور جس میں الوہم کہا گیا ہے وہ (Elohistic) کہلاتا ہے۔بعد میں ان دو نسخوں کو ایک ساتھ ملا کر مرتب کیا گیا اور اس طرح بائبل میں جابجا تضاد پیدا ہو گیا

۴۔اگرچہ زبور، داؤد سے منسوب ہے لیکن اس کے مزامیر میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے یقین کے ساتھ داؤد سے منسوب کیا جاسکے

۵۔یہاں پر میں ناظرین کی توجہ تالیس (زمانہ ۶۰۰ق۔م) کے اس قول کی طرف مبذول کروں گا پانی تمام کو گھیرے ہوئے ہے زمین ایک ناپیدا کنار سمندر پر تیرتی ہے اصل عنصر پانی ہے باقی تمام عناصر اور اجسام پانی کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، داستان دانش صفحہ ۱۵) اس سے صاف طور پر یہ بات عیاں ہے کہ یونانی عقیدہ کے مطابق زمین محض جزیرہ تھی جو پانی پر تیرتا ہوا اور پانی سے گھرا ہوا معلوم پڑتا تھا

۶۔اس سلسلہ میں لیسعیا باب ۴۵۔آیت ۱۸ اور زبور ۱۰۴ آیات ۱۔۵ ملاحظہ ہوں۔

۷۔۵۸۷ق۔م میں بابل کا بادشاہ بنوکد نیز (بخت نصر) نے فلسطین پر حملہ کیا اور یروشلم کو مسمار کر کے وہاں کے باشندوں کو قیدی بنا کر اپنے دارالحکومت کو لے گیا اور ان کے ادب کو بھی ضائع کردیا

۸۔فرائڈ نے اپنی تحقیقات میں (E - meyer) اور (E - sellen) کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے

۹۔غالباً یہ نتیجہ ان آیات سے نکالا گیا ہے ایک پیغمبر کی معرفت سے خداوند نے اسرائیل کو مصر سے باہر نکالا اور پیغمبر سے وہ محفوظ رہا۔افرائیم نے بڑے غضب انگیز کام کئے اس لئے اس کا خداوند اس خون اس کے اوپر چھوڑے گا اور اسکی ملامت کو اس پھر ڈالے گا

عیسوی مذہب

عیسوی مذہب کے بارے میں ہماری معلومات کا خاص ذریعہ "عہد نامہ جدید" ہے جسے "عہد نامہ قدیم" کی طرح الہامی مانا جاتا ہے ان دونوں کو ملا کر بائبل یا کتاب مقدس کہتے ہیں، لیکن باخبر حضرات جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ یا ان کے براہ راست شاگردوں میں سے کسی نے کوئی تحریر نہیں چھوڑی تھا اور اسی لئے بائبل میں جا بجا تضاد پایا جاتا ہے۔

اگرچہ نیا عہد نامہ ۲۷ کتابوں پر مشتمل تھا لیکن ان میں چار انجیلیں خاص ہیں جو حضرت عیسیٰ کے چار رسولوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا سے منسوب کی جاتی ہیں۔ یہ ۷۰ اور ۱۱۰ کے درمیان لکھی گئی تھیں۔ لیکن سب سے پہلے جس شخص نے ان کا ذکر کیا ہے وہ گال کا بشپ ایرینس (IRENIUS) تھا جس کا زمانہ ۱۷۸ لغایت ۲۰۰ عیسوی ہے۔

انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کی جو زندگی بتائی گئی ہے اور غیر مستند ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے صحیح سوانح لکھے ہی نہیں جا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک یہودی پیغمبر تھے جنہوں نے رائج الوقت مذہب سے انحراف کیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ انجیلوں میں عیسیٰ کے جو سوانح حیات پیش کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

لفظ عیسیٰ، عبرانی، لیسوع کی عربی صورت ہے جس کے معنی ہیں "نجات دلانے والا" لیسوع ہی سے جیس (JESUS) نکلا ہے۔ جو یونانی، لاطینی اور انگریزی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔

[redacted]-یہودیہ کے شہر بیت اللحم میں کنواری مریم سے پیدا ہوئے تھے، جن کا عقد یوسف نامی بڑھئی سے ہو چکا تھا لیکن قربت کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس کا وطن صوبہ گلیل

کا شہر ناصرہ تھا جو یروشلم سے پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔ عیسیٰ کی تعلیم گھر ہی میں معمولی طریقے سے ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی سے وہ مذہبی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے تیس سال کی عمر میں انہوں نے اپنے نبی اور مسیح ہونے کا اعلان کیا اور اپنے شاگردوں میں سے بارہ حواری چن کر چاروں طرف اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے روانہ کئے جو لوگوں سے یہ کہتے پھرتے تھے کہ جس مسیح (بہ معنی "مسح کیا ہوا، منجی و شفیع) کی وہ موسیٰ کے زمانہ سے امید کرتے چلے آرہے تھے اور جس کی دانیاں نے اپنے مختصر صحیفے میں پیش گوئی کی تھی وہ آگیا ہے۔

ہر چند اس کے ماننے والوں کی تعداد بہت جلد بڑھ گئی لیکن ان کے دشمن بھی بہت پیدا ہو گئے۔ خصوصاً یروشلم کے وہ مذہبی رہنما جو فریسی کہلاتے تھے وہ لوگوں کو اسی مذہب کی طرف لوٹانا چاہتے تھے جو یہودیوں میں ان کے بابل میں اسیر ہونے سے پہلے رائج تھا۔ ان کا دوزخ و جنت پر اعتقاد نہ تھا اور وہ تمام ان تعلیمات کے مخالف تھے جو شریعت موسوی سے مختلف تھیں۔ برخلاف اس کے عیسیٰ نے وقتاً فوقتاً بہت سی ایسی باتیں کہیں تھیں جو فریسیوں کے نزدیک صریحاً بدعت یا کفر تھیں، یہی نہیں بلکہ عیسیٰ نے ان کے حقوق میں بھی دخل اندازی کی تھی قصہ یوں ہے کہ:۔

جب حضرت عیسیٰ تین سال کے تھے تو وہ یروشلم گئے تاکہ عید فصح کے تہوار میں شریک ہوں لیکن بیت المقدس میں انہوں نے جو منظر دیکھا وہ اس کی تاب نہ لا سکے یعنی خدا کے مقدس گھر میں صرافوں کی چوکیاں بچھی تھیں جہاں روپیہ کا لین دین ہو رہا تھا علاوہ ازیں کبوتر اور مویشی بیچنے والوں کا اژدحام تھا۔ انہوں نے غضب ناک ہو کر ایک کوڑا جو وہیں پڑا تھا اٹھا لیا اور جانوروں کو مندر کے صحن سے بھگا دیا اور صرافوں کی چوکیاں الٹ دیں اور تاجروں سے ڈانٹ کر کہا کہ "یہاں سے یہ سب لے جاؤ، خدا کے گھر کو بازار نہ بناؤ"

اس واقعہ سے بیت المقدس کے کاہن ازحد ناراض ہوئے کیونکہ انہی کی اجازت سے مندر کے اندر خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔

۳۳ سال کی عمر میں عیسیٰ تیسری بار یروشلم عید فصح میں شرکت کے لئے گئے لیکن اب وہ اکیلے نہ تھے بلکہ ماننے والوں کا ایک بڑا گروہ ان کے ساتھ تھا۔ اب کی بار پھر

عیسیٰ کی آنکھوں نے وہی منظر دیکھا اور وہی کیا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ۔ فریسی اور سردار کاہن عیسیٰ کی جرات پر دل ہی دل میں برہم ہوئے ۔ جب تک وہ تنہا تھے تو انہیں کوئی خوف نہ تھا لیکن اب ان کے ساتھ ایک جماعت تھی لہٰذا وہ ان کی طاقت اور اثر سے ڈرنے لگے اور خفیہ طور پر جمع ہوئے تاکہ کوئی ایسی تدبیر ڈھونڈ نکالیں کہ عیسیٰ اپنی تعلیم سے باز آجائیں اور لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں ۔

اس وقت ان کے بارہ شاگردوں میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوطی تھا سردار کاہن کے پاس جاکر کہا کہ "اگر میں اسے تمہارے حوالے کر دوں تو مجھے کیا دو گے" انہوں نے اسے تیس روپے تول کر دیئے اور ... اس وقت سے عیسیٰ کو گرفتار کرانے کا موقع ڈھونڈنے لگا ۔

رات کو عیسیٰ شہر سے باہر ایک باغ میں گئے جسے گتسمنے کہتے تھے ۔ ان کے کل شاگرد ساتھ تھے ۔ بجز یہوداہ بن شمعون کے جو سر شام ہی جدا ہو گیا تھا چونکہ سب تھکے ہوئے تھے لہٰذا جلد ہی سو گئے آدھی رات کے وقت یہوداہ کی رہبری میں یہ لوگ مسیح کو گرفتار کرنے کے لئے چلے ۔ ان کا شور سن کا مسیح کے شاگرد فرار ہو گئے اور وہ گرفتار کر کے سردار کاہن کے گھر لے جائے گئے جہاں دوسرے کاہن جمع ہو گئے تھے ۔

ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ :۔ "ہم نے اسے یہ کہتے سنا ہے کہ بیت المقدس کو جو ہاتھ سے بنا ہے ڈھاؤں گا اور تین دن میں دوسرا بناؤں گا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو" ۔ علاوہ ازیں خود عیسیٰ نے سردار کاہن سے بحث کے دوران کہا" تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنے طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے" سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑ کے کہا" اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی ؟ تم نے یہ کفر سنا تمہاری کیا رائے ہے ؟" ان سب نے فتویٰ دیا کہ وہ قتل کے لائق ہے تب بعض ان پر تھوکنے اور ان کا منہ ڈھانپنے اور ان کو مکے مارنے لگے ...اور پیادوں نے انہیں طمانچے مار مار کے اپنے قبضے میں کر لیا (مرقس باب ۱۴ ۔ آیات ۵۳ ۔ ۶۵)

دوسرے دن عیسیٰ کو پنطس پیلاطس (PONTIUS PILATE) کی عدالت میں پیش کیا گیا جو یروشلم کا رومی گورنر تھا اسے یہودیوں کے مذہبی جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ اس نے عیسیٰ سے جرح کی تاکہ معلوم کرے کہ وہ ان سرغناؤں میں

سے تو نہیں ہے جو لوگوں کو فلسطین کی رومی حکومت کے خلاف ابھارتے ہیں اور اسے معلوم ہوا کہ وہ باغی نہ تھے وہ انہیں چھوڑ دینا چاہتے تھے لیکن عیسیٰ کے مخالفین نے دوسرے الزامات پیش کر دیئے۔

اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ عید کے موقع پر گورنر دو قیدیوں میں سے ایک کو جس کو لوگ چاہتے آزاد کر دیتا تھا۔ پیلاطس کے سامنے دو قیدی تھے یسوع ناصری (عیسیٰ) اور یسوع برابا جس نے رومی سلطنت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا لیکن گرفتار کر لیا گیا تھا اور موت کی سزا مقرر ہوئی تھی۔ پلاطس نے عدالت میں سرداروں سے پوچھا کہ تم کس کی رہائی چاہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا "برابا" کی!

برابا کو آزاد کر دیا گیا اور عیسیٰ کو سپاہیوں کے حوالہ کر دیا گیا جو انہیں گلگتا (بہ معنی "کھوپڑی کی جگہ") نامی پہاڑی پر لے گئے اور صلیب پر چڑھا دیا گھنٹوں صلیب پر چڑھے رہنے کے بعد عیسیٰ کا درد ناقابل برداشت ہو گیا اور آخرکار وہ مر گئے۔

"جب شام ہوئی تو یوسف نامی ارمتیاہ کا ایک دولت مند شخص آیا جو خود کو یسوع کا شاگرد بتاتا تھا اس نے پیلاطس کے پاس جا کر لاش مانگی اس پر پیلاطس نے دے دینے کا حکم دیا اور یوسف نے لاش کو لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا اور نئی قبر میں رکھ دیا جو اس نے چٹان میں کھدوائی تھی اور ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کے چلا گیا۔ (متی باب ۲۷۔ آیات ۵۷۔۶۰)

اس کے بعد وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹا ہوا پایا گیا اور مسیح کی لاش غائب تھی۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ عیسیٰ مر کر زندہ ہو گئے اور آسمان پر جا کر خدا کے دائیں جانب جا بیٹھے۔ یہ ہے عیسیٰ کا افسانہ حیات جو بائبل میں مذکور ہے۔

عیسائیت کی تاریخ

عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے بعد اس مذہب کے ماننے والوں میں وقتی طور پر انتشار پیدا ہو گیا لیکن اس کے بعد تیس سال کے اندر ہی اندر عیسائی مذہب یورپ کے مختلف حصوں میں پھیل گیا عیسائی مذہب کی ترقی کے تین اسباب تھے (۱) اس کی بعض خوبیاں جو اس زمانہ کے مذاہب میں نہ پائی جاتی تھیں (۲) عیسائیوں کا جوش و خروش

اور پاکیزہ زندگی جو انہیں اس زمانہ کے عیاشی میں مبتلا لوگوں سے ممتاز کرتی تھی (۳) تبلیغی کوششیں خصوصاً پال (یا سال) کی کاوشیں جو غالباً دنیا کا سب سے بڑا مبلغ تھا۔

دیگر مذاہب کے اثرات

جب عیسائی مذہب فلسطین سے نکل کر پڑوسی ممالک میں پھیلا تو اس وقت بحیرہ روم کے آس پاس کے ممالک میں آفتاب پرستی کا رواج تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آفتاب پرستی کے بیشتر عناصر عیسوی مذہب میں داخل ہو گئے حضرت عیسیٰ کی زندگی کا سب سے عجیب واقعہ ان کا کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہونا۔ اور مر کر زندہ ہونا ہے لیکن یہ عقیدہ عیسوی مذہب میں دوسرے مذاہب سے آیا ہے اور آفتاب کے عروج و زوال سے تعلق رکھتا ہے عیسوی مذہب کے آغاز سے پہلے مختلف ممالک میں ایسے دیوتاؤں کی کہانیاں رائج تھیں جو دوشیزاؤں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں دشمن انہیں قتل کر دیتے ہیں اور وہ مر کر زندہ ہو جاتے ہیں ۔ یہ مر کر زندہ ہونے والا دیوتا فی الحقیقت آفتاب تھا۔ جب وہ خط استواء کی جانب جنوب یا پاتال لوک کو جاتا تو موسم سرما یا خزاں کا آغاز ہوتا اور یہ گویا اس کی موت تھی ۔ جب وہ خط استواء سے شمال کی طرف جاتا اور گرمی یا فصل بہار آتی تو سمجھتے کہ وہ مر کر زندہ ہو گیا ہے ان دیوتاؤں کے نام مختلف ممالک میں مختلف تھے (۱)

ان ہی قصوں سے متاثر ہو کر حضرت عیسیٰ کا کنواری مریم سے پیدا ہونا اور مر کر زندہ ہونا بیان کیا جانے لگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عیسائیوں میں مریم کی تصویر یوں بنائی جاتی ہے کہ وہ گود میں ایک خوبصورت بچہ لئے ہوئے ہے ۔ یہ صریحاً مصر کی آئی سس دیوی کی نقل ہے جسے ہورس کو گود میں لئے ہوئے دکھایا جاتا تھا۔ عیسائیوں میں اس تصویر کا سنہ عیسوی کی پہلی تین چار صدیوں میں پتہ نہیں چلتا غالباً اس کی بنیاد اسکندریہ کے کلیسا نے پانچویں صدی میں ڈالی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مرنے کے تیسرے دن ۲۱ مارچ کو بروز اتوار زندہ ہو گئے تھے ۔ اس احیائے ثانیہ کی خوشی میں عیسائی ۲۱ مارچ یا اس کے بعد کے پہلے اتوار کو ایسٹر کا تہوار مناتے ہیں جس میں رشتہ داروں اور دوستوں کو رنگے ہوئے

انڈے اور کیک بھیجے جاتے ہیں۔ دراصل یہ رسم اینگلو سیکسن قوم میں بہار کی دیوی ایسٹر کی پرستش کے لئے مخصوص تھی ممکن ہے یہ وہی دیوی ہو جو سامی اقوام میں الشتر، ایشتار یا استاریہ کہلاتی تھی جس کی پرستش فنیقیوں کے ذریعہ سے انگلستان پہنچی ہو گی۔ الشتر کو مادر زمین مانا جاتا تھا اور انڈے کی مشابہت زمین سے ظاہر ہے۔

عیسائیوں کا مشہور تہوار کرسمس ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے کہتے ہیں یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی تاریخ ہے لیکن عیسیٰ سے پیشتر متعدد بار مر کر زندہ ہونے والے دیوتاؤں کی پیدائش بھی اسی تاریخ میں ظاہر کی جاتی تھی۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ایک دوسری آفتابی صفت یہ ہے کہ ان کا چرخ چہارم پر رہنا بیان کیا جاتا ہے اور فیثاغورث کے نظام ہیئت کے مطابق آفتاب کی جگہ چوتھا آسمان ہے۔

حضرت عیسیٰ کے بارہ شاگرد ظاہر کرنا بھی سال کے بارہ مہینوں کے لحاظ سے ہے عیسیٰ سے پیشتر متھرا کے بھی بارہ شاگرد بیان کئے جاتے تھے اور یونان کا ہرقلس بھی بارہ بڑے کام انجام دیتا ہے۔

۳۲۱ء میں قسطنطن نے یہ فرمان جاری کیا کہ آئندہ سے سبت بجائے ہفتہ کے اتوار کو منایا جائے کیونکہ ہفتہ کو یہودی سبت مناتے تھے اور وہ یہودیوں کے کل مراسم سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے کہا "یہ دن آفتاب ہمارے خداوند کا دن ہے" اس وقت سے کلیسا نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور یہ بات بھلا دی کہ غیر عیسائی اقوام میں یہ آفتاب پرستی کا دن تھا(۱)

مشہور ہے کہ عیسائیوں کا مقدس نشان صلیب قسطنطن اعظم کی اختراع ہے جسے اس نے عالم خواب میں آسمان پر دیکھا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ صلیب کا نشان مسیح سے صدیوں پیشتر مصر، کلدانیہ، فنیقیہ، یونان، روم، آئرلینڈ حتیٰ کہ امریکہ میں زندگی کی علامت کے طور پر مستعمل تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ صلیب کا نشان تناسلی اعضاء کی مرموز علامت تھا(۲)

گرجا کی تعمیر بھی سورج دیوتا اپالو کے مندر کے نمونے پر کی جاتی ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت آسٹر یعنی مذبح خانہ کا گوشہ مشرق میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں رومن

کیتھولک کے گرجوں میں کم عمر بچوں کو گیت گانے کے لئے رکھا جاتا تھا۔ تارک الدنیا مرد اور عورت کا رہنا بھی اپالو دیوتا کے مندروں کی یاد دلاتا ہے۔یہی نہیں بلکہ جس طرح اپالو کے راہب اپنے سر کے بالوں کو قرص آفتاب کی شکل میں کٹاتے تھے اس کی نقل آج بھی عیسائی راہب اور کیتھولک پادری کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جسے آج کل عیسائی مذہب کہا جاتا ہے اس میں کافی آفتاب پرستی پنہاں ہے۔ان تفصیلات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم ان عقائد کا ذکر کرتے ہیں جو عیسائیوں میں خدا اور عیسیٰ سے متعلق پائے جاتے ہیں۔

کنواری پیدائش

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر مرد کی قربت کے ایک معجزہ کی صورت میں پیدا ہوئے اس طرح کی پیدائش کا عقیدہ عیسیٰ سے پہلے بھی مختلف اقوام میں پایا جاتا تھا۔قدیم مصریوں کا اعتقاد تھا کہ ان کی رانیاں دیوتاؤں کے ذریعہ حاملہ ہوتی تھیں۔اہل یونان در دما بھی یہی سمجھتے تھے کہ خداوند زیوس انسانی عورتوں سے مباشرت کرتا ہے۔

(DIOGENES LAERTIUS) نے "حیات افلاطون" میں لکھا ہے کہ اس کا بھتیجہ اس بات کا مدعی تھا کہ افلاطون کی ماں ایک دیوتا سے حاملہ ہوئی تھی (۴) بعد کے بودھی ادب میں گوتم بدھ کی ماں کے بارے میں بھی یہی بات بتائی گئی ہے۔ ان تمام باتوں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ممکن ہے انہی کی نقل میں حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کا قصہ بھی گھڑ لیا گیا ہو۔اس کا ایک سبب یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ عہد نامہ قدیم کا یونانی میں ترجمہ کرتے وقت یسعیاہ باب ۷، آیت ۱۴ میں "لڑکی" یا "نوجوان عورت" کے لئے عبرانی لفظ کا ترجمہ "کنواری" کر دیا گیا اور پھر یہی غلطی عہد نامہ جدید میں بھی داخل ہو گئی۔

آمد مسیح

تاریخ یہود کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں تک برابر ایرانیوں،

یونانیوں اور دیگر طاقتور اقوام سے مغلوب رہنے کے بعد ان میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوا اور انہیں یہوواہ کے وہ وعدے یاد آئے جو مختلف پیغمبروں کی تحریروں سے ان تک پہونچے تھے اور وہ غیبی امداد کی امید کرنے لگے!

بنی اسرائیل اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ یہوواہ کی برگزیدہ قوم تھے جو واحد سچا خدا تھا اور اس بات کی توقع کرنے لگے کہ یہوواہ کی فوق الفطرت قوت سے ان کے اجداد کی حکومت از سر نو قائم ہو جائے گی اور یہ کہ داؤد کے گھرانے کا ایک فرد بطور مسیح کے ظاہر ہوگا جو عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو اپنے عصا کے زور سے متحد کر دیگا اور امن و امان کو قائم کریگا۔

یہ عقیدہ ان شاعروں اور پیغمبروں کا خاص موضوع تھا جو بابل میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل کا عروج اور پرستاران یہوواہ کی دنیوی خوشحالی ان کا اعلیٰ ترین نصب العین تھا اور مسیح سے ان کا مطلب کوئی روحانی نجات دہندہ نہ تھا جو گنہگاروں کو ازلی عذاب سے بچائے، کیونکہ وہ کسی قسم کی ابدی زندگی میں اعتقاد نہ رکھتے تھے اس لحاظ سے عیسائیوں کا عقیدہ آمد مسیح یہودیوں سے مختلف تھا اور غالباً ایران سے ماخوذ تھا جہاں آہورامزدا کے وعدہ کے مطابق بروز محشر سوسیوش کا عقیدہ رائج تھا۔

عیسیٰ کی قربانی

کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو باغ عدن میں رکھا اور زندگی یا علم کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا (باب ۱-آیات ۱۶-۱۷) لیکن انہوں نے حکم عدولی کی اور اسکی پاداش میں جنت سے نکالے گئے یہی گناہ انسان کی فطرت میں آگیا اور وہ مستوجب سزا ٹھہرا خدا کے انصاف کا تقاضہ تھا کہ انسان کو سزا دی جائے لیکن خدا کی محبت اسے عذاب سے بچانا چاہتی تھی لہذا کفارہ کی ضرورت پڑی مگر کوئی انسان فطرۃً گناہگار ہونے کے باعث کفارہ نہ ادا کر سکتا تھا سوا مسیح کے جو ابن اللہ ہونے کے باعث گناہ سے بری تھے لہذا انہوں نے صلیب قبول کی اور انسانی گناہوں کو بخشوا دیا۔ اس خیال کی تائید مختلف آیات سے ہوتی ہے۔

احیائے ثانیہ

عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ "مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کیلئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب اٹھا" (اکر نتھیون باب ۱۵۔آیات ۳-۴)

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ سے پہلے مختلف ممالک میں دیوتاؤں کے مر کر زندہ ہونے کا تخیل پایا جاتا تھا خصوصاً مصر میں جہاں اوسیریز کا مر کر زندہ ہونا عوام کے اعتقاد میں داخل تھا۔ہو سکتا ہے کہ مصر ہی سے یہ عقیدہ عیسوی مذہب میں داخل ہوا کیونکہ اسکندریہ عیسائی مذہب کی تبلیغ کا ایک خاص مرکز تھا۔

اسی سلسلہ میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عیسیٰ کے مر کر زندہ ہونے کے خیال کی تحریک اس طرح پیدا ہوئی کہ ان کی لاش مدفن سے غائب ہو گئی تھی۔اس باب میں کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ کی موت صلیب پر نہ ہوئی تھی۔جب وہ صلیب سے اتارے گئے تو غشی کی حالت میں تھے۔لوگوں نے انہیں مردہ سمجھ لیا اور ان کا ایک شاگرد مسمی یوسف جو ارمیتاہ کے شہر کا ایک دولت مند شخص تھا انہیں گھر لے گیا (متی ۵۷\۲۷، مرقس ۴۳\۱۵، لوقا ۵۱\۲۳، یوحنا ۳۸\۱۹،) ان کی مرہم پٹی کی اور پھر انہیں بھگا دیا۔ اس کے بعد عیسیٰ نے اپنی بقیہ زندگی عیسیٰ (؟) نامی مذہبی فرقے کے درمیان محنت و مشقت اور غور و فکر میں گزار دی۔جب سینٹ پال ان سے ملا تو وہ گڈریے کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے مسیح ہونے کے دعوے کو چھوڑ چکے تھے۔

عقیدہ تثلیث

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ موحد تھے چنانچہ ایک جگہ: "خدا کو "خدائے واحد اور برحق" کہتے ہیں (یوحنا ۳\۱۷) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: ۔تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا (لوقا ۱۹\۱۸) حضرت عیسیٰ عقیدہ، توحید کے قائل تھے لیکن بعد کو عیسائیوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا جس کے اسباب کچھ اور تھے۔

مثلث قدیم زمانہ میں ایک متبرک نشان سمجھا جاتا تھا اور اعضائے جنسی کی مرموز شکل تھا اگر اس کی چوٹی نیچے ہوتی تو وہ نسائی عضو کی علامت سمجھا جاتا تھا اور اگر

اس کی چوٹی اوپر ہوتی تو اسے مردانہ عضو کی نشانی سمجھتے تھے اور دو مثلثوں کے میل سے جو چھ کونوں کا ستارہ بنتا ہے اس کو دونوں اعضا کا اتصال سمجھا جاتا تھا۔ یہودیوں کے تمام معابد میں اس قسم کے نشانات بکثرت دیکھنے میں آئے ہیں اور ان کی اصطلاح میں انہیں مہر سلیمانی کہتے ہیں۔

قدیم مصریوں میں ہر مندر میں تین بت ہوا کرتے تھے:۔(۱) دیوتا (۲) دیوی (۳) ان دونوں کا ثمرہ اتصال یعنی بچہ، لیکن یہ تینوں تثلیث فی التوحید کی صورت میں ہوتے تھے اور اس تثلیث کے اظہار کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک حلقہ میں مثلث کھینچ دیا جاتا تھا اس کے معنی سیت، ہورس اور شو تھے اور تینوں معبودوں کی تشریح یہ کی جاتی تھی کہ ہورس برسات ہے۔ سیت خشک سالی اور شو ہواؤں اور طوفان کا دیوتا ہے۔

قدیم مصریوں کی سب سے مشہور تثلیث اوسریز، آئسس اور ان کے بیٹے ہورس پر مشتمل تھی اور اسی تثلیث سے غالباً مسیحی تثلیث لی گئی جس کا مفہوم ان کے یہاں باپ، بیٹا اور روح القدس ہے (۶)

مصر کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی تثلیث یا تریمورتی کا تخیل پایا جاتا تھا مثلاً

سمیری (بابلی)	ہندو	یونانی	رومی	کیفیت
انو	برہما	زیوس	جوپیٹر	آسمان کا دیوتا
ایا	وشنو	پوزیڈان	نیپچون	پانی کا دیوتا
بیل	مہیش (شیو)	ہیڈس	پلوٹو	زمین کا دیوتا (۷)

ان دیوتاؤں کی خصوصیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عدد "تین" کا تعلق مردانہ عضو کی ساخت کے علاوہ بعض دیگر اشیاء سے بھی تھا مثلاً آسمان، زمین اور پانی (بحر المحیط جسے زمین کے چاروں طرف مانا جاتا تھا) زمان، مکان اور مادہ، طول، عرض اور اونچائی (ابعاد ثلثہ) اور زمانہ موجودہ، گزشتہ اور آئندہ وغیرہ اس لئے تین کو ایک مرموز اور مقدس عدد مان لیا گیا۔

اقانیم ثلاثہ

اگرچہ خدا کی ابویت کا تخیل یہودیوں میں بہت پہلے سے پایا جاتا تھا لیکن بعض کا خیال ہے کہ ان میں اس خیال کو مستحکم کیا یونانی مذہب نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے دو صدی پہلے یہودی، یونانی دیو مالا کے جوپیٹر (JUPITER) سے آشنا ہوئے جو نہ صرف تمام دیوتاؤں کا بلکہ ساری دنیا کا باپ تھا اور ۱۷۵ اور ۱۴۳ ق ۔م کے مابین اسی کی پرستش نے بابل اور شمالی فلسطین میں رواج پایا۔

پھر چونکہ جوپیٹر آسمان کا دیوتا تھا اس لئے عیسائی بھی خدا کو آسمانی باپ ماننے لگے اور حضرت عیسیٰ نے دنیا میں ملوکیت الہیہ یا آسمانی بادشاہت (KINGDOM OF HERVEN) کے قائم ہونے یا اس کے آنے کی خوش خبری دی۔

یہودی مذہب میں خدا کا انسان سے وہی تعلق تھا جو ایک مطلق العنان حکمراں کا اپنی رعیت یا آقا کا اپنے غلام سے ہوتا ہے۔ لیکن عیسائی مذہب میں خدا اور انسان کا تعلق باپ اور بیٹے کا تعلق ہے۔ اس نئے تعلق کا قیام گویا انفرادی روح اور کائناتی روح کا اتحاد تھا۔

ابن اللہ

یہودی اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، وہ انہیں "یوسف کا بیٹا یسوع ناصری" (یوحنا ۴۵\۱) ہی کہتے تھے بلکہ بعض کو تو اس بارے میں بھی شبہ تھا اور ۔۔ انہیں ناجائز مولود سمجھتے تھے۔ انہیں مریم کے عفیفہ ہونے میں شک تھا۔ خود حضرت عیسیٰ نے بعض مقامات پر اپنے کو "ابن آدم" کہا ہے لیکن عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے اکلوتے بیٹے تھے مگر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی کو خدا کا واحد بیٹا کیوں کہا جائے (۹)؟ کیا ہر شخص آسمانی باپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا جب کہ استثنا باب ۱۴ کی آیت امیں صریحاً مذکور ہے "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔" یا جیسا کہ موسیٰ فرماتے ہیں "کیا ۔۔ تیرا باپ نہیں ہے جس نے تجھے مول لیا" (استثنا ۳۲\۶) ان سوالات کا ایک مختصر سا جواب یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم کی ان عبارتوں میں جہاں پر کہا گیا ہے کہ "تم خدا کے بیٹے ہو۔" اس سے محض خالق کی

پدرانہ شفقت اور مخلوقات کی اطاعت کا اظہار ہے (جیسے بیٹا باپ کی اطاعت کرتا ہے) اس سے ان کا مطلب نہیں جو عیسائی حضرت عیسیٰ کی الہی ولدیت سے لیتے ہیں۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کا اپنے کو ابن اللہ کہنے سے کیا مطلب تھا کیونکہ انہوں نے خود اپنی کوئی تحریر نہیں چھوڑی ہے لیکن انجیلوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین میں ابن اللہ کے بارے میں دو تصور تھے۔ متی اور لوقا حضرت عیسیٰ کو ان کی فوق الفطرت (یعنی کنواری مریم سے) پیدائش کی بنا پر خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ برخلاف اس کے یوحنا کی انجیل میں ابن اللہ کا جو تخیل پیش کیا گیا ہے اس میں کافی فلسفہ پنہاں ہے۔

یہودی مذہب میں خدا کا تخیل عالم مادی سے اس قدر بلند ہے کہ تقریب خداوندی کا خیال بھی یہودیوں کے نزدیک خدا کی توہین ہے اس سے انسان کا تعلق ویسا ہی ہے جیسے خالق کا مخلوق سے، حکمراں کا رعیت سے یا آقا کا ملازم سے۔ خدا اور انسان کے درمیان جو علیحدگی کی یہ وسیع خلیج حائل تھی اسے متعدد پیغمبروں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا خصوصاً اس وقت جب یہودی مذہب یونانی مذہب کے مقابل ہوا، جس میں خدا اور انسان کے بہت نزدیک تھا۔ اس خلیج کو پر کرنے کے لئے اسکندریہ کے توفلاطونی یہودیوں نے یونانی فلسفیوں کے نظریہ کلام (LOGOS THEORY) کا سہارا لیا۔ اس خیال کا محرک فیلو (PHILO) اور اس کے متبعین تھے۔ فیلو حضرت عیسیٰ کا ہم عصر بھی تھا لیکن ان سے ناواقف (اس نے ان کا ذکر تک نہیں کیا) متعدد مستشرقین اور عہد نامہ جدید کے نقادوں کا خیال ہے کہ چوتھی انجیل کا لکھنے والا فیلو کا پیرو اور حضرت عیسیٰ کا معتقد تھا کیونکہ صرف اسی انجیل میں حضرت عیسیٰ کو یونانی لوگس کا مترادف ٹھہرا دیا گیا ہے اور اسی لئے انہوں نے اپنی انجیل کا آغاز اس مشہور آیت سے کیا ہے جس نے عرصہ تک عیسائی ماہرین دینیات کو دماغی الجھن میں مبتلا رکھا یعنی "ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا" (یوحنا ۱\۱)

فیلو کے نزدیک جس کی تعلیم توفلاطونی اسکول (۱۰) میں ہوئی تھی لوگ سے مراد وہ مثالی تخلیق تھی جو عقل الہیٰ میں اصل تخلیق سے پہلے موجود تھی مثلاً روشنی کی پیدائش سے پہلے خدا نے کہا کہ "اجالا ہو" ۔ یہ محض روشنی کے اس تخیل کا مسموع اظہار

تھا جو عقل الٰہیٰ میں موجود تھا اس نے ظاہری صورت اختیار کرلی ۔ اس مثالی یا خیالی روشنی کو مادی روشنی اور غیر مرئی الٰہیٰ کی درمیانی کڑی کہا جاسکتا ہے ۔ اس طرح مثالی تخلیق غیر مرئی خالق اور ظاہر مخلوقات کے درمیان واسطہ بن جاتی ہے ۔ عقل الٰہیٰ کا یہی خیال فیلو کا لوگس تھا ۔ چونکہ یہ لوگس یا مثالی عالم کا تناتی دماغ کا پہلا اظہار تھا اس لئے اس "مولود اول " اور پیدا کیا ہوا واحد بیٹا " کہا گیا ۔ بہر حال ان کلمات کو فیلو اور اس کے متبعین نے شاعرانہ یا استعارانہ انداز میں استعمال کیا تھا ۔

اس نظریئے کے مطابق عقل الٰہیٰ میں تخلیق عالم سے پہلے کائنات میں موجود کل اشیاء کے نمونے موجود تھے ۔ چنانچہ قبل اس کے کہ انسان ظہور میں آئے ایک مثالی انسان یا اس کا ایک مکمل نمونہ خدا کے ذہن میں موجود تھا ۔

اب چونکہ انجیل کا لکھنے والا فیلو کے نظریئے کا حامی اور حضرت عیسیٰ کا معتقد تھا لہٰذا اس نے حضرت عیسیٰ کو کلام مجسم ، انسان کامل اور خدا کا بیٹا بنادیا ۔

روح القدس

(HLOY SPIRIT) عیسائی تثلیث کا تیسرا رکن ہے ۔ عہد نامہ قدیم میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر پایا جاتا ہے سب سے پہلے کتاب پیدائش میں یوں مذکور ہے :۔

" اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی (باب ا ۔ آیت ۲)

عہد نامہ جدید میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے سلسلہ میں ان کا یوں تذکرہ ہے :۔

" جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھا ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی " (متی باب ا ۔ آیت ۱۸)

بعد ازاں یہی روح حضرت عیسیٰ کے بپتسمہ کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہے :۔

" اور یسوع (عیسیٰ) کے بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو کہ اس کے لئے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کو

کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ جس سے میں خوش ہوں" (متی باب ۳۔ آیات ۱۶۔۱۷)

دراصل روح القدس کا تخیل وادی دجلہ و فرات کے سورج دیوتا اشور سے ماخوذ تھا جس کی علامت کو ایرانیوں نے اپنے خدا "آہورا ماژدا کی روح" کے لئے اپنا لیا اور اسی اشور کی بدلی ہوئی صورت عیسائیوں میں روح القدس کے لئے بنائی جاتی ہے

بائبل میں بعض مقامات پر روح القدس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے گویا اس کے لکھنے والے ہندوؤں کے آتما اور پرماتما کے تخیل سے واقف تھے ایک طرف تو خدا کو "سارے جسموں کی جانوں کا خدا" کہا گیا ہے (گنتی ۲۲\۱۶) اور دوسری طرف "روحوں کا باپ" (عبرانیوں ۹\۱۲)

عیسیٰ اور تصوف

حضرت عیسیٰ کی زندگی پر نظر ڈالنے اور ان کے اقوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صوفی منش انسان تھے سچنانچہ انہوں نے اپنی روحانی قوت سے ہر قسم کے مریض اچھے کئے اور دوسرے صوفیوں کی طرح رہبانیت کی بھی تعلیم دی مثلاً

"دولت مندوں کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے"

(متی باب ۱۹۔آیت ۲۳)

"اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کر دو" (لوقا۔باب ۱۲۔آیت ۳۳)

وہ خود بھی مجرد تھے اور دوسروں کیلئے بھی تجرد ہی پسند کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے روحانیت پر بڑا زور دیا اور کہا کہ:۔"خدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے" (لوقا ۲۱\ ۱۷) اور "میں اور میرا باپ ایک ہیں" "جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے" (یوحنا ۴۵\۱۲) اور یہی بات ان کے ماننے والے بھی بیان کرنے لگے مثلاً "مسیح یسوع خدا کی صورت پر تھا" (فلپیوں ۶\۲) "وہ غیر مرئی خدا کی صورت ہے" (کلسیون ۱۵ \۱) "وہ خدا کے جلال کے پرتو اور اس کی ذات کی صورت ہے" (عبرانیوں ۳\۱) یہاں پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ صرف حضرت عیسیٰ ہی خدا کی صورت پر نہ پیدا کئے گئے تھے

بلکہ کل انسانوں کو "خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا اور اپنی مانند بنایا" (پیدائش باب ۱ آیات ۲۶ - ۲۷) اس لئے کل انسان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ کامل ہوں۔

حضرت عیسیٰ نے عبادت و ریاضت سے زیادہ خدمت اور عالمگیر اخوت پر زور دیا جسے ان کے مشہور شاگرد یوحنا نے ایک نہایت ہی دلکش انداز میں پیش کیا یعنی۔ ۱۲

"اے عزیزو۔ آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں کیونکہ محبت خدا کی طرف سے ہے اور جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا کیا ہوا ہے اور خدا کو جانتا ہے جو محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا کیونکہ خدا محبت ہے۔" (یوحنا ۷\۴)

عیسیٰ کی نبوت

عیسائی مذہب کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ: ۔خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ میں واسطہ بھی ایک ہے یعنی یسوع مسیح جو انسان ہے" (ا تمتھیس باب ۲ ۔ آیات ۴ - ۵) خود حضرت عیسیٰ کو بھی اس کا احساس تھا جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

"باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں بس جو کچھ میں کہتا ہوں جس طرح باپ نے مجھ سے فرمایا اس طرح کہتا ہوں" (یوحنا ۴۹ - ۵۰ \ ۱۲) جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے" (یوحنا ۲۴\ ۱۴)

عیسیٰ کا حکومت

عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا اکلوتا بیٹا مانتے ہیں جس کا خدا نے یوں اقرار کیا ہے "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔" (۱۷\ ۴، ۵\ ۱۷)۔یہی نہیں بلکہ خدا نے اپنے سارے اختیارات عیسیٰ کو سونپ دیئے ہیں جیسا کہ عیسیٰ کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے: ۔آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے (متی باب ۲۸۔ آیت ۱۸)

عیسائیوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر خدا کی داہنی طرف بیٹھے ہیں اور "جب تک وہ سارے دشمنوں کو اپنے پاؤں تلے نہ لے آئیں اس کو بادشاہی کرنا ضروری ہے" (ا۔کرنتھیون ۲۵ \ ۱۵)

انہیں خیالات سے وابستہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے اوتار تھے۔

عیسیٰ:۔ خدا کا اوتار

عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ اب سے ۱۹۹۳ سال پہلے خدا نے حضرت عیسیٰ کے انسانی جامہ میں اوتار لیا تاکہ بنی نوع انسان پر اپنی محبت ظاہر کرے اور اسے ازلی عذاب سے بچائے۔ دوسری صدی عیسوی سے پہلے اس عقیدہ کا پتہ نہ تھا۔ جسٹن شہید (ا) نے دوسری صدی کے وسط میں پہلی دفعہ اس نظریہ کو پیش کیا اور اپنی اس دریافت کو الہامی قرار دیا(۱۳)

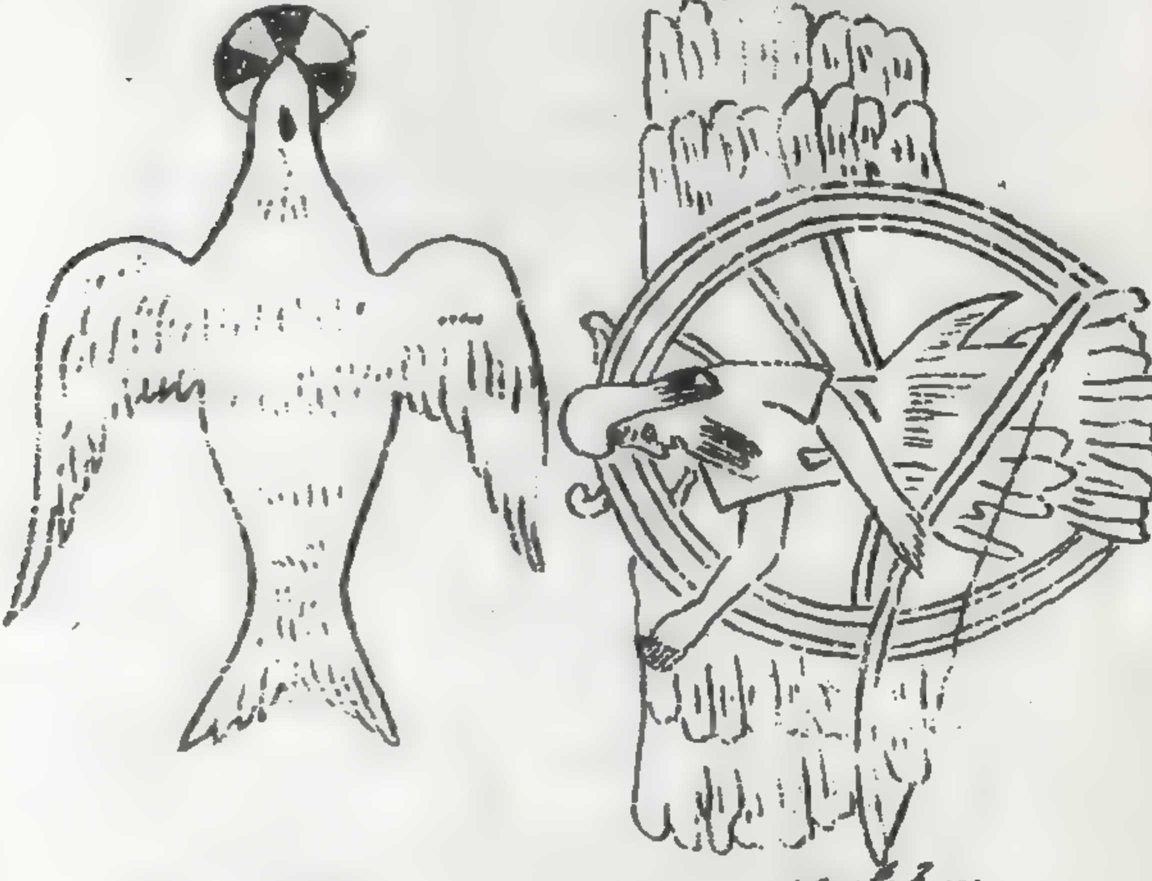
باپ اور بیٹے کا صحیح تعلق کیا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں یہ مسئلہ خاص موضوع بحث تھا خصوصاً اسکندریہ میں یہ بحث اتنی بڑھی کہ قسطنطین اعظم نے ۳۲۷ء میں ایک مجلس طلب کی اور پادریوں کے جھگڑے کا یوں فیصلہ ہوا۔ " مقدس کیتھولک کلیسہ ان لوگوں کو مردود قرار دیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب خدا کا بیٹا نہ تھا اور یہ کہ وہ (باپ سے الگ) کسی دوسرے جوہر سے بنایا گیا اور یہ کہ وہ مخلوق اور تغیر پذیر ہے " اکثریت کی تائید سے یہ فیصلہ منظور ہو گیا۔

اس کے بعد پھر باپ اور بیٹے کا رشتہ معرض بحث میں آیا اور ۴۳۱ء میں ایفیسس کا مجلس میں اکابرین دین نے فیصلہ کیا کہ " جو (باپ اور بیٹے کی) دو انواع کو تسلیم کرتا ہے نسطوری ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس طرح تلوار کے زور سے مذکورہ عقیدہ منوا لیا گیا۔

خدا کی صفتیں

یہودیوں کی طرح عیسائی بھی ایک " ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا " (ا تھمیس ۱\۱۷) میں اعتقاد رکھتے ہیں جو اول و آخر ہے جس کی " ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی مختلف چیزوں کے ذریعہ سے صاف نظر آتی ہے " (رومیوں ۱\۲۰) " اس سے مخلوقات کی کوئی چیز چھپی نہیں بلکہ جس سے ہم کو کام ہے اس کی نظروں میں سب چیزیں کھلی اور بے پردہ ہیں " (عبرانی ۴\۱۳) " وہ قادر مطلق ہے

اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں" (مکاشفہ ۳\۱۵) وہی تمجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے ساری چیزیں پیدا کیں" (۱۴\۴) "وہ انسانوں کا روز قیامت میں حساب کرے گے (رومیوں ب ۲۔آیات ۵۔۶)



وہ رحم بھی ہے:۔

"خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باپ ہے" (کرنتھیون ۳\۱)

اور ظالم بھی:۔

"ہمارا خدا بھسم کر دینے والی آگ ہے" (استثنا ۲۴\۴، عبرانیوں ۲۹\۱۲)

عہد نامہ جدید میں سب سے بہتر خیال اس کے ہمہ جا ہونے سے متعلق ہے۔ پولس نے ایتھنس کے وعظ میں اسی چیز کو بیان کیا:۔

"جس خدا نے دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا۔ نہ کسی چیز کا محتاج ہو کر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے کیونکہ

وہ تو خود سب کو زندگی اور سانس اور سب کچھ دیتا ہے۔ اور اس نے ایک ہی اصل سے آدمیوں کی ہر ایک قوم تمام روئے زمین پر رہنے کے لئے پیدا کی اور ان کی میعادیں اور سکونت کی حدیں مقرر کیں تاکہ خدا کو ڈھونڈیں شائد کہ ٹٹول کر اسے پائیں۔ ہر چند کہ وہ ہم میں کسی سے دور نہیں کیونکہ اس میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں" (اعمال باب ۱۷۔آیات ۲۴۔۲۸)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجموعہ استفسار جواب جلد دوم" یا "من ویزداں جلد دوم از مولانا نیاز فتح پوری

۲۔ انگریزی سن ڈے ہندی اتوار مخفف ہے "آدیتہ وار" کا دونوں کے معنی ہیں سورج کان

۳۔ ترغیبات جنسی مصنفہ نیاز فتح پوری (مطبوعہ ۱۹۴۱ء) صفحات ۶۹۔۷۰

۴۔ کہا جاتا ہے کہ جوپیٹر آمون اسکندر اعظم کی ماں اولمپاس سے سانپ کے بھیس میں ملا تھا اور اس مواصلت سے سکندر پیدا ہوا

۵۔ یہ لوگ کریت کے نالے کے پاس آباد تھے جو یرون کے سامنے تھا (اسلاطین باب ۱۷۔آیات ۳ ۴)

۶۔ ترغیبات جنسی۔ مصنفہ نیاز فتح پوری مطبوعہ ۱۹۴۱ء صفحات ۱۷۔۳۷

۷۔ زمین میں اس کی اوپری سطح اور اندرونی حصہ (پاتال لوک یا تحت الارض) دونوں شامل ہیں

۸۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ خدا کی ابویت کا تخیل سامی قوم سے پہلے آریہ قوم میں پیدا ہوا

۹۔ زبور ۲ کی ساتوں آیت "تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا

۱۰۔ نو فلاطونیت جسے اشراقیت بھی کہتے ہیں۔ تیسری صدی عیسوی کا ایک خاص فلسفہ تھا جو افلاطونی خیالات میں مشرقی باطنیت کی آمیزش سے پیدا ہوا تھا

۱۱۔ برخلاف اس کے انہوں نے بعض مقامات پر اپنے کو خدا سے جدا فرمایا ہے

۱۲۔ افلاطونی اسکول کا ایک فرد تھا جس عیسائی مذہب قبول کرلیا وہ افلاطون کے اصول تثلیت میں اعتقاد رکھتا تھا

۱۳۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ اوتار کا خیال ہندوستان سے ماخوذ تھا

مذہب اسلام

مذاہب عالم میں اسلام سب سے کم عمر ہے، اور دیگر مذاہب کے خلاف اس کا آغاز ماضی کی تاریکیوں میں گم نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور و انتشار ایک واضح تاریخی واقعہ ہے۔ رسول اللہ کے زمانہ تک یہ تمام صرف عرب تک محدود تھا لیکن ان کی رحلت کے بیس سال کے اندر وہ پورے شرق اوسط پر چھا گیا۔ شام ۶۳۵ء میں، عراق ۶۳۷ء میں، فلسطین ۶۴۰ء میں، مصر ۶۴۲ء میں فتح ہو گیا۔ اور ۶۵۰ء میں ایرانی سلطنت پر اسلامی پرچم ہرانے لگا۔ اس کے بعد پورے شمالی افریقہ اور اسپین میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ مشرق میں اسلام ہندوستان، چین اور انڈونیشیا تک پھیل گیا اور آج اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد ۵۰ کروڑ ہے جو انسانی آبادی کے ساتویں حصہ سے بھی زیادہ ہے۔

اسلام کی غیر معمولی کامیابی کا سبب نہ صرف رسول کی شخصیت اور نئے مسلمانوں کا جوش و خروش تھا بلکہ مذہب کی سادگی اور فطرت انسان سے اس کی مطابقت بھی کامیابی کی ضامن تھی۔ لفظ اسلام کا تعلق لفظ سلام سے ہے جس کے معنی "امن و سلامتی" کے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ "سپردگی" کے معنی میں بھی آیا ہے

اسلام کسی خاص قوم کا مذہب نہیں بلکہ ساری دنیا کا مذہب ہے اور وہ رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ اخوت اور مساوات اسلام کی خصوصیات ہیں، لیکن اسلام کے ظہور سے قبل عرب ذہنیت اس سے بالکل مختلف تھی۔

عرب کا ابتدائی مذہب

عرب، سامی، قوم کا گھوارہ تھا۔ بابلی، آشوری، آرامی، کنعانی، فینقی اور

اسرائیل اقوام ماضی بعید میں عرب سے ہجرت کر کے عراق، شام، فنیقیہ اور فلسطین وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئی تھیں۔ اہل عرب سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ان میں بھی دیگر سامی اقوام کی طرح شجر و حجر کے علاوہ سورج چاند وغیرہ کی پرستش کا رواج پایا جاتا تھا۔ یہ جنات اور شیاطین کے بھی قائل تھے اور دیوتاؤں کے بت بنا کر ان کی پوجا بھی کرتے تھے جنہیں عربی زبان میں اصنام، نصوب اور اوثان کہتے ہیں اور ان پر بسا اوقات انسانی قربانیاں بھی کی جاتی تھیں۔ ان کا سب سے خاص دیوتا سورج (شمس) تھا جس کے نام پر لوگ اپنا نام عبد شمس، عبدالشارق اور عبد محرق (محرق بہ معنی جلانے والا، سورج) رکھتے تھے سورج کے علاوہ ستاروں پر بھی نام رکھے جاتے تھے۔ جیسے عبدالثریا اور عبدالنجم وغیرہ۔ طوفان کے دیوتا کا نام قزح تھا۔

سورہ ۷۱ (نوح) کی آیت ۲۳ میں ان دیوی دیوتاؤں میں سے بعض کے نام یہ بتائے گئے ہیں: ۔ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، ود، مرد کی صورت کا بت تھا، سواع، عورت کی مورت تھی جس سے فسق و فجور کے جذبات وابستہ تھے۔ یغوث کی صورت شیر کی، یعوق کی گھوڑے کی اور نسر کی گدھ کی، اگرچہ ان معبودوں کی پرستش قرآن میں نوح کی قوم سے منسوب کی گئی ہے لیکن علمائے مغرب کا خیال ہے کہ یہ دراصل اہل عرب ہی کے معبود تھے۔

سورہ ۵۳ (النجم) کی آیات ۱۹۔۲۱ میں اللات، العزیٰ اور مناۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے انہیں اللہ کی بیٹیاں مانا جاتا تھا یہ بالترتیب چاند، زہرہ، ستارے اور قسمت کی دیویاں تھیں۔ اللات، اللہ کی تانیث ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کی بیوی تھی بلکہ جیسے اللہ کے معنی "معبود" کے تھے اللات کے معنی "معبودہ" یا "دیوی" کے تھے۔ اس کا ذکر ہیروڈوٹس کی تاریخ قدیم عربی کتبات اور قبل اسلامی شعراء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ دھرتی ماتا تھی جس کی پرستش ساری دنیا میں ہوتی تھی۔ العزیٰ کے معنی "طاقتور" کے تھے۔ اس کی پرستش کا قوم سباء میں بھی پتہ چلتا ہے اور اس کے نام پر لوگ اپنا نام العزیٰ رکھتے تھے۔ ابن اسحٰق (متوفی ۱۵۰ھ) کے بیان کے مطابق العزیٰ محض ایک مکان تھا جس کی اہل قریش تعظیم کرتے تھے لیکن واقدی (متوفی ۲۰۷ھ

۵۲۲ء) کا بیان ہے کہ وہ ایک بت تھا جس کے توڑنے سے ایک حبشی عورت برآمد ہوئی یہ خود دیوتی تھی ۔اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بت شکن نے اسے تہ تیغ کر دیا ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قدیم مورخین کو اس دیوی کی ماہیت کا صحیح علم نہ تھا

"مذہب زردشت (۱) کے بعض علماء کا خیال ہے کہ عرب پر پہلے ایرانیوں ہی کی حکومت تھی ۔چنانچہ مہ آبادیوں کی باقیات الصالحات میں ابھی تک مکہ اور مدینہ کا وجود پایا جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک شہر مکہ ، مہ آبادی ، ایرانیوں کا آباد کردہ ہے ۔ مہ آبادیوں نے وہاں ایک مندر تعمیر کیا جس میں چاند کی مورت رکھی تھی اور زحل کی یاد میں ایک سیاہ پتھر بھی نصب کیا ۔اس عبادت خانہ کا نام مہ گہ یعنی، چاند دیوتا کی جگہ رکھا جو کثرت استعمال سے مکہ ہوگیا (۲) اور کیوان کا سیاہ پتھر حجر اسود، اسی طرح انہوں نے لفظ مدینہ کو مہ دینہ بنایا ہے جس کے معنی "چاند کی بستی" کے ہیں ۔اس لفظ مدینہ سے لفظ مداین نکلا ہے جو ایران کا پایہ تخت تھا اور جہاں چاند کی مورتیوں کے بہت سے مندر تھے ۔اس کا یہ بھی خیال ہے کہ عرب میں چاند کی دیوی کو منات کہتے تھے ۔"
بہرحال مکہ ایک تجارتی مرکز تھا کیونکہ یہاں سے ہوکر ہندوستان کا مال مصر، عراق اور ایران وغیرہ جایا کرتا تھا ۔مکہ ہی میں عربوں کی مرکزی عبادت گاہ تھی جسے کہتے ، تو بیت اللہ (خانہ خدا) تھے لیکن تھا وہ بت خانہ جہاں سال کے دنوں کی مناسبت سے ۳۶۰ بت نصب تھے ۔ علاوہ ازیں کعبہ کی چھت پر ایک قوی ہیکل بت نصب تھا جسے ہبل کہتے تھے بعض قبایل اسے صنم اکبر مانتے تھے ۔اس کی ہیبت ایک تنومند فربہ آدمی کی تھی اور یہ تانبے یا سیسے کا بنا ہوا تھا ۔بڑی بڑی مرادیاں اسی پر چڑھائی جاتی تھیں اور بغیر اس کی اجازت کے کسی اہم کام کی ابتداء نہ کی جاتی تھی ۔اس کے سامنے ہمیشہ سات تیر پڑے رہتے تھے ان پر ہاں یا نہیں لکھا ہوتا تھا ۔کوئی عرب جب کوئی کام کرنا چاہتا تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتا اور ہاں یا نہیں جو کچھ نکلتا اسی کے مطابق عمل کرتا ۔غالباً یہ وہی دیوتا تھا جسے اہل فنیقیہ ، بعل کہتے تھے

ان بتوں کے علاوہ ان میں خدائے برتر کا اعتقاد بھی پایا جاتا تھا جسے اللہ تعالیٰ

کہتے تھے ۔ اللہ کا لفظ بہت پرانا ہے ۔ خود آنحضرت کے والد کا نام عبداللہ (یعنی " اللہ کا بندہ ") تھا وہ خانہ کعبہ کو بیت اللہ (خانہ خدا) کہتے تھے ۔ زمانہ جاہلیت کی ان نظموں میں جنہیں المعلقات کہتے ہیں ۔ لفظ اللہ کثرت سے استعمال ہوا ہے ۔

قرآن مجید سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مکہ اپنے تمام معبودوں کو اللہ کا ماتحت سمجھتے تھے (اگرچہ وہ عملی طور پر دوسروں کی اللہ سے کہیں زیادہ تعظیم کرتے تھے اللہ کی نسبت یہ عقیدہ تھا کہ وہ اتنا بڑا معبود ہے کہ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے سینکڑوں معبود اسی خیال سے پوجے جاتے تھے کہ اللہ کی درگاہ میں شفیع ہوں گے ۔ وہ اللہ اور جنوں میں رشتہ مانتے تھے (۳۷ \ ۱۵۸) اور جنوں کو اللہ کا ساجھی سمجھتے تھے (۶ \ ۱۰۱) اور اسی لئے ان سے استمداد کرتے تھے (۷۲ \ ۶) اللہ کے بیٹے بیٹیاں بھی مانے جاتے تھے (۶ \ ۱۰۱) اللہ کی بیٹیوں کا کئی مقامات پر ذکر ہے (۵۷ \ ۱۶، ۱۴۹ \ ۳۷، ۵۳ \ ۲۱) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ اللہ کو خالق اور قادر مطلق مانتے تھے (۱۷ \ ۱۳، ۲۵ \ ۳۱، ۳۸ \ ۳۹، ۹ \ ۴۳، ۸۷ \ ۴۳) شدید مصیبت میں اسے یاد کرتے تھے (۳۳ \ ۳۱ \ ۳۲، ۲۹ \ ۶۵، ۲۱ \ ۵۳، ۲) سب سے بڑی قسم اللہ کی سمجھی جاتی تھی (۱۴ \ ۶، ۳۸ \ ۱۶، ۴۲ \ ۳۵) وہ نذر و نیاز کے موقعوں پر اللہ کا حصہ دوسرے معبودوں سے الگ رکھتے تھے (۶ \ ۱۳۷) اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر انہیں یا ان کے اسلاف کو اللہ نے دوسرے معبودوں کی پرستش سے منع کیا ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے (۱۴۹ \ ۶، ۱۶۹ \ ۳۷)

اصلاح کی ضرورت

اہل عرب مختلف قبیلوں میں منقسم تھے ۔ یہ قبیلے باہم لڑا کرتے تھے ذرا ذرا سی بات پر تلوار کھینچ جایا کرتی تھی اور سالوں کشت و خون کا بازار گرم رہا کرتا تھا ۔ سماج میں عورت کی حالت نہایت گری ہوئی تھی انہیں غلاموں سے برتر سمجھا جاتا تھا اور غلاموں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی ۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے یا پانچ چھ سال کا ہونے پر زندہ دفن کر دیتے ۔ کثرت ازدواج اور اشتراک فی النسواں کا رواج تھا شراب خوری کا یہ عالم تھا کہ زیادہ پی جانے سے اکثر موتیں ہو جایا کرتی تھیں اور جوئے

کا ایسا شوق تھا کہ لوگ خود اپنی بازی لگا دیتے اور ہارنے پر غلام بن کر زندگی گزارتے۔ خانہ کعبہ کا طواف مرد اور عورت برہنہ ہو کر کرتے تھے اور بجائے ایک کے سینکڑوں معبودوں کے آگے جبیں سائی کرتے تھے۔ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اصلاح کی سخت ضرورت تھی۔ خود مکہ اور مدینہ میں یہودی اور عیسائی کثرت سے آباد تھے وہ اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔اگرچہ اس قسم کی کوئی منظم کوشش تو نہ کی گئی تھی تاہم بعض عربی قبایل ان کے زیر اثر آگئے تھے۔ان کا مذہب بہر حال عربوں کے مذہب سے افضل تھا۔کم از کم وہ بت پرست نہ تھے اس لئے بعض اہل عرب خود اپنی اصلاح کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔رسول اللہ سے پہلے ایک فرقہ عرب میں پایا جاتا تھا جو مذہبی اصلاح کا حامی تھا اس فرقہ کے لوگ اپنے کو "دین ابراہیمی" کا پیرو کہتے تھے لیکن ان کے عقائد یہودیوں سے مختلف تھے۔لہذا یہودیوں نے انہیں حنفی کہنا شروع کر دیا جس کے اصل معنی "کافر یا بدعتی" کے ہیں۔لیکن بعد میں یہ لفظ دین ابراہیمی کے پیرو کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا اور تاریخ میں یہ فرقہ حنیف کے نام سے مشہور ہوا۔اس فرقہ میں زید ابن عمر ایک بڑے پایہ کی شخصیت گزری ہے جس سے خود رسول صلعم بہت متاثر ہوئے تھے۔

محمد کا ظہور

جب عربوں کی ذہنی اور اخلاقی حالت اتنی گر گئی تو عرب میں رسول اللہ کا ظہور ہوا۔آپ ۵۷۰ء میں مکہ میں پیدا ہوئے بڑے ہو کر آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔اس سلسلہ میں آپ مکہ کی ایک متمول خاتون جناب خدیجہ کا سامان تجارت لے کر شام گئے۔حضرت خدیجہ ان کی غیر معمولی شخصیت سے اتنا متاثر ہوئیں کہ شادی کا پیغام دے دیا۔حالانکہ ان کی عمر ۴۰ سال کی تھی اور محمد کی صرف پچیس سال کی تھی۔بہر حال یہ شادی نہایت کامیاب رہی اور آپ فارغ البال ہو کر زیادہ سے زیادہ وقت عوام الناس کی خدمت اور غور و خوض میں صرف کرنے لگے دیگر مذہبی رہنماؤں کی طرح وہ بھی بچپن سے غور و فکر کے عادی تھے۔آپ اکثر کوہ احرار پر چلے جاتے اور کئی کئی دن

ایک غار میں سوچا کرتے ۔ انہیں افسوس تھا اپنی قوم کے ذہنی و اخلاقی انحطاط کا اور روحانیت کے فقدان کا۔

وہ فرقہ حنیف کی تعلیمات خصوصاً زید ابن عمر کے خیالات سے کافی متاثر تھے۔ انہیں یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ کیونکہ بعض عرب قبائل نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور عرب میں یہودی اور عیسائی کافی تعداد میں آباد تھے۔ خود حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد ورقہ نے یہودیت اختیار کر لی تھی اس لئے ممکن ہے کہ محمد کو بائبل سننے کا اتفاق ہوا ہو اور جب وہ بہ سلسلہ سفر شام گئے ہوں تو صابئین کے عقائد سے بھی واقفیت حاصل کی ہو[3]

مروجہ مذاہب[4] سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے ایک اصلاحی تحریک کا خاکہ مرتب کیا اور ۶۱۲ء میں جب آپ کی عمر چالیس سال کی تھی آپ نے تبلیغ و اصلاح کا کام شروع کیا۔

جب رسول اللہ نے اپنی قوم کو یہ پیغام پہونچایا کہ بت پرستی اور شرک کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کرو تو معدودے چند لوگوں کے بقیہ نے صاف انکار کر دیا بلکہ ان کا مضحکہ اڑایا۔ لیکن جب آپ کی تبلیغی کاوشیں بڑھیں تو تجارت مکہ خطرہ محسوس کرنے لگے کیونکہ بت پرستی کے ختم ہونے کے معنی تھے مکہ کی تجارتی اور مذہبی اہمیت کا زائل ہو جانا لہٰذا آپ کو پہلے ہر طرح کا لالچ دیا گیا اور پھر آپ کے جانی دشمن ہو گئے چنانچہ رسول اللہ اور ان کے متبعین کو سخت تکلیفیں پہنچائی جانے لگیں اور دو بار آپ کو حبشہ، ایک بار طائف اور چوتھی بار مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ یہ آخری ہجرت ۶۲۲ء کا واقعہ ہے۔ اسی سال سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

مدینہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے پیغمبر کی ہر طرح سے مدد کی، پہلے مدینہ کا نام یثرب تھا لیکن اب وہ مدینۃ النبی یعنی "نبی کا شہر" کہلانے لگا۔ اس سے مکہ اور مدینہ والوں میں دشمنی بڑھ گئی اور خود رسول کو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے تلوار سنبھالنا پڑی۔ کئی جنگیں ہوئیں بالآخر ۶۳۰ء میں مدینہ والوں کے لشکر نے جو دس ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا رسول کی قیادت میں مکہ پر چڑھائی کی اور شہر کو بآسانی فتح

کر لیا۔ رسول کے اشارہ پر خانہ کعبہ کے سارے بتوں کو مسمار کر دیا گیا (بجز حجر اسود کے جو اب بھی خانہ کعبہ کے ایک گوشہ میں نصب ہے) اب مکہ والوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور جب آپ نے اپنی زندگی کا آخری حج ادا کیا تو ایک لاکھ چودہ ہزار مومنین آپ کے ساتھ تھے اور اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (المائدہ ع ۱)

الیوم اکملت لکم دینکم، واتممت علیکم نعمتی

(آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)

اور مختصر سی علالت کے بعد ۶۳۲ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔

قرآن و احادیث

قرآن مسلمانوں کا مذہبی صحیفہ ہے جسے "کلام الہیٰ" مانا جاتا ہے یعنی اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ محمد پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا۔ جب آپ کو منصب نبوت عطا ہوا (۶۱۰ء) تو تنزیل وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور یہ سلسلہ آپ کی وفات (۶۳۲ء) تک جاری رہا۔ چونکہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے اس لئے جو پیغامات ان تک پہونچتے اپنے صحابہ کو یا تو حفظ کرا دیتے یا لکھوا دیتے۔ ان دنوں کاغذ نہ تھا اس لئے لوگ کھجور کی شاخوں سفید پتھروں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر نے پیغمبر اسلام کے کاتب خصوصی زید بن ثابت کو اس پر راضی کیا کہ حفاظت کے خیال سے تمام ابواب کو یکجا کرو۔ اس طور پر سال دو سال میں قرآن مجید مرتب ہو گیا۔ حضرت عثمان خلیفہ ثانی کے عہد میں اس قرآن پر نظر ثانی کی گئی۔ یہی موجودہ قرآن ہے جو ۱۱۴ سورتوں یا ابواب پر مشتمل ہے۔

قرآن کے بعد مسلمانوں کے نزدیک دوسری مقدس چیز حدیث ہے، یہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں، اور ان میں سے بعض موضوع ہیں لہٰذا آئمہ فن نے درایت کے اصول مقرر کئے ہیں جن سے ان کے صحیح یا غلط ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اب ہم قرآن و احادیث کی روشنی میں معبود کا اسلامی تصور پیش کرتے ہیں۔

اسلامی توحید

وحدانیت اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ مسلمان ہونے کے لئے کلمہ طیبہ پر دا

سے ایمان لانا ضروری ہے۔ جس کا جزو اول توحید الہیٰ سے متعلق ہے اور دوسرا جزو رسالت محمدی ہے۔

لاالہ الااللہ (کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا ہے)

محمد رسول اللہ (حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں)

توحید کے معنی ہیں کہ خدا اپنی ذات، صفات اور افعال میں ایک ہے، ذات کی وحدت سے یہ مراد ہے کہ معبود کئی نہیں ہیں اور نہ اس میں ایک سے زائد ذاتیں شامل ہیں۔ صفات کی وحدت سے یہ مراد ہے کہ اسکی جملہ صفات کسی شے یا شخص میں نہیں پائی جاتی ہیں اور افعال کی وحدت سے یہ مراد ہے کہ جو کام اللہ کر سکتا ہے اسے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کے معاملات میں کسی دوسرے کو دخل ہے۔

قرآن کے ایک باب (۱۱۲) کا نام ہی "سورہ توحید" ہے جسے ثلث قرآن کہتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اے پیغمبر یہ لوگ جو تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو ان سے کہو کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کی برابری کا ہے۔"

اس سورۃ کے ذریعہ، ثنویت، تثلیث اور کثرت پرستی ہر ایک کی تردید کی گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن کے پہلے سورہ الفاتحہ (بہ معنی "شروع کھلنا") کا نقل کرنا بھی ضروری ہے۔

"سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا (اور) انصاف کے دن کا حاکم (ہے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھی راہ چلا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔ نہ ان کی جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کی" (آیات ۱۔۷)

دلائل توحید:۔

قرآن نے اثبات الوہیت میں دو قسم کے دلائل پیش کئے ہیں۔ دلائل آفاق اور دلائل نفس ان میں سے اول قسم ان دلائل کی ہے جو مشاہدہ کائنات سے حاصل ہوتے

ہیں اور دوسری قسم کے دلائل کا ماخذ خود ہمارا نفس ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

"ہم ان کو اپنی دلیلیں کائنات میں اور خود ان کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر آشکارا ہو جائے کہ وہی حق ہے۔"

سورہ ذاریات میں ہے:۔

"اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے نفوس کے اندر بھی ہیں، کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ (۲۰۔۲۱)

دنیا کی ہر شے اپنے پیدا کرنے والے کا ثبوت ہے۔صحیفہ کائنات کے مطالعہ سے ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ضرور اس کارخانہ عالم کا کوئی چلانے والا ہے۔یہ مصنوعات کسی صانع کی محتاج ہیں۔اسی لئے قرآن نے بار بار مطالعہ کائنات کی تاکید کی ہے۔

مخلوقات سے خالق کا پتہ لگانے کے لئے قرآن نے جو مطالبہ کیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی آیات سے ہو سکتا ہے۔

(۱) "یہ لوگ مناظر ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے کہ ان کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوں" (۴۶\۲۲)

(۲) "ارض و سما میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جن سے یہ غافل لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔" (۱۰۵\۱۲)

(۳) "اے رسول! کہو کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ خدا کس طرح آفرینش کی ابتدا کرتا ہے" (۲۰\۲۹)

(۴) "اللہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، جس نے بارشیں برسا کر تمہارے لئے پھل تیار کئے۔ سمندروں میں الہیٰ قانون سے تیرنے والے جہاز تمہارے قبضہ میں دیئے۔نہریں تمہارے لئے مسخر کیں، گھومنے والے آفتاب و ماہتاب پر تمہیں حکمراں بنلیا اور لیل و نہار کا سلسلہ تمہارے بس میں کر دیا۔نیز تمہیں وہ سب کچھ دیا جس کی تمہیں تمنا تھی" (۳۲۔۳۳\۱۴)

اس آخری اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کائنات کا حاکم ہے، محکوم نہیں

اسے ہر چیز کا اختیار دیا گیا ہے ۔ یہ نہیں کہ وہ مناظر فطرت کی پرستش کرتا پھرے جیسا کہ اقوام سلف کرتی تھیں یا کرتی ہیں ۔ نہ صرف کائنات کا حسن و جمال بلکہ اس کا نظم و نسق بھی اپنے ناظم کا ثبوت ہے ، ارشاد ہوتا ہے :۔

"بار بار دیکھو کیا تمہیں اس لاانتہا سلسلہ خلق میں کوئی بد نظمی نظر آتی ہے" (۳\۶۷)

"اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہو جاتے ۔" (۲۲\۲۱)

حقیقت شرک :۔

شرک کے لفظی معنی ہیں "شریک کرنا" یعنی خدا کی ذات ، صفات یا افعال میں کسی دوسری شے یا شخص کا شامل کرنا ، قرآن کے مطابق "شرک ایک گناہ عظیم ہے" (۳\ ۳۱)

قرآنی ہدایت ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں ، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں ۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے (۳\۶۴) اس کے سوا شرک کی ایک اور قسم ہے جس کی طرف قرآن میں یوں اشارہ کیا ہے "کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے" (۴۳\۲۵) قرآن نے جا بجا کثرت پرستی ، فطرت پرستی ، بت پرستی ، ثنویت اور تثلیث وغیرہ کی تردید کی ہے ۔

شرک فی العبادات :۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں : ۔(۱) خدا اور رسول پر ایمان لانا (۲) دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھنا (۳) ماہ رمضان میں تیس دن کے روزے رکھنا (۴) زکواۃ یعنی اپنی جمع شدہ دولت کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر خرچ کرنا (۵) اگر استطاعت ہو تو حج کرنا ۔

اگرچہ اللہ کا لفظ اور اس کا تصور عربوں میں محمد سے پہلے بھی پایا جاتا تھا ۔ لیکن ذہنی و عملی توحید کا فقدان تھا ۔

نماز اور روزہ بھی دنیا کے لئے کوئی نئی چیز نہ تھے کیونکہ صابئین دن میں سات

وقت کی نماز پڑھتے تھے اور سال میں ایک مہینے کے روزے رکھتے تھے لیکن طہارت نفس کے علاوہ ان کا مقصود لپنے مخصوص معبودوں کی خوشنودی حاصل کرنا تھا لہذا رسول نے یہ شرط لگادی کہ نمازیں پڑھو اور روزے بھی رکھو لیکن خدا کے لئے۔ نماز کا مقصد خدا کی عظمت کا اقرار اور اپنی فروتنی کا اظہار ہے علاوہ ازیں ایک دوسرا مقصد مسلمانوں میں اخوت اور مساوات کا احساس پیدا کرنا ہے۔ روز کی نمازیں محلے کے اجتماعات ہیں، جمعہ کی نماز کئی کئی محلوں کا اجتماع، عید کی نماز شہر اور حج مختلف شہروں اور ملکوں کے مسلمانوں کا اجتماع ہیں۔ رسول سے پہلے بھی حج ہوا کرتا تھا لیکن مرد اور عورت برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ لیکن رسول اکرم نے اسے بھی منع کر دیا۔ اور عبادات کے سلسلہ میں جو مشرکانہ حرکتیں ہوتی تھیں ان کو بھی دور کر دیا۔

قرآن نے خدا کی وحدت کے ساتھ نوع انسان کی وحدت پر بھی زور دیا "رب العالمین" کے فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا دنیا کی ساری قوموں کی یکساں نگہداشت کرتا ہے۔ سب اقوام کا خدا ہے۔ ہر ایک سے یکساں پیش آتا ہے۔

اسم ذات:۔

خدا فارسی کا لفظ ہے جسے "خودآ" کا مخفف سمجھا جاتا ہے یعنی وہ "ہستی جو خود سے وجود میں آئی ہو" لیکن معنوی اعتبار سے اس نام میں یہ نقص ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی لہذا اس کے عدم سے وجود میں آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ غالباً یہ لفظ ٹیوٹانی زبان کے ان الفاظ سے تعلق رکھتا ہے جن میں سے ایک لفظ انگریزی کا "گاڈ" (GOD) ہے اور یہی گاڈ، خدا ہو گیا۔

عربی میں خدا کا خاص نام اللہ ہے جو مخفف ہے الالہ کا۔ ال حرف تخصیص ہے۔ لفظ الہ جو اسم نکرہ ہے معبود کے معنی میں کل سامی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔

عراق کی سامی زبان میں خدا کا نام ایل تھا۔ چنانچہ مشہور شہر بابل کا نام مخفف ہے، باب ایل، کا جس کے معنی ہوئے "خدا کا دروازہ" آرامی زبان میں خدا کو ایل کہتے تھے۔ کنعانی میں بھی یہی لفظ تھا۔ عبرانی میں ایلوہ ہے جس کی جمع ایلوہم آتی ہے۔ یہی آشوری زبان میں الہ تھا۔ الل کی پرانی صورت یعنی ایل فرشتوں کے ناموں کا آخری جز

بھی ہے جیسے جبریئل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل وغیرہ اور یہی سموئیل اور ایمنوئیل ایسے انگریزی ناموں کا بھی لاحقہ ہے۔یہی نہیں پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:۔

"رگ وید میں ایشو کے ناموں میں سے ایک نام الا ہے جو سنسکرت میں ال دھاتو سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پوجا کرنا۔ رگ وید میں ایک پورا سوکت الا کے نام پر ہے۔" (گیتا اور قرآن صفحات ۹۔۱۰)

اسماء صفات:۔

لفظ اللہ خدا کا اسم ذات ہے جس کے تحت اس کے جملہ صفات آتے ہیں۔قرآن میں متعدد جگہوں پر (۱۸۰\۷، ۱۱۰\۱۷) خدا کے نہایت خوبصورت ناموں " (الاسماء الحسنیٰ) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

بعض مشہور اسماء حسنیٰ یہ ہیں

الواحد (ایک)	المصور (صورت گر)
الاحد (ایک)	البادی (ظاہر)
الحق (باطل کا ضد)	المبدی (ابتدا کرنے والا)
القدوس (پاک)	العلیم (جاننے والا)
النور (روشنی)	الحکیم (دانا)
الحیّ (زندہ)	الخبیر (واقف)
القیوم (قائم)	السمیع (سننے والا)
الواجد (موجود بالذات)	البصیر (دیکھنے والا)
الغنی (بے نیاز)	الرقیب (نگہبان)
الصمد (دایم)	الشہید (گواہ)
الباقی (باقی رہنے والا)	المہمین (نگہبان)
الوارث (صاحب میراث)	الرب (پالنے والا)
الخالق (پیدا کرنے والا)	الرحمن (مہربان)
الباری (بنانے والا)	الرحیم (بہت مہربان)

الغفار (بخشنے والا)	العظیم (عظمت والا)
الغفور (بخشنے والا)	العزیز (غالب)
العفو (درگزر کرنے والا)	العلی (بلند و برتر)
الوھاب (بہت بخشنے والا)	المتعالی (بلند و عالی)
الحلیم (بردبار)	الکبیر (بڑا)
الصبور (صبر کرنے والا)	المتکبر (بڑا)
التواب (توبہ قبول کرنے والا)	الماجد (بزرگ)
المجیب (دعائیں قبول کرنے والا)	المجید (بزرگ)
الشکور (تھوڑی سی نیکی پر بڑا ثواب دینے والا)	الحمید (لائق حمد)
الکریم (کرم کرنے والا)	الجلیل (عظمت والا)
الرؤف (بڑا مہربان)	القوی (طاقتور)
الودود (محبت کرنے والا)	القادر (قدرت والا)
الولی (دوست)	المقتدر (صاحب اقتدار)
البر (محسن)	الوالی (حاکم)
الحفیظ (حفاظت کرنے والا)	الملک (بادشاہ)
السلام (سلامتی عطا کرنے والا)	الوکیل (کارساز)
المومن (امن دینے والا)	الفتاح (منصف)
الواسع (وسیع کرنے والا)	العدل (انصاف کرنے والا)
المنعم (نعمتیں عطا کرنے والا)	المعید (حاذق)
المقیت (روزی رساں)	الباعث (مردوں کو زندہ کرنے والا)
المغنی (غنی کرنے والا)	الجامع (جمع کرنے والا)
الہادی (ہدایت کرنے والا)	المحصی (شمار کرنے والا)
الرشید (راہ راست دکھانے والا)	الحسیب (حساب کرنے والا)
الرزاق (رزق دینے والا)	القہار (قہر کرنے والا)

الجبار (جبر کرنے والا)	المعز (عزت دینے والا)
المنتقم (انتقام لینے والا)	المذل (ذلیل کرنے والا)
الاول (پہلا)	الرافع (بلند کرنے والا)
الآخر (آخری)	الخافض (نیچے لانے والا)
الظاہر (کھلا ہوا)	الباسط (فراخ کرنے والا)
الباطن (اندرونی)	القابض (گرفت کرنے والا)
اللطیف (لطف کرنے والا)	المعطی (عطا کرنے والا)
المتین (مضبوط)	المانع (روکنے والا)
المقدم (اقدام کرنے والا)	المحیٔ (زندہ کرنے والا)
الموخر (ہر چیز کو اسکی جگہ رکھنے والا)	الممیت (مارنے والا)
النافع (نفع پہنچانے والا)	ذوالجلال والاکرام (صاحب جلال اور بزرگی عطا کرنے والا)
الضار (ضرر پہنچانے والا)	

۱۔ مولانا نیاز فتح پوری انتقادیات جلد دوم صفحہ ۴۵

۲۔ اہل ہنود موکشا یعنی نجات کی جگہ کہتے تھے

۳۔ یہودیوں، عیسائیوں اور صابئین کا ذکر قرآن کے سورہ ۲ (البقر) کی آیت ۶۲ اور سورہ ۵ (المائدہ) آیت ۶۹ میں موجود ہے

۴۔ سورہ ۲۲ (الحج) کی آیت ۱۷ میں مذکورہ فرقوں کے علاوہ مجوسیوں کا ذکر بھی پایا جاتا ہے

۵۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ ژند آوستا کے "نیست ایزد مگر یزداں کا لفظی ترجمہ ہے اسی طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم (شروع کرتا ہوں خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) بنام یزداں بخشش گر دادار کا ترجمہ ہے جس سے زردشتی اپنی کتابوں کو شروع کرتے ہیں

فلسفۂ اسلام

اسلامی فلسفہ کا اصل ماخذ یونان ہے۔ جب مسلمانوں نے شام، مصر، عراق اور عجم کو فتح کیا تو وہ یونانی فلسفہ سے واقف ہوئے کیونکہ سکندر کی فتح کے بعد ان ممالک میں یونانی علوم و فنون کا بہت چرچا ہو گیا تھا۔ خلیفہ ابو جعفر منصور (۷۵۴ء۔ ۷۷۵ء) کے زمانہ سے یونانی ادب کے ترجمہ کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ خلیفہ ہارون رشید (۷۸۶ء۔ ۸۰۹ء) مامون رشید (۸۱۳ء۔ ۸۳۳ء) اور المعتصم (۸۳۳ء۔ ۸۴۲ء) کے عہد تک اور اس کے بعد بھی صدیوں تک جاری رہا۔ حکماء یونان میں افلاطون اور ارسطو کی طرف بہت زیادہ توجہ کی گئی، جن پر ابو نصر فارابی (۸۷۲ء۔ ۹۵۰ء) اور ابن سینا (۹۸۰ء۔ ۱۰۳۷ء) نے بہت کام کیا۔ مغرب (اسپین) میں ابن طفیل (متوفی ۱۱۸۵ء) اور ابن رشد (۱۱۲۶ء۔ ۱۱۹۸ء) نے فلسفہ کو فروغ دیا۔

بعض مشہور فلاسفہ اسلام یہ تھے۔

ابو یعقوب ابن اسحٰق الکندی (متوفی ۸۷۳ء) مسلمانوں میں پہلا شخص تھا جو فلسفی کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو سے کافی متاثر تھا اور اس نے اپنی تصانیف میں زیادہ تر ارسطو کی پیروی کی ہے۔ اس نے خدا کی وحدت اور عدل پر زور دیا ہے۔ کندی کے نزدیک دنیا خدائے تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ لیکن یہ سلسلہ آفرینش خدا اور عالم کے درمیان بہت سے درمیانی واسطے پائے جاتے ہیں۔ ہر اعلیٰ چیز اپنے سے ادنیٰ چیز کی علت ہے لیکن کوئی معلول اس چیز پر اثر نہیں ڈال سکتا جو سلسلہ وجود میں اس سے بالاتر ہے۔ مادہ عقل کے تحت ہے اور اسے وہی شکل اختیار کرنا پڑتی ہے جو عقل چاہتی ہے۔ دراصل عقل ہی قوت فاعلہ کی حامل ہے اور ربانی عقل اور مادی جسم کے درمیان روح کا درجہ ہے (۱)

ابو نصر فارابی (۸۷۲ء۔ ۹۵۰ء) مسلمانوں میں "افلاطونیت جدیدہ" کا امام تھا۔ جس کا آغاز الکندی نے کیا تھا۔ اور جسے بعد کو بو علی سینا نے ترقی دی اس کا رجحان مذہب کی

طرف تھا اور اس نے ملحدانہ خیالات سے بیزاری کا اظہار کیا۔ فارابی کا نظام مدلل روحانیت یا زیادہ صحیح لفظ میں عقلیت پر قائم ہے۔ وہ صفائے قلب کو تمام فلسفیانہ غور وفکر کی بنیا سمجھتا تھا۔ فلسفہ اس کے نزدیک حقیقت اشیاء کا علم ہے جسے حاصل کر کے انسان خدا سے مشابہ ہو جاتا ہے (۲) عقل انسانی کا مقصد اور اس کی سعادت یہ ہے کہ پہلے عقل کائنات میں اور پھر ذات خداوندی میں جذب ہو جائے (۳) فارابی کے نزدیک خدا واجب الوجود ہے۔ علت سے بری، قدیم، غیر متغیر، عقل مطلق اور خیر محض، خود ہی عالم اور خود ہی معلوم ہے

ابن سینا (۹۸۰ء۔۱۰۳۷ء) نے اپنے فلسفہ کی بنیاد فارابی کی تعلیم پر رکھی تھی۔ اس کے فلسفہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ خدا واجب الوجود ہے۔ وہی کائنات کا تخلیق کا علت العمل ہے اور اسی سے چشمہ وجود جاری ہے۔ اس لئے کائنات بھی قدیم ہے۔ وہ اس بات کا بھی قائل تھا کہ قانون قدرت تمام نظام عالم پر حاوی ہے اور اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ قرآنی تصور کیف ما یشاء کا ہے یعنی خدا جو چاہے کر سکتا ہے لیکن ابن سینا اس کا قائل نہ تھا

ابن مسکویہ (متوفی ۱۰۳۰ء) نے اپنی تصنیف الفوز الاصغر میں تین اہم مسائل سے بحث کی ہے (۱) خدا کا وجود اور اس کے اوصاف (۲) نفس کا وجود مرنے کے بعد (۳) نبوت اور اس کے متعلقات وحی و الہام وغیرہ اور ان کو فلسفیانہ طریقہ پر ثابت کیا ہے

دوسرے مشہور فلسفی ابن طفیل اور ابن رشد وغیرہ جن کا ذکر آئے گا۔

معتزلہ:۔ اعتزال دراصل ایرانی تھی جس کا بانی واصل ابن عطا (۶۹۹ء۔۷۴۸ء) مانا جاتا ہے۔ یہ شخص ایرانی تھا اور مشہور متکلم خواجہ حسن بصری کا شاگرد

معتزلہ میں بھی اس فرقہ کا بانی تھا جو واصلیہ کہلاتا ہے۔ اس کے خاص عقائد یہ تھے (۱) نفی صفات یعنی خدا کی صفات عین ذات ہیں (۲) مسئلہ قدر یعنی انسان خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہے

اگرچہ معتزلہ کوئی مذہبی فرقہ نہ تھا بلکہ ایک دبستان خیال تھا جس میں سنی و شیعہ دونوں شامل تھے تاہم معتزلہ کا عقلی نظام سب سے زیادہ شیعوں میں مقبول ہوا

لیکن اپنی بے انتہا آزاد خیالی کی بنا پر اسے ابھرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ اس فرقے کے دوسرے زبردست نمائندے یہ تھے۔

عمر بن عبید اللہ (۶۹۹ء - ۷۶۱ء) یہ بھی خواجہ حسن بصری کے شاگرد تھے واصل نے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ قدریہ عقیدہ رکھتے تھے۔ معتزلہ کی شاخ عمریہ انہیں سے منسوب ہے۔ واصل کا گروہ بغداد سے اور عمر کا گروہ بصرہ سے تعلق رکھتا تھا

ابوالہذیل (ولادت ۵۳-۷۵۲ء۔ وفات ۵۰-۸۴۹ء یا ۴۱-۸۴۰ء) مامون کے استاد اور بصرہ کے علماء اعتزال کے پیشوا تھے۔ فرقہ ہذیلیہ انہیں کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے خاص خاص عقائد یہ تھے (۱) خدا کا علم، اس کی قدرت، اس کا وجود عین ذات ہیں (۲ خدا کے بعض ارادے ایسے ہیں جن کا کوئی محل نہیں جیسے خدا کا قول کن اور بعض ارادوں کا محل ہے جیسے اوامر و نواہی (۳) خدا کے مقدرات محدود ہیں۔ کسی چیز کو وجود میں لانا، فنا کرنا اور مارنا۔ اس کے دائرہ قدرت سے باہر ہے (۴) احکام شرع کے واجب ہونے سے پہلے عقل کے ذریعہ خدا کا پہچاننا واجب ہے (۵) خدا ارادہ اور وہ چیز جس کا وہ ارادہ کرتا ہے دونوں ایک ہیں[۴]

نظام (ولادت ۸۰۱ء وفات ۸۳۵ء کے درمیان) بصرہ میں نشوونما ہو اور عمر کا آخری حصہ بغداد میں بسر کیا۔ ان کے خاص عقاید یہ تھے (۱) بدی اور گناہ خدا کی قدرت سے خارج ہیں (۲) احکام شرع کے وارد ہونے سے قبل دلائل عقل سے خدا کی معرفت حاصل کرنی چاہیے[۵]

الجاحظ (متوفی ۸۶۵ء یا ۸۶۹) نظام کے شاگرد تھے اور جماعت معتزلہ کے بڑے مقبول امام۔ ان کے مخصوص عقائد یہ تھے (۱) کوئی مادی جسم معدوم نہیں ہوتا۔ (۲) خدا گناہوں کا ارادہ نہیں کرتا (۳) خدا کی رویت ناممکن ہے۔ یہ مذہب اعتزال کے خاص فرقہ جاحظیہ کے بانی تھے[۶]

الجبائی (متوفی ۹۱۵ء) اخیر وقت تک مسلک اعتزال پر قائم رہے۔ وہ صفا باری کو عین ذات قرار دیتے تھے[۷]

اشاعرہ

ابوالحسن الاشعری (۸۷۳ء ۔ ۹۳۳ء) الجبائی کے شاگرد تھے لیکن بعد کو اپنے استاد سے منحرف ہوگئے اور اعتزال کے خلاف متعدد رسائل لکھے[۵۲] ۔ انہوں نے خدا کو جسمیت اور انسانیت سے بالاتر قرار دیا اور اسے قادر مطلق، فعال مطلق اور عالم مطلق قرار دیا حیات بعد ممات اور دیدار الہیٰ کی تائید کی۔

طحاوی اور ماتریدی ۔ بھی اشعری کے ہمعصر تھے اور متعزلی کے مخالف[۵۳] ماتریدی نے اللہ کی ابدی صفات میں تکوین (بنانا) کا اضافہ کیا تھا۔ اس صفت کے دوسرے نام خلق (پیدا کرنا) احیاء (جان ڈالنا) رزق (خوراک مہیا کرنا) اور امات (مار ڈالنا) ہیں۔ انہیں "صفات الافعال" کہتے ہیں۔ اشعری نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ہر انسان میں اکتساب کا مادہ ہوتا ہے جو اگرچہ خدا کی طرف سے ہے لیکن اس کے استعمال کرنے میں انسان کی مرضی کو بھی دخل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کسی حد تک مختار ہیں، گویا اشعری نے درمیانی راستہ اختیار کیا تھا لیکن ماتریدی نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں اپنے افعال میں پورا "اختیار" حاصل ہے اور اس کیلئے ہمیں سزا یا جزا ملے گی۔

فقہ اکبر دوم جو ۱۰۰۰ء میں مرتب کی گئی تھی بیشتر اشعری کی تعلیمات پر مبنی ہے یہ ۲۹ مقالات پر مشتمل ہے جن میں سے اہم ترین کا خلاصہ یہ ہے۔

> اللہ خیر و شر کا حاکم مطلق ہے۔ وہ اپنی مخلوقات سے کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہے۔ وہ ابد سے معہ اپنی صفات کے موجود ہے۔ یہ صفتیں اس کے جوہر اور افعال سے متعلق ہیں۔ قرآن خدا کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے لیکن موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کا کلام مخلوق ہے۔ جہاں پر قرآن میں خدا نے موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں سے خطاب کیا ہے تو یہ اس کا کلام ان کی نسبت سے ہے ہم الفاظ اور حروف کے ذریعہ مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں لیکن اللہ کو اس کی ضرورت نہیں جہاں تک تشبیہی عقائد کا تعلق ہے خدا کے چہرہ، ہاتھ اور روح ہے لیکن ان کا تعلق اس کی صفات سے ہے، جسم سے نہیں۔ لوح محفوظ میں گزشتہ اور آئندہ زمانہ کے واقعات بیانیہ انداز میں لکھے ہیں بطور مقدر کے نہیں۔ خدا اپنی کسی بھی مخلوق کو مجبور نہیں کرتا۔ انسان

کے تمام افعال اکتسابی ہیں لیکن خدا ان کو پیدا کرتا ہے اور وہ اس کی مرضی سے سرزد ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیا جائے ۔ اللہ اسے معاف بھی کر سکتا ہے ۔ رسول کی حمایت سے بھی گناہ معاف ہو سکتے ہیں ۔ مومنین خدا کا بہشت میں جلوہ دیکھیں گے اور اپنے جسم کی آنکھوں سے اور اس وقت ان میں اور خالق کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہوگا

یہاں پر "خدا کے کلام" کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آسمان کا سب سے بلند مقام عرش ہے اس کے نیچے کرسی ہے، کرسی پر لوح محفوظ ہے جس پر گزشتہ و آئندہ زمانہ کے تمام حالات منقوش ہیں قرآن مجید بھی لوح محفوظ میں موجود ہے (سورۃ البروج کی آیات ۲۱ ۔ ۲۲ میں اسکا ذکر ہے) اور ارضی قرآن اس لوح محفوظ سے منقول ہے معتزلہ اسے ماننے کے لئے تیار نہ تھے ۔ ان کی حجت یہ تھی کہ اگر قرآن ابدی اور غیر مخلوق ہے تو پھر اسے دوسرا خدا ہونا چاہیے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ قرآن میں بعض مقامات پر موسیٰ (اور دوسرے پیغمبروں) سے خطاب کیا گیا ہے ۔ اب یہ الفاظ کیسے ابدی اور غیر مخلوق ہو سکتے ہیں جبکہ موسیٰ ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے تھے [۱۰] یہی وجہ تھی کہ معتزلی حکماء نے اعلان کیا کہ قرآن حادث ہے اور جو اس سے انکار کرتا اسے سرِبازار سزا دی جاتی [۱۱] کیونکہ بعض مسلم حکمراں معتزلی خیال کے ہو گئے تھے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی اہل حدیث اور عوام معتزلہ سے برگزشتہ ہو گئے اور اسی رد عمل کے سلسلہ میں اشاعرہ کا فرقہ وجود میں آیا ۔

اشراقیین اس فرقہ کے بانی شہاب الدین سہروردی (۱۱۵۳ء ۔ ۱۱۹۱ء) تھے ۔ وہ فلسفہ میں ارسطو اور ابن سینا کے متبع تھے ، انہوں نے فلسفہ ، مذہب اور تصوف تینوں کو ملا کر ایک نیا نظریہ مذہب و اخلاق کا پیش کیا جسے حکمت اشراق کہتے ہیں [۱۲]

دراصل وہ حکمائے ایران کے سخت معتقد تھے اور ان کے فلسفہ کو زندہ کرنا چاہتے تھے ۔ اپنی مشہور کتاب حکمت الاشراق کے مختلف مقامات پر انہوں نے زردشت وغیرہ کا نام نہایت ادب و احترام سے لیا ہے اور ان کے فلسفیانہ نظریات کی تائید کی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہا نے ان پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگایا اور بعض سیاسی بدگمانیوں کی وجہ

سے ۳۶ سال کی عمر میں سلطان صلاح الدین کے حکم سے یہ قتل کر دیئے گئے۔ بہر حال ان کے زمانہ میں ان کا فلسفہ بہت مقبول تھا اور ان کی کتاب (حکم الاشراق) اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں [۱۳]

ملاحدہ فلسفیانہ غور و خوض نے مسلمانوں میں بڑی آزاد خیالی پیدا کر دی تھی یہاں تک کہ اس آزاد روی نے نمایاں طور پر الحاد کی شکل اختیار کر لی اور وقتاً فوقتاً مختلف حکمائے اسلام ملحد قرار دیئے گئے نیچے ان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

احمد بن حابث (تیسری صدی ہجری) مشہور معتزلی امام نظام کے شاگرد تھے۔ یہ تناسخ کے قائل تھے۔ اور الوہیت مسیح کے مخالف حیوانات میں بھی اولیاء و انبیاء کے پیدا ہونے کے معتقد تھے۔ رسول اللہ کی کثرت ازدواج پر معترض تھے اور ابو ذر غفاری کو رسول اللہ سے زیادہ زاہد و مرتاض سمجھتے تھے، انہیں عام طور پر ملحد خیال کیا جاتا ہے [۱۴]

ابو بکر رازی (۸۶۴ء۔۔ ۹۲۵ء) پانچ چیزوں کو قدیم تسلیم کرتے تھے۔ (خالق، روح، مادہ، وقت اور فضا) کیونکہ خدا کے تصور کے ساتھ ان چیزوں کو قدیم تسلیم کرنا ضروری ہے تخلیق کے باب میں وہ اس بات کے قائل تھے کہ کائنات (ہیولیٰ مطلقہ) کی تخلیق سے قبل منتشر اجزاء لاتیجزی پائے جاتے ہیں اور انہیں اجزاء سے بعد کو زمین، ہوا، پانی آگ اور سیارے وجود میں آئے۔

اخلاقیات میں وہ ترک دنیا کے قائل نہ تھے۔ مذہبیات میں انہوں نے معتزلہ کی بھی مخالفت کی ہے اور غالی شیعوں کی بھی۔ ان کے دہریہ یا ملحد ہونے کے ثبوت میں ان کی دو کتابیں پیش کی جاتی ہیں "مخارق الانبیاء" اور "نقد الادیان" ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) ان کے نزدیک تمام انسان فطرتاً یکساں و برابر ہیں (۲) انبیاء کسی خاص ذہنی یا روحانی برتری کے حامل نہیں تھے (۳) معجزے مکر و فریب ہیں یا محض قصے کہانیاں (۴) دنیا میں جنگ و فساد کا باعث صرف مذہب ہے (۵) عقل و مذہب میں تطابق ممکن نہیں (۶) الہامی کتابوں سے زیادہ انسانی خدمت افلاطون، ارسطو، اقلیدس اور بقراط کی ہے [۱۵]

ابن رشد (۱۱۲۶ء۔۔ ۱۱۹۸ء) اسپین کے سب سے بڑے فلسفی و حکیم تھے۔ الحاد کے الزام

میں یہ جلاوطن کر دیئے گئے تھے لیکن پھر واپس بلا لیے گئے۔ جن مسائل میں ابن رشد پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا وہ کائنات کی قدامت، بقاء روح اور حشر و نشر کے عقائد سے متعلق تھے۔ مروجہ عقاید اسلامی کے بالکل منکر نہ تھے لیکن وہ ان کو عقل و فلسفہ سے مطابق کرنا چاہتے تھے وہ کہتے تھے کہ قرآن میں اگر کوئی بیان ایسا نظر آتا ہے جو عقل کے خلاف ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مفہوم کچھ اور ہے جسے عقلی حیثیت سے سمجھنا چاہیے۔ علماء ظواہر انہیں عقائد کی وجہ سے مخالف تھے اور ملحد کہتے تھے [۱۶]

ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء۔۱۳۲۸ء) کے الحاد کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ۱۲۹۹ء میں جبکہ وہ قاہرہ میں تھے۔ ان سے صفات خداوندی کے متعلق استفسار کیا گیا۔ ان کے جواب سے شافعی علماء برہم ہو گئے اور پروفیسری کے عہدہ سے ہٹا دیا۔ ۱۳۰۶ء میں الحاد کے الزام میں بمعہ اپنے دو بھائیوں کے نظر بند کر دیئے گئے۔ وہ خدا کی جسمیت کے قایل تھے۔ غزالی اور ابن عربی کے مخالف تھے۔ صوفیہ کو بھی برا سمجھتے تھے اور ابن سینا کے فلسفہ پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ [۱۷]

ابو حیان (چوتھی صدی ہجری) مشہور فقیہہ، فیلسوف اور صوفی تھے۔ اپنے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے بغداد سے نکال دیئے گئے۔ ابن راوندی اور ابو العلا المعری کی طرح ان کا بھی زنادقہ میں شمار ہوتا تھا [۱۸]

ابن الراوندی تیسری صدی ہجری کا ملحد اعظم تھا۔ پہلے اس نے مذہب اعتزال اختیار کیا لیکن جوانی ہی میں ملحد اور دہریہ ہو گیا۔ اس نے تمام انبیاء کی تردید میں کتابیں لکھیں اور قرآن کے مقابلہ میں بھی ایک کتاب تصنیف کی۔ وہ کہتا تھا کہ انبیاء انسانوں کو یونہی شعبدوں سے دھوکہ دیا کرتے تھے۔ کتاب الدامغ میں کہتا ہے۔ خدا کے پاس قتل و غارت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ جو ہمیشہ ایک کینہ پرور غضبناک دشمن کیا کرتا ہے، پھر کتاب اور رسول بھیجنے کی کیا حاجت تھی؟

ایک جگہ لکھتا ہے: ۔یہ خدا کا زعم ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ چنانچہ قرآن میں کہتا ہے کہ "وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا، یعنی "خدا اس پتے کو بھی جانتا ہے جو درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔" اسی طرح اس نے جنت کا بھی مذاق اڑایا ہے۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ دنیا اور جو کچھ یہاں نظر آتا ہے اور چاند تارے وغیرہ قدیم ہیں۔ ان کا بنانے

والا کوئی نہیں ہے [۱۹]
ابو العلاء المعری (۹۷۳ء-۱۰۵۸ء) کو عام طور پر ملحد خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ موحد تھے البتہ خدا کا تصور ان کے یہاں عام مروجہ تصور سے علیحدہ تھا۔ وہ وحی اور الہام کے قائل نہ تھے۔ وہ مذہب کو خود انسانی ذہن و دماغ کی تخلیق سمجھتے تھے۔ وہ حشر و نشر اور بقاء روح کے بھی معتقد نہ تھے۔ وہ نماز، روزہ سے زیادہ بلندی اخلاق کے قائل تھے [۲۰]
فلسفہ کی تردید الغزالی (۱۰۵۸ء-۱۱۱۱ء) اسلام کے نہایت مشہور مفکر و متکلم تھے۔ وہ ابتداء ہی سے ہر مسئلہ میں ذاتی غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ عرصہ تک فلسفہ کے مطالعہ میں منہمک رہے اور عقائد مذہبی سے منحرف ہو گئے۔ بالآخر جب علوم ظاہری سے ان کی تشفی نہ ہوئی تو تصوف کی طرف مائل ہوئے اور پھر خدا رسول حشر و نشر تمام باتوں کے قائل ہو گئے [۲۱] اس وقت جب کہ فلسفہ کے مقابلہ میں مذہب کے پاؤں اکھڑے جا رہے تھے۔ غزالی نے بڑا کام کیا۔ انہوں نے فلسفہ پر دو کتابیں لکھیں (۱) مقاصد الفلاسفہ (۲) تہافۃ الفلاسفہ۔ یہ آخری کتاب فلسفہ کی تردید میں لکھی گئی اس کی وجہ تصنیف کے متعلق امام موصوف دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ مذہب اسلام سے مسلمانوں کے برگشتہ ہونے کا سبب اکابر فلاسفہ، سقراط، بقراط، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے نام ہیں چونکہ یہ لوگ مذہب کے منکر تھے لہٰذا ان کے متبعین نے بھی تقلیداً لامذہبیت اختیار کی لیکن خود فلسفیوں کا مذہب بھی یقینی نہیں بلکہ ظنی تھا۔ وہ ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں حتیٰ کہ ارسطو اپنے استاد افلاطون کے اقوال کو بھی رد کر دیتا ہے لیکن اگر ان کے اصول الٰہیات مثل ریاضی و منطق کے صحیح ہوتے تو اس قدر اختلاف آراء نہ ہوتا۔ اس پر مترجمین نے ترجموں میں جو تحریفیں کی ہیں وہ مستزاد ہیں لہٰذا فلاسفہ قدیم کی غلطیوں کے اظہار اور ان کے رد کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

غزالی نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کتاب کا مقصد فلسفیوں کے مذہب کی تردید ہے نہ کہ مدافعت اور یہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اس کتاب نے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا بلکہ سچ تو یہ کہ اس کی وجہ سے مشرق میں فلاسفہ بری طرح مجروح ہوا لیکن امام صاحب کی وفات کے ایک صدی بعد ابن رشد

نے "تہافت الفلاسفہ" کی تردید میں ایک مستقل کتاب "تہافتہ تہافت الفلاسفہ" لکھی اور اس طرح فلاسفہ کا احیاء ثانیہ کیا[۲۲۵]

نقل اور عقل کی کشمکش:۔

مسلمانوں کی اکثریتی، علماء ظواہر اور اہل حدیث کا خیال ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عقل کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ قرآن و حدیث میں تاویل کرنے کی بجائے ظاہری معنی کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اور اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا چاہیے۔

عموماً لوگ خدا کے شخصی تصور کے حامل ہیں یعنی خدا کی ذات کو انسانی صورت و صفات سے متصف مانا جاتا ہے۔ عقلیت پسندوں نے اس پر احتجاج کیا ہے۔ انہوں نے عقل کی رہنمائی میں قرآن و حدیث کو سمجھنے کی کوشش کی۔ معتزلہ نے خصوصاً مذہب کی بنیاد عقل پر رکھنا چاہی۔ فلسفہ اور منطق کو مشعل ہدایت بنا کر انہوں نے خدا کی ذات و صفات پر غور کیا۔ وہ وحدت الٰہی کے ماننے والے تھے لیکن خدا کی ذات کو صفات سے بری سمجھتے تھے۔ ان کی صرف ایک ہی صفت ہو سکتی ہے یعنی ابدیت۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن میں خدا کے لئے جو نام استعمال کئے گئے ہیں اور ان سے جن صفات کا اظہار ہوتا ہے اگر خدا کو ان جملہ صفات کا حامل مانا جائے تو اس سے خدا کی وحدت فنا ہو جائے گی اور اس میں کثرت کا اجتماع ماننا پڑے گا۔ وہ ہر قسم کے تشبیہہ و استعارہ سے گریز کرتے تھے اور چونکہ قرآن میں خدا کے ہاتھوں، آنکھوں اور چہرے کا ذکر ہے اور عرش پر قرار پکڑنے کا حوالہ ہے اس لئے ان امور کی عقلی توجیہ کرتے تھے۔ ان کے خیالات عوام کے خیالات سے قطعاً مختلف تھے۔ انہوں نے تنزیہ (پاک کرنا) اور تخالف (مخالف کرنا) کے اصول کو اس قدر برتا کہ خدا محض ایک ایسا وجود رہ گیا جس کی تعریف ہی نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً خدا کا ایک نام علیم (جاننے والا) ہے اب ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اسے کس چیز کا علم حاصل ہے۔ وہ چیز اس کے اندر ہے یا باہر ہے پہلی صورت میں اس کی ذات میں دوئی پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری صورت میں اس کا علم کامل نہیں ہو سکتا۔ فارابی نے اس گتھی کو یوں سلجھانا چاہا کہ خدا خود ہی تخیل ہے، خود ہی عمل تخیل اور خود ہی موضوع تخیل علق، عاقل، معقول تینوں ہی اللہ ہیں لیکن یہ مسئلہ خاطر خواہ نہ سلجھا اور سچ تو یہ ہے کہ مسائل کبھی حل ہونے کے نہیں۔ لہٰذا جن

حکماء نے یہ کہا ہے کہ "خدا کی تعریف نہیں کی جا سکتی" بالکل ٹھیک کہا ہے۔

ہم نے اوپر تنزیہ اور تخالف کے اصول کا ذکر کیا ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی تشریح کر دی جائے۔ تنزیہ کے معنی ہیں پاک کرنا یعنی اللہ کی ذات سے انسانی صورت و صفات کو علیحدہ کرنا اور تخالف کے بھی یہی معنی ہیں کہ "ہر خیال جو تمہارے دماغ میں آتا ہے فانی ہے اور اللہ اس سے مختلف ہے (کل ما خطر بی بالک، ناھو حاک واللہ بی خلاف ذالک) ان دو اصولوں کے برتنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ناموں سے اس کی ذات کا کوئی تخیل نہیں قائم کیا جا سکتا۔ اس کی فطرت ہمیشہ راز سر بستہ رہے گی بایں ہمہ حکمائے اسلام کی اکثریت فلسفہ واجب الوجود کی قائل رہی ہے یعنی خدا اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں۔ جسم و جسمانیت سے معرا ہے اور جب یہ ثابت ہے کہ خدا کے جسم نہیں۔ تو یہ بھی ثابت ہے کہ خدا کے لئے آلات، ادارک، حواس ظاہری و باطنی جیسے قوت لامسہ و ذائقہ و وہم و خیال اور افعال کے لئے اعضاء جوارح نہیں ہیں وہ غیر مادی اور غیر متغیر ہے۔ متاثر ہونا اور منفعل ہونا اس کے لئے محال ہے اور اس کا حلول کسی شے میں ناممکن ہے وہ نقائص سے پاک اور جملہ کمالات سے متصف ہے۔ اس کی صفات عین ذات ہیں۔

مسئلہ جبر و اختیار:۔

خدا کی ذات و صفات کے بعد دوسرا مسئلہ جس پر علماء اسلام نے سب سے زیادہ بحث و مباحثہ کیا ہے مسئلہ جبر و اختیار ہے یعنی انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور، وہ جو جی چاہے کر سکتا ہے یا سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ قرآن کی آیت ہے:۔ جس کو اللہ راہ دکھا دے وہی راہ پانے والے ہیں اور جس کو گمراہ کرنے وہ خسارہ میں رہنے والے ہیں" (۱۷۸\۷) قرآن میں متعدد مقامات پر خدا کا انسانوں کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر کرنے کا ذکر ہے (۱۵۵\۴، ۱۰۰\۱۰، ۷۵\۴، ۴۸\۲، ۵۹\۲۴، ۳۵\۳۰، ۴۰\۲۹، ۷\۴۲، ۳\۶۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے اور انسان مجبور محض ہے۔ ایک دوسری آیت سے بھی انسان کا مجبور ہونا ثابت ہوتا ہے "کہو کہ ہمیں نقصان نہیں پہنچ سکتا، بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھدیا ہے۔" (۵۱\۹) ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"اگر سب بندے مل کر کوشش کریں کہ تم کو کوئی ذرہ برابر نفع پہونچادیں جو تمہارے لئے خدا نے مقرر نہیں کیا تو وہ نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر سب مل کر تم کو کوئی ایسا نقصان پہنچانا چاہیں جس کا ارادہ خدا نے نہیں کیا تو وہ ہر گز نہیں پہونچا سکیں گے ۔" (ترمذی شریف) ۲۳

اشعری (متوفی ۹۳۵ء) لکھتا ہے کہ: ۔ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ روے زمین پر خیر و شر میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جو خدائے تعالیٰ کے ارادے کے بغیر واقع ہو سکے ۔ سب کچھ اس کے ارادے سے ہو رہا ہے خدا کے منشاء کے خلاف کوئی شخص کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے اور تمام افعال انسانی اس کے پیدا کئے ہوئے جیسا کہ اس آیت شریف سے ظاہر ہوتا ہے "خدا نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے ۔ ۲۴ اشعری کے نزدیک قتل کا فاعل بندہ نہیں بلکہ خدا ہے اور بندے محض ظہور ہے ۔

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ : ۔انسان صورت مختار ہیں مجبور ہے ۔" (الانسان مجبور فی مختار) شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۵ میں ہے کہ "اس پر اتفاق ہے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف منسوب کیا جاوے ۔ کیونکہ تمام کائنات خدا کے ارادے سے ہے ۔ بعض نے تفصیل سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ برعایت ادب یہ نہ کہا جائے کہ "خدا کفر ظلم اور فسق کا بھی ارادہ کرتا ہے ۔" ابو محمد ہشام بن الحکم (۳) (دوسری صدی ہجری) جبریہ عقیدہ رکھتے تھے۔ غالباً اس لئے کہ ابتداء میں انہوں نے جہم بن صفوان سے تعلیم حاصل کی تھی ۲۵ جو توحید کی آڑ لے کر جبر کے قائل ہوگئے تھے (کیونکہ ان کے نزدیک فاعلیت خدا ہی میں منحصر ہے) اسی طرح عمر خیام بھی جبریہ نظریہ کے موید تھے ۲۶

فلسفہ جبر پر سب سے بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے اور انسان افعال کے کرنے میں آزاد نہیں تو پھر وہ بے قصور ہے اور یہ خدا کے انصاف سے بعید ہے کہ وہ بے قصور کو سزا دے ۔ اس لئے بعض علماء نے انسان کے خود مختار ہونے کی تعلیم دی ۔ ایک فرقہ جو تاریخ میں قدریہ کے نام سے مشہور ہوا انسان کے بااختیار ہونے کا قائل تھا۔ معبد جہنی مسئلہ قدر کا موجد تھا۔ غیلان دمشقی

(پہلی صدی ہجری) اور خواجہ حسن بصری نے اس نظریہ کی شد و مد سے اشاعت کی اور مذہب اعتزال کی تاریخ اسی وقت سے شروع ہوئی ۲۷ (بعد میں قدریہ فرقہ معتزلہ میں ضم ہو گیا) معتزلہ گروہ یہ کہتا تھا کہ انسان خیر و شر کے انتخاب میں قطعاً آزاد ہے اور اس انتخاب کے بعد کام کرنے میں ہر طرح سے مختار ہے ۲۸

معتزلی امام واصل بن عطار (۶۹۹ء۔۷۴۸ء) مسئلہ قدر کے قائل تھے یعنی انسان خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہے ۲۹

ابو عثمان عمر بن عبید (۶۹۹ء۔۷۶۱ء) بھی واصل کی طرح قدریہ تھے۔ایک شخص نے اس مسئلہ پر ان سے بحث کی۔انہوں نے کہا کہ خدا نے قضا و قدر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ مسلمانوں کی تسلی و اطمینان کے لئے کافی ہے۔خدا کا ارشاد ہے:۔ فوربک لنسئلنھم اجمعین ما عملوا۔" یعنی ہم ان کاموں کا سوال کریں گے جو وہ کرتے تھے۔" یہ نہیں فرمایا کہ "ہم نے جو کچھ ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا" اس سے انسان کا اپنے افعال میں خود مختار ہونا ظاہر ہے (۴) یقیناً یہ آیت فلسفہ قدر کی تائید میں ہے۔لیکن دوسری آیات جبر کی تائید میں ہیں۔علمائے مغرب نے اسے "تضاد فی القرآن" کہا ہے۔اور اس کی طرف خصوصیت سے اشارہ کیا ہے (ملاحظہ ہو "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" مقالہ اللہ

۱۔تاریخ فلسفہ اسلام مصنف ٹ۔ج۔دوبوئر مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین صفحات ۲۷، ۳۷، ۵۷
۲۔ایضاً ۹۷ صفحات ۸۶۔۸۹ ۳۔سالنامہ نگار صفحہ ۹۷ ۴۔سالنامہ نگار ۵۵ء صفحات ۱۱۸۔۱۱۹
۵۔صفحات ۸۵۔۸۶ ۶۔صفحہ ۸۶ (۷) سالنامہ نگار ۵۵ء ۸۔نگار سالنامہ ۵۵ء صفحہ ۱۱۲
۹۔نگار سالنامہ صفحہ ۱۲۹ ۱۰۔تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۳۵ ۱۱۔نگار سالنامہ ۵۵ء صفحہ ۹۸
۱۲۔مولانا عبد السلام ندوی حکمائے حصہ اول صفحات ۴۹۔۴۳ ڈاکٹر اقبال فلسفہ عجم صفحہ ۱۲۰
۱۳۔سالنامہ نگار صفحہ ۸۰ (۱۴) سالنامہ نگار ۵۵ء صفحہ ۹۵
۱۵۔ایضاً صفحہ ۶۸۔۶۹ (۱۶) سالنامہ نگار ۵۵ء صفحہ ۶۴ (۱۷) صفحہ ۷۶
۱۸۔مزید تفصیل کے لئے جناب عرشی کا مضمون تیسری صدی ہجری کا ملجد اعظم مطبوعہ نگار ستمبر ۵۴
۱۹۔نگر سالنامہ ۵۵ء صفحہ ۸۷ (۲۰) صفحہ ۱۰۷
۲۱۔مولانا عبد السلام ندوی "حکمائے اسلام حصہ اول صفحات ۲۱۶۔۲۱۸
۲۲۔منقول از "اسلامی توحید" مولفہ مولانا منظور نعمانی صفحہ ۱۱ ۲۳۔حقائق الاسلام حصہ اول صفحہ ۳۳
۲۴۔علامہ ہندی فلسفۃ الاسلام جلد اول صفحات ۵۰۔۵۱
۲۵۔سالنامہ نگات ۵۵ء صفحہ ۱۲۰ (۲۶) فلسفہ الاسلام جلد اول صفحہ ۵۰
۲۷۔سالنامہ نگار ۵۵ء (۲۸) حقائق الاسلام جلد اول صفحہ ۳۳ ۲۹۔سالنامہ نگار ۵۵ء صفحہ ۱۲۰، ۱۰۶

تصوفِ اسلام

خدا کو جاننے کے لئے انسان نے دو راستے اختیار کئے۔ایک کا تعلق دل سے ہے اور دوسرے کا دماغ سے۔جب دماغ تھک گیا تو دل سے کام لیا اور جب دل نے ساتھ نہ دیا تو دماغ سے یہاں تک کہ دل و دماغ کی یہ جنگ خدا کے بارے میں اب تک جاری ہے۔دماغ یا عقل سے کام لینے والوں نے فلسفہ و حکمت کے ذریعہ خدا کی حقیقت معلوم کرنا چاہی اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ ملحد و منکر ہو گئے۔دل والوں نے صرف جذبات سے کام لیا اور وہ بھی آخر کار ماعرفناک کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے اور صوفیہ کا تعلق اسی جماعت سے ہے اس خیال کے لوگ مختلف قوموں میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں یہی فلسفہ و ویدانت کہلائی۔یونان و روم میں باطنیت ( ) MYSTICISM کے نام سے مشہور ہوئی اور اسلام میں تصوف کے نام سے۔

صوفی۔لفظ صوفی کے ماخذ کے باب میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے (۱) بعض اسے صفا سے مشتق مانتے ہیں کیونکہ صوفیوں کے لئے صفائے قلب ضروری چیز ہے، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ صفوی ہوتا نہ صوفی۔(۲) بعض صف سے استخراج کرتے ہیں کیونکہ خدا سے تعلق رکھنے والوں میں وہ پہلی صف میں آتے ہیں لیکن اس صورت میں سے صفی ہونا چاہیئے تھا۔(۳) بعض اس کا تعلق صفہ سے ظاہر کرتے ہیں۔اہل صفہ، رسول کے زمانہ میں صحابہ کی ایک جماعت تھی جو تارک الدنیا ہو کر مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہتی تھی۔لیکن اگر یہ لفظ صفہ سے ماخوذ ہوتا، تو اسے صفی ہونا چاہیے تھا۔(۴) بعض کے نزدیک لفظ صوفی یونانی لفظ سوف سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت کے ہیں اور ایرانیوں نے سوف کو صافہ سے بدل دیا۔(۵) آخری رائے یہ کہ لفظ صوفی صوف سے نکلا ہے جس کے معنی "اون" کے ہیں گویا صوفی کے معنی ہوئے "پشمینہ پوش" یہ آخری نام (پشمینہ پوش) فارسی زبان میں تارک الدنیا فقیروں کا لقب تھا۔کیونکہ شروع میں یہ لوگ مثل

عیسائی راہبوں کے بے رنگے ہوئے موٹے اون کا لباس پہنا کرتے تھے۔ اس رائے کو سب سے پہلے ابو النصر السراج (متوفی ۹۷۸ء) نے اپنی "کتاب اللمع" میں پیش کیا تھا اور اسی کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ امام قشیری کی تحقیقات کے مطابق یہ لفظ دوسری صدی ہجری کے اواخر (۸۱۵ء) میں وجود میں آیا۔

تصوف کا ماخذ

فان کریمر اور ڈوزی نے ایرانی تصوف کا ماخذ ہندی ویدانت کو ظاہر کیا ہے اور نکلسن نے نو فلاطونیت کو براؤن نے اسے سامی مذہب کے خلاف آریائی رد عمل قرار دیا ہے برخلاف اس کے علمائے اسلام کا یہ کہنا ہے کہ قرآن و حدیث میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود تھے جو عربوں کی خالص عملی ذہانت کی وجہ سے نشو و نما پا کر بار آور نہ ہو سکے لیکن جب ان کو ممالک غیر میں موزوں حالات میسر آگئے تو وہ ایک جداگانہ نظریہ کی صورت میں ظاہر ہوئے (۱)

قرآن کے سورہ ۵۶ (واقعہ) کی آیات ۸، ۹ اور ۱۱ میں انسانوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ اصحاب المیمنہ (داہنے ہاتھ والے) یعنی مومن جو خدا پر ایمان لائے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ (۲) اصحاب المشئمۃ (بائیں ہاتھ والے) یعنی جو لوگ بھٹک گئے اور دوسرے معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔ مقربون (مقرب کی جمع) جو لوگ خدا سے بالکل قریب ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف (باب اول) میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ لفظ صوفی قرآن مجید میں نہیں استعمال ہوا ہے لیکن اس کے مفہوم کو لفظ "مقرب" سے ظاہر کیا صوفیہ کے یہاں مراقبہ خاص چیز ہے جس کے ثبوت میں قرآن کی بعض آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں مشاہدہ کائنات اور مطالعہ نفس کی ہدایت کی گئی مثلاً

> "اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے نفوس کے اندر بھی ہیں۔ کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتی ہیں۔"
>
> (سورہ ۵۱ آیات ۲۰-۲۱)

اسی طرح عقیدہ وحدت الوجود، ان آیات سے استنباط کیا جاتا ہے۔

مشرق اور مغرب اللہ کا ہے اس لئے جدھر تم مڑو ادھر اللہ کا چہرے ہے" (۲\۱۱۵)

"اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔" (۴\۵۷)

"وہ (سب سے) اول (سب سے) آخر اور (ہر شے کا) ظاہر و باطن ہے اور وہ تمام چیزوں کا جانتا ہے۔" (۳\۵۷)

"خدا ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔" (۱۲۶\۴)

"اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔" (۱۶\۵۰)

اس سلسلہ میں یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ جب خدا انسان سے رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو اس کی ماہیت کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن میں یہ ہے: ۔وہ زمین اور آسمان کا نور ہے" (سورہ نور آیت ۳۵) اور نور کا ظہور ہر شے میں ممکن ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم روایات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے صوفیہ کا دعویٰ آتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے قرآن کی تعلیم کے ماسوا اپنے بعض صحابہ کو باطنی تعلیم بھی دی تھی لیکن "اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے کہ پیغمبر نے فی الواقعی حضرت علیؓ یا حضرت ابو بکرؓ کو کوئی باطنی علم سکھایا[۵] تھا" معرفتِ نفس کے سلسلہ میں یہ بلیغ جملہ "اپنے آپ کو پہچانو" سقراط کی طرف منسوب ہے لیکن صوفیہ اسے حضرت علیؓ بلکہ خود رسول کی طرف منسوب کرتے ہیں "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اس نے خدا کو پہچان لیا۔

بلاشبہ "تعلیم تصوف جہاں تک حب الہی، اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا تعلق ہے قرآن مجید سے لی گئی ہے" (۳) لیکن زندگی کے صوفیانہ نصب العین اور فلسفہ تصوف پر مسیحیت، نو فلاطونیت، بدھ مذہب اور ویدانت کی اثر آفرینی ناقابل انکار حقیقت ہے۔ (۴)

ویدانت کی اثراندازی کا امکان آٹھویں صدی کے بعد سے پیدا ہوتا ہے۔ جب عباسی خلفاء نے سندھ کو فتح کر لیا۔ منصور ہارون اور مامون رشید کے زمانوں میں سنسکرت ادب کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ البرامکہ نے (جو عباسی خلفاء کے وزیر تھے) خصوصاً

ہندو ادب کی نشر و اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ البیرونی (۹۷۳ء۔۱۰۴۸ء) نے "کتاب الہند" کے ذریعہ اپنے معاصرین کو ہندوستان کے علوم و فنون، مذہب اور سماجی حالت سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ سانکھیہ فلسفہ اور پاتنجلی کے یوگ سوتر کا سب سے پہلے سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا اور مسلمانوں کو بھاگوت گیتا سے متعارف کیا۔

ہندوستانی صوفیہ کا ویدانت سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ شہنشاہ اکبر نے اسلام اور ہندو مذہب میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور داراشکوہ نے سنسکرت سے رامائن، گیتا، اپنشد اور یوگ وشٹ کے ترجمے کئے، اپنشدوں کا ترجمہ "سر اکبر" (راز عظیم) کے نام سے کیا گیا۔ یوں تو داراشکوہ نے علوم اسلامی کے علاوہ توراۃ، زبور اور انجیل کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا لیکن اس کی تسلی اپنشدوں سے ہوئی جنہیں معدن توحید، سرچشمہ توحید اور قدیم ترین الہامی صحیفہ کہتا ہے۔ اس نے ویدانت اور تصوف کے اتحاد کو دکھانے کے لئے "مجمع البحرین" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو اب تک موجود ہے۔

پہلا صوفی:۔ مولانا جامی (۱۴۱۴ء۔۱۴۹۲ء) کے تذکرہ صوفیہ (نفحات الانس) سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس نے تصوف کی تعلیم دی۔ ذوالنون مصری (متوفی ۲۴۵ھ) تھے جو مشہور فقیہہ و محدث مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کے شاگرد تھے۔ ذوالنون کی تعلیمات کو حضرت جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ) ضبط تحریر میں لائے۔ اور جنید کے اصول کی تبلیغ ابو بکر شبلی خراسانی (متوفی ۳۳۵ھ) نے کی انکی تعلیمات کو ابو نصر السراج (متوفی ۳۷۸ھ) نے اپنی کتاب اللمعہ میں اور ابو القاسم القشیری (متوفی ۴۳۷ھ) نے اپنے رسائل میں قلمبند کیا۔ یہ امام غزالی (۴۵۰ھ۔۵۰۵ھ) کا کارنامہ تھا۔ انہوں نے دینیات میں فلسفہ کے علاوہ تصوف کو بھی شامل کر لیا اور اس طرح تصوف کو اسلام کا ایک ضروری جزو بنا دیا۔

صوفی خانوادے۔

صوفیہ کے مختلف سلسلے "خانوادے" کہلاتے ہیں۔ ان میں سے چودہ خاص ہیں۔

۱۔ زیدیہ (۱) بانی عبدالوحید زیدی (متوفی ۱۷۷ھ)

۲۔عیادیہ بانی فضیل بن عیاد (متوفی ۱۸۷ھ)

۳۔ادہمیہ بانی ابراہیم بن ادہم (متوفی ۱۶۱ھ)

۴۔عجمیہ (۲) بانی حبیب عجمی (متوفی ۱۵۶ھ)

۵۔کرخیہ بانی معروف کرخی (متوفی ۲۰۰ھ)

۶۔سقطیہ بانی سری سقطی (متوفی ۲۵۳ھ)

۷۔طیفوریہ بانی بایزید بسطامی (متوفی ۲۶۰ھ)

۸۔جنیدیہ بانی جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ)

۹۔جبریہ بانی جبر البصری (متوفی ۲۸۷ھ)

۱۰۔چشتیہ بانی خواجہ علو دینادری (متوفی ۹۹ھ)

۱۱۔غزرونیہ بانی ابو اسحق غزرونی (متوفی ۴۲۶ھ)

۱۲۔طوسیہ بانی علاؤالدین طوسی (متوفی ۵۶۰ھ)

۱۳۔سہروردیہ بانی ابو نجیب سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ)

۱۴۔فردوسیہ بانی نجم الدین کبریٰ (متوفی ۶۱۸ھ)

پاکستان وہندوستان میں صوفیہ کے چار سلسلے پائے جاتے ہیں۔قادریہ (۳)، سہروردیہ، چشتیہ اور نقشبندیہ (۴)۔چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۶۳۳ھ) اور نقش بندی سلسلہ کو خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۰۱۳ھ) اور ان کے شاگرد شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۵ھ) نے رواج دیا۔ہندوستان میں تصوف کی تجدید کی بناء پر شیخ موصوف مجدد الف ثانی کہلائے۔

صوفی شعراء۔فارسی میں ابو سعید فضل اللہ خراسانی (۹۶۷ھ۔۱۰۴۹ھ) کو صوفیانہ شاعری کا موجد سمجھا جاتا ہے۔یہ صرف رباعیات کہتے تھے۔ان کی ۹۲ رباعیاں مع جرمن ترجمہ کے ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی تھیں (۵)۔نظام گنجوی (۱۱۴۰ھ۔۱۲۰۲ھ) جو فارسی ادب میں "خدائے سخن" کہلاتے ہیں۔تصوف کی طرف بہت مائل تھے۔

تیرھویں صدی میں تین بڑے صوفی شاعر پیدا ہوئے فرید الدین عطار، جلال الدین رومی، اور شیخ سعدی۔انہوں نے مسلمانوں کے خیالات کو بہت متاثر کیا۔آج

بھی ان کا کلام شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

فرید الدین عطار:۔

امام غزالی کے انتقال کے ۸ سال بعد ۱۱۱۹ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے تھے۔ تصوف میں شیخ رکن الدین کے مرید تھے۔ ۳۰۔۱۲۲۹ء) میں چنگیز خاں کے حملہ کے دوران ایک منگول نے شہید کر دیا۔ نثر میں ان کا تذکرۃ الاولیا اور نظم میں پند نامہ اور منطق الطیر مشہور ہیں۔

جلال الدین رومی [۵۶]۔

۱۲۰۵ء میں بلخ میں پیدا ہوئے لیکن بعد میں قونیہ (ایشائے کوچک) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی مثنوی کو مسلمانوں میں بڑی عزت حاصل ہے۔

مولانا روم مولوی خانوادے کے بانی تھے۔ اس سلسلے کے فقیر "رقاص درویش" کہلاتے ہیں۔

شیخ مصلح الدین سعدی [۵]۔

شیراز کے مشہور شاعر تھے۔ ۱۱۸۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔ حضرت عبد القادر جیلانی ان کے مرشد تھے ان کی گلستان (نثر میں) اور بوستان (نظم میں) مشہور کتابیں ہیں۔ تصوف میں ان کی رسائل مشہور ہیں بعد کے صوفی شعراء میں صاحب گلشن راز، حافظ شیرازی اور جامی بہت مشہور ہیں۔

محمود شبستری:۔

ان کے بارے میں ہماری معلومات ناکافی ہیں۔ غالباً ان کا زمانہ تیرھویں صدی کا آخر اور چودھویں صدی کا شروع تھا۔ ان کی مثنوی گلشن راز بہت مشہور ہے جو تقریباً ۱۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے اس میں صوفیانہ مسائل کا سوال وجواب کی صورت میں ذکر ہے۔

حافظ شیرازی:۔

پورا نام خواجہ شمس الدین تھا (متوفی ۱۳۸۹ء) انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شیراز میں بسر کیا۔ دیوان حافظ ان کے کلام کا مجموعہ ہے۔ بعض غزلیں تصوف کے رنگ میں ہیں۔

مولانا جامی:۔

(۱۴۱۴ء۔۱۴۹۲ء) پورا نام نور الدین عبدالرحمن تھا۔ خراساں کے ضلع جام میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نقشبندیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے اور بولنا ترک کر دیا تھا ان سے تین دیوان اور سات مثنویاں یادگار ہیں جن میں مثنوی یوسف زلیخا بہت مشہور ہے ان کا تذکرہ صوفیہ (نفحات الانس) بہت مقبول ہوا۔

چونکہ اردو شاعری کا فارسی شاعری سے گہرا تعلق رہا ہے۔ اس لئے تقریباً سب ہی اردو شعراء نے مسائل تصوف کو بیان کیا ہے۔ عربی میں ابن الفرید (۱۱۸۱ء۔۱۲۳۵ء) سب سے بڑے صوفی شاعر تھے جو قاہرہ میں پیدا ہوا۔ طائیہ اس کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ جو ۷۶۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ ترکی کے صوفی شعراء میں نسیمی اور نیازی کے نام قابل ذکر ہیں۔

خدا کا تخیل

تصور باری کے اعتبار سے صوفیہ تین گروہوں میں منقسم ہیں:۔ ایجادیہ، وجودیہ، اور شہودیہ۔

ایجادیہ:۔

اس کا مقابلہ ہم مادھو آچاریہ کے "دویت واد" (ثنویت) سے کر سکتے ہیں۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات کی تخلیق لاشے سے ہوئی ہے اور خالق کا جوہر مخلوقات سے جدا ہے یہ نظریہ "ہمہ ازاوست" (سب اسی نے بنایا) کے قایل ہیں اور ان کا کلمہ "لا معبود الا ہو" ہے۔ یہ ہو الباری کا نعرہ بلند کرتے ہیں یعنی خدا فطرت سے مادر اور اس کا خالق ہے اس نظریہ کے مطابق خدا اور انسان کا تعلق خالق اور مخلوق حاکم اور محکوم کا سا ہے لہذا خدا کو محبوب کل ماننے کے باوجود عاشق انا عبدہ (میں اس کا غلام ہوں) کی منزل سے آگے نہیں بڑھتا۔

وجودیہ:۔

اس کا مقابلہ ہم شنکر آچاریہ کے "ادویت واد" (وحدت الوجود) سے کر سکتے ہیں اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں ہے۔ خالق

اور مخلوق کا جوہر ایک ہے ۔ یہ نظریہ "ہمہ اوست" (سب وہی ہے) کے قایل ہیں اور ان کا کلمہ "لاموجود الا ہو" ہے ۔ یہ ہو الکل کا نعرہ بلند کرتے ہیں ۔ یعنی کائنات کی ہر شے میں خدا کا ظہور ہے اور ماسوائے اللہ کے اور کچھ نہیں ہے ۔ انسان اور غذا میں وہی نسبت ہے جو قطرہ اور دریا میں ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ جب طالب حق کمال کے درجہ کو پہونچتا ہے تو وہ منصور کی طرح انا الحق (میں حق ہوں) کا نعرہ چلا اٹھتا ہے ۔ اس نظریہ کے مطابق عشق، عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں اور انسان میں خدا کا حلول یا خدا سے انسان کا اتحاد اور وصال ممکن ہے ۔ عشق حقیقی کی آخری منزل میں انسان اور خدا کا رابطہ ۔

من تو شدم ، تو من شدی   من تن شدم ، تو جاں شدی

ہو جاتا ہے ۔

وحدت الوجود کے قائل زندگی کو ایک بار گراں سمجھتے ہیں ۔ انہیں خدا سے "جدائی" کا احساس ستاتا رہتا ہے ۔

شہودیہ :۔

اس کا مقابلہ ہم رامانج کے "وشِشٹ ادویت واد" (مشروط ثنویت) سے کر سکتے ہیں ۔ یہ نظریہ ایجادیہ اور وجودیہ کے درمیان کی چیز ہے ۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق عالم مافیہا مثل آئینہ کے ہیں جن میں الٰہی صفات کا عکس نظر آتا ہے یہ نظریہ "ہمہ اندر اوست" (سب اسی میں ہے) کے قایل ہیں اور ان کا کلمہ "لا مشہود الا ہو" ہے ۔ تخلیق عالم کے بارے میں اس مدرسہ کا یہ خیال ہے :۔

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد
پیوستہ زخویشتن جدائی باشد
خود را بہ لباس غیر دیدن عجب است
کیں بوالعجبی کار خدائی باشد

شہود کے معنی دیکھنے یا مشاہدہ کرنے کے ہیں اور اہل تصوف کی اصلاح میں یہ ایک درجہ بھی ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد سالک کو تمام موجودات میں جلوہ حق نظر آنے لگتا ہے ۔ اس مسلک کے ماننے والے شہودی کہلاتے ہیں ۔ اور دراصل

وجودی اور شہودی صوفیوں کے دو بڑے گروہ ہیں۔

شہودیہ دبستان خیالی کے بانی شیخ رکن الدین علاؤالدولہ تھے۔ان کا صحیح زمانہ نا معلوم ہے لیکن اتنا یقینی ہے کہ وہ ۱۶۸۷ میں بغداد میں مقیم تھے۔

بایزید بسطامی (متوفی ۸۷۴ء) ابو سعید خراسانی (۹۶۷ء۔۱۰۴۹ء) اور محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ء۔۱۲۴۰ء) فلسفہ وحدت الوجود کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ الجیلی (۱۳۶۵ء۔۱۴۲۸ء) نے انسان کامل، میں اس نظریہ کی تائید کی۔وہ کہتا ہے کہ:۔
"خدا پانی ہے اور فطرت آب منجمد یا برف" ابن العربی کے نزدیک بھی "خالق اور مخلوق دونوں کا جوہر ایک ہے" (وجود المخلوقات عین وجود الخالق)

بایزید بسطامی نے تصوف میں "فنا" کے تصور کو داخل کیا۔یعنی جب عارف نہایت درجہ تک پہونچتا ہے تو اس کی ذات منفی ہو جاتی ہے اور صرف خدا ہی خدا رہ جاتا ہے۔اور یہ مرتبہ "فنافی اللہ" کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔صوفیہ کے عقیدہ میں حصول فنا کے بعد بقائے دوام حاصل ہوتا۔اس عقیدہ کا مقابلہ بدھ مذہب کے موکش یانروان سے کیا جاتا ہے۔

عقیدہ حلول:۔

اسی سلسلہ میں عقیدہ حلول کا ذکر بھی ضروری ہے۔اس نظریہ کے مطابق اللہ تعالی ہر شے کے رگ و پے میں اس طرح پیوست ہو جاتا ہے کہ اسے ذات الہیٰ سے کوئی جدا شے قرار دینا ممکن نہیں اور اس لئے اگر خود اس پر خدا کا اطلاق کیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔فرقہ حلولیہ کے مطابق خدا ہر شے کے جزو جزو میں اس طرح گھل مل کر سمایا ہوا ہے کہ اس شے ہی کو بجائے خود اللہ قرار دے دیا جائے تو صحیح ہو گا۔[۱] یہ عقیدہ ویدانت سے تعلق رکھتا ہے۔حسین بن منصور حلاج بھی حلول کا قائل تھا "وہ مدعی تھا کہ تزکیہ نفس و تصفیہ قلب اور کثرت عبادات سے انسان بشریت سے منزہ ہو جاتا ہے۔اور اس میں ایک خاص استعداد و صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس وقت روح الہیٰ اس میں حلول کر جاتی ہے۔اور .. انسان سے بالکل خدا بن بیٹھتا ہے [۱۲] اس عقیدہ کے پیش نظر اس نے انا الحق (میں حق ہوں) اور "لیس فی جبتی الا الحق" (میرے لباس حق کے سوا کچھ نہیں ہے) کا نعرہ لگایا۔اسی دعوائے الوہیت کی بنا پر اسے ۹۲۲ء میں قتل کر دیا گیا۔

شریعت سے انحراف:۔

منصور کے ایسے موموز فقرے بایزید بسطامی سے بھی منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً ۔ میرے جبہ میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہے " میری شان کیسی عالی ہے " فی الحقیقت میں خدا ہوں ، میرے سوا کوئی خدا نہیں اس لئے میری پرستش کرو " وغیرہ وغیرہ .. خواب میں " معراج " حاصل ہونے کے بھی مدعی تھے ۔ انہی کا قول ہے کہ عشق عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں میں اور تو (خدا) کی تفریق سے خدا کی توحید میں فرق پڑتا ہے ۔

ابو سعید خراسانی (متافی ۴۴۰ء) عارفین کیلئے شریعت کو غیر ضروری بتاتے تھے اپنے سلسلہ کے درویشوں کو انہوں نے ہدایت کی تھی کہ جب موذن اذان دیں تو سلسلہ رقص کو منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ وہ حج کی بھی ممانعت کرتے تھے شمس تبریز کے اشعار ذیل سے بھی کی نفی ہوتی ہے ۔

اے قوم ! بہ حج رفتہ ! کجا اید کجا اید
معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
معشوق تو ہمسایہ تو دیوار بہ دیوار
در باد یہ سرگشتہ چرائید چرائید
آناں کہ طلبگار خدااید ، خدا اید
حاجت بہ طلب نیست شمااید شمااید
چیزے کہ نگر دید گم از بہر چہ جوئید
کس غیر شمانیست کجا اید کجا اید

قدیم صوفیوں کے برخلاف جو سنت رسول کا اتباع کرتے تھے ، یہ شریعت سے صریحاً انحراف ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ فقہا اور متکلمین نے ہمیشہ تصوف کو نفاق سمجھا ۔ خارجیوں اور امامیوں نے بھی اس کی مذمت کی ۔ معتزلہ اور علماء ظواہر نے تصوف کی اس لئے مخالفت کی کہ خالق اور مخلوق کے " عشق " کو تسلیم کرنے کے معنی نظری طور پر " تشبیہہ " کے اصول کو تسلیم کرنا اور عملی طور پر ملامسہ اور حلول کو ماننا ہے ۔

حقیقت محمدی

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے صوفیہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے
کہ محمدؐ کے ساتھ نور کا تصور بھی انہوں نے شامل کیا تھا[۵۱۳]۔ لیکن دراصل یہ خیال بڑا پرانا
ہے ابن سینا (ولادت ۹۸۰ء) نے اپنی کتاب الاشارات میں فلسفۂ ارسطو کی عقل (علت
اولیٰ) کا مقابلہ خدا کے نور سے کیا تھا جس کا قرآن (۳۵/۲۴) میں ذکر ہے

یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو
دیکھا۔ (۱۴/۹)

رسول اللہ سے اس طرح منسوب کیا جاتا ہے "جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو
دیکھا بعض صوفیہ کے نزدیک محمد جامہ بشری میں خدا تھے نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ وہ
تخلیق عالم سے پہلے موجود تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیہ کے نظام تکوین میں محمدؐ کا
وہی مقام ہے جو عیسائیت میں کلام (LOGOS) کا ہے یوحنا کی انجیل کی ابتدائی
آیات ہیں

> ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ اور کلام خدا
> تھا .... ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا
> ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز
> بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی اس میں زندگی تھی
> اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا۔
>
> (باب ۱۔ آیات ۱۔۴)

حدیث نبوی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا تھا اور پھر اس نور
سے زمین و آسمان اور ساری مخلوق کو پیدا کیا دوسری حدیث ہے۔ میں پیدا ہوا ہوں
اللہ کے نور سے اور میرے نور سے ساری مخلوق ہے۔

(قصص الانبیاء)

محی الدین عربی (۱۱۶۵ء ـ ۱۲۴۰ء) نے حقیقت محمدیؐ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ
لکھتے ہیں کہ ـــــ "حقیقت محمدی کا تخیل کائینات کا تخلیقی، احیائی اور عقلی اصول

ہے وہ "حقیقت الحقائق" ہے جس کا ظہور "انسان کامل" میں ہوتا ہے کامل انسان ▪ ہے جس میں عالم کبیر کے جملہ صفات کا اجتماع ہو۔"

عبدالکریم الجیلی (۱۳۶۵ء۔۱۴۲۸ء) نے اپنی مشہور تصنیف "انسان الکامل" میں حقیقت محمدی پریوں روشنی ڈالی ہے "اس کا ایک نام امراللہ ہے اور تمام موجودات میں اس کا مرتبہ افضل ترین ہے وہ تمام مخلوقات کا محور ہے ملائکہ اس کے سامنے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو قطرے بحر ذخار کے سامنے"

تخلیق عالم کو صوفیہ کی اصطلاح میں تنزل کہتے ہیں اس نظرے کی تائید میں حدیث قدسی نقل کی جاتی ہے یعنی میں (خدا) ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا۔

صوفیہ کے نزدیک ساری کائنات دو حصوں میں منقسم ہے عالم امر اور عالم خلق عالم امر سے مراد وہ لطیف اشیاء ہیں جو لفظ "کن" سے پیدا ہو گئیں۔ یہ غیر فانی ہیں اور عالم خلق سے مراد وہ اشیا ہیں جو مادہ سے پیدا کی گئیں یہ فانی ہیں ان دو عالمین کو ملا کر عالم کبیر کہتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے جو عالم امر کے پانچ عناصر قلب، روح، سر، خفی اور اخفاء اور عالم خلق کے پانچ عناصر نفس، خاک، باد، آتش، آب) کی ترکیب سے بنا ہے۔

صوفی کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ترکیبی عناصر (جنہیں لطائف کہتے ہیں کو منزہ کر کے عرفان الہی حاصل کرے۔

طریقہ تصوف

تصوف کی اصلاح میں روحانی زندگی کو "سفر" کہتے ہیں اور حق کی طالب روح "سالک" کہلاتی ہے اس کی منزل مقصود "معرفت" ہے اور راستہ "طریقت" وہ مختلف مقامات" اور "احوال" سے گزر کر منزل تک پہنچ کر فنافی الحقیقت ہونا چاہتی ہے۔

امام غزالی، مشکواۃ الانوار میں لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ روشنی اور تاریکی کے ۷۰ ہزار حجابات میں مخفی ہے جن میں سے نصف اندرونی پردے نور کے ہیں اور نصف بیرونی تاریکی کے وصال کی آرزومند روح سات منازل سے گذرتی ہے اور ہر منزل طے

کرنے پر دس ہزار پردے دور ہو جاتے ہیں۔ بالآخر جب روح آخری منزل کو پہنچتی ہے تو سارے حجابات دور ہو جاتے ہیں اور طالب مطلوب کے روبرو ہوتا ہے ہفت منازل کے بارے میں صوفیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ منزلیں یہ ہیں (۱) عبودیت (۲) عشا (۳) زہد (۴) معرفت (۵) وجد (۶) حقیقت (۷) وصل۔ بعض روحانی نشو ونما کی صرف چار منزل مانتے ہیں یعنی شریعت، طریقت معرفت، حقیقت ان کا مقابلہ ہم مسیحی صوفیوں کی تین اصطلاحوں سے کرسکتے ہیں۔(۱) تزکیہ نفس (۲) تنویر قلب (۳) واصل

صوفیہ کشف کے بھی قائل ہیں یعنی ہر انسان میں خدا تک پہنچنے اور اس کو جاننے کے لئے ایک قوت مخفی موجود ہے اس خوابیدہ قوت کو بیدار کرنا ہی صوفیہ کا نصب العین ہے اس کا آغاز دنیا کی حرص وہوس کو چھوڑ کر عبادت، ریاضت اور مراقبہ سے ہوتا ہے طریقت کے معنی ہیں "راہ حق" اس منزل پر قدم رکھنے کے بعد سالک کو الہام حاصل ہوتا ہے بعد ازاں انسان خدا کا سچا علم (عرفان) حاصل کرتا ہے اور آخری منزل وہ ہوتی ہے جب انسان کی اپنی خودی بالکل مٹ جاتی ہے اور خدا ہی خدا رہ جاتا ہے۔

روحانی نشو ونما کے لئے انسان کو ان تمام منازل سے گزرنا پڑتا ہے جن سے خدا تکوین عالم کے فعل میں گزرا لیکن خدا کا عالم مخلوقات میں ظہور تنزل کی صورت میں ہوتا ہے اور بندہ کا خدا تک پہنچنا عروج کی صورت میں انہیں کو قوس نزول اور قوس عروج کہتے ہیں اور یہی سفر الحق اور سفر العبد کہلاتا ہے۔

عشق مجازی

صوفیہ عشق مجازی حقیقی کی ایک منزل قرار دیتے ہیں جب انسان کو دنیاوی عشق میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ خدا کی طرف رجوع ہوتا ہے اور دنیاداری چھوڑ کر خدا سے محبت کرنا سیکھتا ہے وہ ذات خداوندی کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے اور خدا کے لئے خودی کو مٹا دیتا ہے دنیا میں پڑ کر خدا کا حاصل کرنا صوفیہ کے نزدیک محال ہے۔

اگرچہ رہبانیت اسلام کے منافی ہے (حدیث ہے "لارہبانیت فی الاسلام)

لیکن ترک دنیا صوفیہ کا شعار ہے ۔ ابراہیم بن ادہم (متوفی ۷۷۷ء / ۱۱۴۰) بلخ کے شہزادے تھے لیکن انہوں نے تخت و تاج چھوڑ کر فقیری لے لی (ان کی زندگی ہمیں گوتم بدھ کی یاد دلاتی ہے) ابو حامد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱) جو بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں پروفیسر تھے ۔ فلسفہ اور دینیات میں روحانی تسکین نہ پاکر تصوف کی طرف مائل ہوئے اور اپنے عہدے سے استعفادے کر تلاش حق میں بغداد چھوڑ کر خدا جانے کہاں کہاں خاک چھانی ۔ اسی طرح فرید الدین عطار (ولادت ۱۱۱۹ء) نے بھی پیشہ چھوڑ کر فقیری اختیار کی ۔ مختصر یہ کہ فقر و فاقہ اور ترک صوفیہ کی زندگی کا ایک ضروری جزو رہا ہے ۔

صوفیہ کی آزادی

چونکہ صوفیا کا واحد مقصود " تلاش حق " ہوتا ہے وہ مذاہب میں تفریق نہیں کرتے

عرفی کہتا ہے ۔

عاشق ہم از اسلام غراب است وہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند
ہر گز نگو کہ کعبہ ز بتخانہ خوشتراست
ہر جا کہ ہست جلوہ جانانہ خوشتراست

فارسی اردو شعراء نے بکثرت اس خیال کو ظاہر کیا ہے ۔

اقبال اور فلسفہ خودی

تصوف کی بنیاد فنا فی اللہ کے عقیدے پر ہے وہ دنیاوی علوم و فنون میں ترقی کے بجائے ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے توکل ، قنوطیت اور تقدیر پرستی اس کے لازمی ثمر ہیں اور جب تصوف شعر و ادب میں داخل ہوگیا تو عوام پر اس کی اثر اندازی بڑھ گئی جس سے عوام کے ذوق عمل کو صدمہ پہنچا اور من حیث الکل تصوف مسلمانوں کے تنزل کا باعث ہوا ۔ لہذا اس بے راہ روی کے استحصال کے لئے ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

(۱۸۷۶ء۔۱۹۳۹ء) نے اپنی مثنوی "اسرار خودی" میں تصوف کی نئی تفسیر پیش کی اور ان کے پیغام نے مسلمان عالم میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اقبال نے فلسفہ اور تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ تصوف کے "انسان کامل" اور فلسفہ کے "فوق البشر" (SUPERMAN) سے انہوں نے فلسفہ خودی کا بنیادی تخیل اخذ کیا

انسان وخدا کے باہمی تعلق پر اقبال نے اپنے فلسفہ خودی میں جو خیال آرائی کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے مقابلہ میں انسان ایک مستقل ہستی کا مالک ہے اور اسے وصل کی آرزو کی بجائے اپنی خودی میں رفعت پیدا کرنا چاہئیے۔ صوفیہ کے نزدیک ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کو نفس کل میں جذب کر دیں قطرہ کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ دریا کی بے پایاں اور لازوال موجوں میں گم ہوجائے[۱۴] لیکن اقبال کا کہنا ہے کہ جب انسان کی انفرادیت ہی ضائع ہو گئی تو وصال کا کیا لطف۔ اگر قطرہ دریا میں ملے گا تو اپنی جداگانہ ہستی کھو بیٹھے گا۔ لہذا ہمیں نفی خودی کے بجائے حفظ خودی کی تدبیر کرنا چاہئیے دراصل فلسفہ خودی تصوف کے اس مخصوص تصور کا ردعمل ہے جو انسان کو اپنی جداگانہ ہستی مٹانے کی تلقین کرتا ہے...... وہ ہستی جو صوفیہ کے نزدیک باعث ننگ اور منبع آلام ہے۔ اقبال کے نزدیک مایہ صد فخر و مباہات ہے اور وہ اس کی تحلیل کو برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ خدا سے ملنے کو آمادہ ہیں لیکن اپنی ہستی کو کھو کر نہیں[۱۵]۔ اقبال انسان کی مجبوری کے قائل نہ تھے۔ نوع انسان کے لئے ان کا یہ پیغام تھا

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

۱۔ ڈاکٹر اقبال "فلسفہ عجم صفحہ ۹۵
۲۔ اقبال "فلسفہ عجم ۱۰۲ (۳) مولانا عبدالمالک آروی "تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر" نگار نومبر ۲۹ء صفحہ ۴۰
۴۔ ایضاً صفحہ ۳۵

۵۔ سالنامہ نگار ۵۵ء (۶) ان کے کلام کا نمونہ شعرالعجم جلد دوم میں دیکھیئے

۷۔ تفصیلی حالات کے لئے مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سوانح عمری مولانا روم ملاحظہ ہو

۸۔ تفصیلی معلومات کے لئے مولانا حالی کی کتاب "حیات سعدی" دیکھیئے

۹۔ نگار سالنامہ ۵۵ء صفحہ ۱۳۰

اناالحق ہمیں ویدانیت کے "اہم برہم اسمی (میں خدا ہوں) اور تت توم اسی (تو "وہ" ہے)

کی یاد دلاتا ہے۔

۱۱۔ حسین بن منصور علاج از جناب مولوی اسمعیل ناصح عالمگیر جون ۱۹۴۲ء

۱۲۔ حسین بن منصور علاج از جناب مولوی اسمعیل ناصح عالمگیر جون ۱۹۴۲ء

۱۳۔ امام غزالی کی کتاب "مشکواۃ الانوار کے ایک باب میں حقیقت محمدی" کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے

۱۴۔ محمد رفیق خاور "اقبال اور اس کا پیغام صفحات ۱۶۔۱۷

۱۵۔ "اقبال اور خدا" از جناب عبدالغفار صاحب ایم۔اے، ایم۔او۔ایل عالمگیر جون ۱۹۴۰ء

عقلیت کا عروج

تاریخ عالم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب اور علم ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزمارہے ہیں اور ایسا ہونا چاہئے تھا کیونکہ مذہب اپنی تعلیمات پر آنکھ بند کر کے عمل کرانا چاہتا ہے اور علم ہر چیز تسلیم کرنے سے پہلے عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اسی لئے علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ لوگوں میں تشکیک کا مادہ بڑھتا گیا اور پھر اسی تشکیک نے آگے چل کر الحاد و کفر کی صورت اختیار کرلی۔

جب کسی قوم کے مذہب و اخلاق میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو مفکرین اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور جب کوئی شخص اصلاح کی غرض سے سامنے آتا ہے تو اس کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔ مصر میں جب اخناتن نے اصلاحی قدم اٹھایا تو قوم اس کی دشمن ہو گئی۔

ہندوستان میں بدھ اور جین مذاہب کا ظہور برہمنوں کے مذہب کے ردعمل کی صورت میں ہوا تھا چونکہ ان دو مذاہب کے بانیوں (مہاتما گوتم بدھ اور مہابیر سوامی) نے ویدک مذہب کے بنیادی عقائد کو تسلیم کر لیا تھا اس لئے مصلح و پیغمبر کہلائے لیکن چارواک نامی فرقے نے ویدک مذہب پر سخت تنقید کی اور مصالحت پر تیار نہ ہوا اس لئے ملحد کہلایا۔[۱]

یونان و روم کے ملاحدہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے خیالات عوام سے قطعاً مختلف تھے اور وہ کسی طرح ان سے مفاہمت کرنے پر تیار نہ تھے۔

عرب میں محمدؐ کا ظہور اس وقت ہوا تھا جب عربوں کا مذہب خرافیات اور مکروہات کا مجموعہ بن کر رہ گیا تھا ان کی ہر طرح سے مخالفت کی گئی۔ بالآخر انہوں نے اپنے بلند اخلاق اور کردار سے بدوؤں کو رام کر لیا اور پیغمبر کہلائے۔ پھر مسلمانوں میں ابن الراوندی ایسے ملحد اعظم پیدا ہوئے اور بہت سے دوسرے لوگ بھی جنھوں نے

اسلامی تعلیمات پر علم و عقل کی روشنی میں نکتہ چینی کی یا اصلاح پر کمربستہ ہوئے۔

الغرض الحاد اور کفر دنیا کوئی چیز نہیں ہے لیکن یورپ اور امریکہ سے پہلے جن ممالک میں اتحاد کا ظہور ہوا وہ محض ذاتی غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ اس میں سائنس کا دخل نہ تھا اور موجودہ الحاد سائنس پر مبنی ہے۔

دور جدید کا آغاز

قرون وسطیٰ میں یورپ میں تہذیب و شائستگی کا زوال ہو چکا تھا۔ جا بجا چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ جاگیرداروں کا زور تھا۔ عوام کی حالت خراب تھی۔ تعلیم کا فقدان اور مذہب کا غلبہ تھا۔

مذہبی معاملات میں پوپ کی رائے آخری تسلیم کی جاتی تھی اور گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں مغربی یورپ میں تقریباً نصف جاگیردار چرچ کے افسر تھے۔

سولہویں صدی سے جاگیرداری مٹنے لگی اور حکومت کی باگ ڈور طاقتور بادشاہوں کے ہاتھ میں آگئی۔ بادشاہوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ سیاسی صیغہ کی طرح مذہب پر بھی ان کا اقتدار قائم ہو جائے اس پر پوپ اور بادشاہوں میں جھگڑا ہوا۔ بالآخر پوپ کی طاقت محدود ہو گئی اور بادشاہوں کے اختیارات مذہب کے معاملہ میں بھی بڑھ گئے وہ "نیابت الٰہی کے اصول کے قائل تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہوں کے تقرر خدا کی جانب سے ہوتا ہے لہٰذا وہ خدا کے سوا اپنے اعمال اور افعال کے لئے کسی کے روبرو جوابدہ نہیں لیکن علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ عوام کو اپنے حقوق اور فرائض کا پورا احساس ہو چکا تھا اٹھارہویں صدی سے استبدادی حکومتوں کا زوال شروع ہوا اور دور جدید کے دوسرے نصف (پہلا نصف سولہویں سے) اٹھارویں صدی تک مانا جاتا ہے) یعنی انیسویں اور بیس صدی عیسوی میں دنیا کے بیشتر ممالک سے بادشاہت رخصت ہو گئی اور جمہوریت قائم ہو گئی۔

علوم و فنون کا احیاء

یونان و روما کے زوال کے بعد یورپ میں جہالت کا دور شروع ہو گیا تھا۔ چودہویں سے سترہویں صدی عیسوی تک یورپ میں علوم و فنون کی نئی اشاعت ہوئی

یہ تحریک نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کہلاتی ہے جو بڑی حد تک مسلمانوں کی رہین منت ہے۔ تمدن یورپ پر اسلامی اثرات کی ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوتی ہے علم کا پہلا مرکز اٹلی تھا وہاں سے علمی ذوق فرانس۔ اسپین اور انگلستان وغیرہ منتقل ہوا۔ بعد کو کاغذ سازی کے رواج اور چھاپے خانوں کے قیام سے اشاعت علوم میں بڑی مدد ملی۔

مذہبی اصلاح

اول اول پوپ کو کلیسا کا صدر مانا جاتا تھا اور ملک کی حکومت پر بھی اس کا بڑا اقتدار تھا حتیٰ کہ جب جرمنی کے بادشاہ ہینری چہارم کو پوپ گریگوری ہفتم (۱۰۷۳ء۔ ۱۰۸۰ء) نے عیسائی برادری سے خارج کر دیا تو وہ ننگے پاؤں اور ٹاٹ لپیٹ کر اس سے معافی مانگنے گیا تھا۔[۲]

اس کے بعد جب علم روشنی پھیلی تو لوگ پوپ پر بھی رائے زنی کرنے لگے اور اصلاح کلیسا کی طرف لوگوں کی توجہ ہوئی اس سلسلہ میں جان وکلف (JOHN WYCLIFFE) کا نام سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے جو چودہویں صدی عیسوی میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم دیتا تھا وہ بڑا آزاد خیال شخص تھا اس کی نکتہ چینی سے ناراض ہو کر پوپ نے اسے برادری سے خارج کر دیا (اس زمانہ میں کسی بھی آدمی کے لئے یہ سب سے بڑی سزا خیال کی جاتی تھی) اور اسے یہ حکم ملا کہ یونیورسٹی میں کام ترک کر دے اور جب وہ مر گیا تو ایک مذہبی جلسہ کے حکم کے مطابق اس کی لاش پاک مقام سے کھود کر ناپاک جگہ پر پھینک دی گئی اور اس کے پیروؤں کی کثیر تعداد زندہ جلادی گئی۔[۳]

دوسرا شخص ایرسمس (ERASMUS) تھا جس نے چرچ کی خرابیوں کو طشت ازبام کیا اس کا زمانہ ۱۴۶۶ء سے ۱۵۳۶ء ہے۔ اگرچہ وہ ہالینڈ میں پیدا ہوا تھا مگر اس کی زندگی کا زیادہ حصہ فرانس انگلستان، اٹلی اور جرمنی میں گذرا تھا پوپ کو بے نقاب کرنے کیلئے اسی نے ۱۵۱۹ء میں ایک کتاب "حماقت کی تعریف" لکھی جس سے پوپ کے وقار کو سخت نقصان پہنچا۔

تیسرا شخص مارٹن لوتھر (MATIN LUTHER) تھا اس نے مذہبی اصلاح

کی سب سے زیادہ کوشش کی وہ ۱۴۸۳ء میں جرمنی میں پیدا ہوا اور ۱۵۴۶ء میں وفات پائی اس نے لیو دہم (LEO X) کی سخت مخالفت کی اور آخرکار جرمنی میں پروٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو یورپ کے دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا یہاں تک کہ اسپین واٹلی کے علاوہ تمام امریکہ پروٹسٹنٹ کلیسا کا مقلد ہے۔

مذہب سے انحراف

پروٹسٹنٹ مذہب کے قیام سے یورپ میں فرقہ وارانہ خونریزی کا آغاز ہوتا ہے جب کسی ملک کا حکمران کیتھولک مذہب کا پیرو ہوتا تو پروٹسٹنٹ لوگوں کا خون بہاتا اور جب کوئی حکمراں پروٹسٹنٹ ہوتا تو کیتھولک لوگوں کا قتل عام کرتا پروٹسٹنٹ مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے پوپ نے ایک خاص محکمہ تفتیش قائم کیا۔ جس نے چند سال کے مختصر عرصہ میں اسپین اور اٹلی میں لاکھوں انسانوں کی جان بڑی عقوبت سے لی۔ اور جب بھی کسی عالم نے کوئی ایسی بات کہی جو بائبل کی تعلیم کے خلاف ہوئی تو وہ بھی پوپ کا نشانہ غضب بنا۔ الغرض جتنی علمی ترقی ہوتی جاتی تھی اتنی ہی لوگوں کو اس بات کا احساس ہوتا جاتا تھا کہ بائبل "الہامی صحیفہ" نہیں ہے اور اس کی بعض تعلیمات علم کی رو سے غلط ہیں چنانچہ گیارڈانو برونو اطالوی عالم کو اسی جرم میں پوپ کے حکم سے سات سال کے لئے قید میں ڈال دیا گیا اور پھر ۱۷ فروری ۱۶۰۰ء کو زندہ جلا دیا گیا اور گلیلیو کو اس جرم میں کہ وہ سورج کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا قانونی شکنجہ میں کسا گیا۔

پھر عالموں کے دشمن صرف کیتھولک مذہب کے ماننے والے ہی نہ تھے بلکہ پروٹسٹنٹ مذہب کے لوگ بھی تھے انہوں نے عیسائی مذہب میں صرف اتنی ہی اصلاح کی تھی کہ پوپ کی غلامی کے جوئے کو اتار پھینکا تھا اور گرجوں سے مریم اور عیسی کے بت اور تصویریں نکلوا دی تھیں، لیکن وہ اس کے لئے تیار نہ تھے کوئی شخص بائبل کے بیانات کو غلط ثابت کرے۔ اگرچہ ارباب مذہب نے سائنس دانوں اور فلاسفہ پر طرح طرح کے ظلم کئے تاہم ان کی ترقی برابر جاری رہی۔

فرانس

ڈیکارٹ[۸] (۱۵۹۶ء – ۱۶۵۰ء) کو فلسفہ جدید کا بانی مانا جاتا ہے وہ پہلا شخص تھا جس نے فلسفہ اور مذہب میں تفریق پیدا کی۔ اگرچہ وہ خدا کا قائل تھا تاہم خدا کے بارے میں ان کا تصور عوام سے مختلف تھا۔ جسیوٹ پادریوں کے خوف سے اس نے اپنے خیالات کا اظہار کھل کر نہیں کیا لیکن اس میں ذرا شبہ نہیں کہ وہ عقلیت کا زبردست حامی تھا جس کا سب سے بڑا ثبوت اس کی کتاب (DISCOURSE ON METHOD) ہے ڈیکارٹ کے انتقال کے صرف بیس سال کے بعد اس کے فلسفہ پر پابندی عائد کردی گئی بایں اس کا فلسفہ ترقی کرتا رہا۔

نکولس[۸] فریرٹ (۱۶۸۸ء – ۱۷۴۹ء) فرانس کا پہلا عالم تھا جس نے اپنے کو لامذہب ظاہر کیا اور روشو (۱۷۱۲ء – ۱۷۷۸ء) اور والیٹر[۹] نے (۱۶۹۴ء – ۱۷۷۸ء) سماجی انقلاب پیدا کرنے میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں اگرچہ یہ دونوں خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن وحی کے قائل نہ تھے اور والیٹر کو بقائے روح سے بھی انکار تھا جب والیٹر نے اپنے فلسفیانہ خطوط شائع کیے تو اصحاب کلیسا اس قدر برہم ہوئے کہ اس کی جلدوں کو فراہم کرکے جلادیا اور غریب والیٹر کو جان بچانے کے لئے ایک قلعہ میں پناہ لینی پڑی

والیٹر اور روشو کا ہم عصر ایک دوسرا زبردست عالم ڈڈیرٹ[۱۰] (۱۷۱۳ء – ۱۷۸۴ء) تھا جس نے فلسفہ تشکیک سے متاثر ہوکر ۱۷۴۶ء میں ایک کتاب لکھی اور اس کی پاداش میں اسے ایک سال کے لئے قید کردیا گیا۔

اسی سلسلہ میں مشہور عالم فطرت بفان[۱۱] (۱۷۰۷ء – ۱۷۸۸ء) کا ذکر بھی ضروری ہے جس نے ۳۵ سال کے عرصہ میں (۱۷۴۹ء – ۱۷۵۸ء) ۳۶ جلدوں میں اپنی شہرہ آفاق کتاب (NATURAL HISTORY) لکھی اس کتاب میں اس نے سورج اور سیاروں کی پیدائش کا وہ نظریہ بھی شامل کرلیا جس کا بعد اخاکہ ڈیکارٹ نے بنایا تھا اور جسے سائنسی صورت لاپلاس نے عطا کی پادریوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس کتاب کی بعض عبارتیں بدل دے۔ غالباً اس نے ایسا ہی کیا کیونکہ بعد کو اس نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ میں نے جابجا خالق کا ذکر کیا ہے لیکن کہیں صرف اس لفظ کو نکال کر بجائے اس کے قوت فطرت لکھا ہے وہ بقائے روح کا بھی قائل نہ تھا۔

۱۷۹۶ء میں مشہور ماہر فلکیات لاپلاس[۱۱۲] (۱۷۴۹ء – ۱۸۲۵ء) نے آفرینش عالم کے بارے میں اپنا مشہور "سحابی نظریہ" پیش کیا۔

مشہور فلسفی کانٹ[۱۱۳] (۱۷۹۸ء – ۱۸۵۷ء) نے ایک خاص فلسفہ نظام کی بنیاد ڈالی جو ثبوتیت کہلاتا ہے اس کی رو سے صرف ان چیزوں کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جو قابل مشاہدہ اور قابل ثبوت ہیں لہذا خدا کی ذات وجود کے دائرے سے خارج ہے کانٹ نے مذہب انسانیت کو بھی پھیلانے کی کوشش کی اور اس کی تنظیم رومن کیتھولک چرچ کے نمونہ پر کی۔ اسی لئے ہکسلے نے اس کی یوں تعریف کی ہے کہ کیتھولک مذہب سے عیسائیت کو خارج کر دو اور یہ کانٹ کا مذہب انسانیت ہے بہرحال اس کا یہ مذہب تو زیادہ کامیاب نہ ہوا لیکن اس کا فلسفہ بہت مقبول ہوا جسے انگلستان میں جان اسٹورٹ مل اور ہربرٹ اسپنسر نے بھی تسلیم کرلیا۔

عہد جدید میں فرانس کا مشہور ہینری لوئی برگساں[۱۱۴] (۱۸۵۹ء – ۱۹۴۰ء) ہوا ہے جسے ۱۹۲۷ء میں ادب کے سلسلہ میں نوبل پرائز دیا گیا لیکن اس کا خاص کارنامہ اس کی مشہور کتاب تخلیق ارتقاء ہے جو فرانسسی زبان میں ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی اور ۱۹۱۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا اس کتاب میں اس نے روح اور مادے کو ازلی وابدی تسلیم کیا ہے (اس لحاظ سے برگساں کا شمار ثنوئین میں ہوتا ہے) وہ روح کائنات کو "محرک جوہری" کہتا ہے اور اس کے نزدیک ارتقائے روح کائنات کے تابع رہا ہے وہ محض روح کائنات کو خدا سمجھتا تھا اور دینیات کے شخصی خدا کا قائل نہ تھا

ہالینڈ

داسپنوزا (۱۶۳۲ء – ۱۶۷۷ء) وحدت الوجود کا سب سے بڑا موید تھا اپنے ایک خط میں لکھتا ہے "خدا تمام اشیاء کی خارجی نہیں بلکہ داخلی علت ہے سب چیزیں خدا کے اندر ہیں اور اس میں حرکت کرتی ہیں دوسری جگہ لکھتا ہے خدا کو مذکر تصور کرنا گویا عورت پر مرد کے تفوق کو ظاہر کرنا ہے انسان نے خدا کو اپنا ایسا سمجھا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر مثلث بول سکتا تو وہ کہتا خدا مثلث ہے اور اگر دائرے کو گویائی حاصل ہوئی تو وہ کہتا خدا گول ہے ان خیالات میں ہمیں سینٹ پال اور زینوفینز کے اقوال کی جھلک

نظر آتی ہے۔

جرمنی

جرمنی کے شاعر اعظم گوئٹے[۱۶] (۱۷۴۹ء - ۱۸۳۲ء) نے اسپینوزا کے فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اس لئے وہ بھی وحدت الوجود کا قائل ہو گیا اپنی نظم ایک اور سب میں کہتا ہے کہ خود کو ذات غیر محدود میں گم کر دینا اپنے آپ کو پالینے کے مترادف ہے۔

جرمنی کے عظیم ترین موسیقار بیتھوون[۱۷] (۱۷۷۰ء - ۱۸۲۷ء) اور مشہور عالم فطرت ہمبولٹ[۱۸] (۱۷۶۹ء - ۱۸۵۹ء) اور مشہور فلسفی شیلنگ[۱۹] (۱۷۷۵ء ۱۸۵۴ء) بھی گوئٹے کی طرح نظریہ ہمہ اوست کے قایل تھے۔

شوپہار (۱۷۸۸ء - ۱۸۶۰ء) جو فلسفہ ویدانت سے کافی متاثر ہوا تھا مسئلہ جبر اور وحدت کا موید تھا جرمنی کے تقریباً سب ہی فلاسفہ بقائے روح، وحی اور شخصی خدا کے منکر تھے اور غیر شخصی خدا پر اعتقاد رکھتے تھے فشنے (۱۷۶۲ء - ۱۸۱۳ء) کے نزدیک خدا نام تھا "کائنات کے اخلاقی نظام کا اور وونٹ (۱۸۳۲ء - ۱۹۲۰ء) کائنات کی الہی قوت کو خدا سمجھتا ہے۔

ایمنول کانٹ (۱۷۲۴ء - ۱۸۰۴ء نے ۱۷۸۱ء میں اپنی مشہور کتاب انتقاد عقل محض (Critique of Pure Reason) لکھی جس سے فلسفہ تشکیک کو تقویت پہنچی لیکن اس کی دوسری کتاب انتقاد عقل و عملی (Critique of Practical Reason) وجود باری اور بقائے روح کی تائید کرتی ہے۔

فیورباخ (۱۸۰۴ء - ۱۸۷۲ء) لامذہب تھا اس نے مادیت کی تائید میں کئی کتابیں لکھیں کارل مارکس (۱۸۱۸ء ۱۸۸۳ء) نے جو موجودہ اشتراکیت کا بانی تھا۔ فیورناخ کی تحریروں سے متاثر ہو کر مادیت اختیار کر لی تھی جس چیز کو مارکزم کہا جاتا ہے اور وہ اشتراکیت اور مادیت کا آمیزہ ہے مولشاٹ (۱۸۲۳ء ۱۸۹۳ء) جرمن ماہر عضویات، مادیات کا امام تھا بوشز (۱۸۲۴ء ۱۸۹۹ء) نے ۱۸۵۵ء میں قوت اور مادہ (Force & Mettey) نامی کتاب لکھی جو بے حد مقبول ہوئی وہ مادہ پرست تو نہ تھا لیکن لامذہب ضرور تھا اور وحدتین کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اور بوشز اور ہیکل کے ساتھ

(۱۸۳۳ء۔۱۹۱۹ء) بھی اسی جماعت سے وابستہ تھے۔

آسٹ والڈ (۱۸۵۳ء۔۱۹۳۲ء) نے ۱۹۰۶ء میں ہیکل کے ساتھ مل کر انجمن بنائی جو دنیا کی سب بڑی عقلیت پسند جماعت تھی۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) کے بعد وحدئین نے ابھرنا شروع کیا لیکن نازیوں نے انہیں دبا دیا۔

نیٹشے (۱۸۴۴ء۔۱۹۰۰ء) کے نزدیک الحاد ایک پر لطف چیز" نغمہ زردشت میں لکھتا ہے تمام خدا مر چکے ہیم اب ہم چاہتے ہیں کہ فوق الانسان رہیں میں تمہیں بتاتا ہوں کہ فوق الانسان کیا ہے انسان کوئی ایسی چیز ہے کہ اس سے تجاوز کیا جاسکتا۔ توانائی عقل اور فخر۔ ان سے فوق الانسان بنتا ہے مگر یہ سب چیزیں متوازن ہونی چاہئیں۔

انگلستان

میں مذہبی بیداری صحیح معنوں میں ملکہ الزبتھ (۱۵۵۸ء۔۱۶۰۳ء) کے زمانے سے پیدا ہوئی یہ ملکہ خود بڑی آزاد خیال عورت تھی اس کے مشہور درباری سر والٹر ریلے پر جیسوٹ پادریوں نے یہ الزام لگایا تھا کہ ان کا گھر ملحدین کا مرکز ہے اور یہ بات بالکل ٹھیک تھی۔ مارلو (۱۵۶۴ء۔۱۵۹۳ء) ہیرک اور بعض دوسرے روشن خیال لوگوں نے ریلے کی معیت میں ایک کلب قائم کر رکھا تھا جہاں آزادانہ مسائل مذہبی پر نقد و تبصرہ کرتے تھے لیکن متشکک تھے نہ کہ ملحد جیسا کہ قدیم کلیسا کے معتقدین نے ان کے نام رکھا تھا۔

ٹامس ہابس (۱۵۸۸ء۔۱۶۷۹ء) سر ہنری بلاونٹ (۱۶۰۲ء۔۱۶۸۲ء) جان لاک (۱۶۳۲ء۔۱۷۰۴ء) اور جان ٹولینڈ (۱۶۷۰ء۔۱۷۲۲ء) نے عقلیت کی نشو و نما میں نمایاں حصہ لیا اسکاٹ لینڈ کے مشہور مورخ اور فلسفی ڈیوڈ ہوم (۱۷۱۱ء۔۱۷۷۶ء) جو عرصہ تک فرانس کے معقولیت پسندوں کی صحبت میں رہ چکا تھا اپنی تحریروں سے انگلستان میں فلسفہ تشکک کو فروغ دیا۔ اسی زمانہ میں ایک دوسرا مشہور مورخ ایڈوورڈ گبن (۱۷۳۷ء۔۱۷۹۴ء) ہوا وہ پہلا شخص تھا جس نے تاریخ سے خرافیات (MYTHS) کو جدا کیا اور تاریخ زوال روما لکھ کر امر ہو گیا۔

ٹامس (۱۷۳۷ء - ۱۸۱۹ء) نے عیسائی مذہب کی خرابیوں اور بائبل کی خرافیات کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی مشہور کتاب (AGE OF REASON) لکھی جو بڑی کارگر ثابت ہوئی بینتھام (۱۷۴۸ء - ۱۸۳۲ء) رابرٹ اوین (۱۷۷۱ء-۱۸۵۸ء) شیلی (۱۷۹۲ء - ۱۸۲۲ء) اور کارلایل (۱۷۹۵ء-۱۸۸۱ء) وغیرہ یہ سب لامذہب تھے۔

جب چارلس ڈارون (۱۸۰۹ء - ۱۸۸۲ء) نے اپنا مشہور نظریہ ارتقاء پیش کیا اور اس کی کتابیں "مصدر انواع" اور "سلالت انسان" چھپیں تو دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا کیونکہ ان کتابوں نے بائبل کے وقار کو سخت نقصان پہنچایا ارباب مذہب نے نظریہ کی سخت مخالفت کی سرٹامس ہنری ہکسلے (۱۸۲۵ء - ۱۸۹۵ء) اور ارنسٹ ہیکل (۱۸۳۴ء - ۱۹۱۹ء) نے ڈارون کی پرجوش حمایت کی اور بالاخر سائنس اور مذہب کی اس جنگ میں سائنس کی جیت ہوئی اب تک مذہب مابعد الطبیعات، سیاسیات، اخلاقیات، قصص و حکایات کا مجموعہ تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ چیزیں مذہب کی گرفت سے آزاد ہونے لگیں سائنس کی ترقی سے یہ ظاہر ہو گیا کہ زمین کی پیدائش اور اس کی صورت کے بارے میں مذہب کے آراء کس قدر غلط ہیں۔ آثار قدیمہ کے انکشافات اور تقابلی علم المذہب نے مذہب کی اصلیت کو ظاہر کر دیا دن بدن لوگوں میں تشکیک کا مادہ بڑھتا گیا چنانچہ ہکسلے اور ہربرٹ اسپنسر (۱۸۲۰ء - ۱۹۰۳ء) وغیرہ مشکک تھے چارلس بریڈلا (۱۸۳۳ء - ۱۸۹۱ء) نے اپنے کو لامذہب ظاہر کیا اور بت شکن کے نام سے مذہب کے خلاف مضامین لکھے کولنس (۱۸۴۸ء - ۱۹۰۸ء) اور ہملٹن (۱۸۸۸ء - ۱۹۲۹ء) وغیرہ نے بھی مذہب کو خیرباد کہہ دیا برنارڈشا نے بائبل کو جھوٹوں کا بنڈل بنایا اور خدا کو "قوت حیات" ظاہر کیا عصر جدید کے مشہور فلسفی اور ماہر ریاضی برٹرانڈرسل (ولادت ۱۸۷۲ء) بھی خدا کو ایک قسم کی کائناتی روح تسلیم کرتے ہیں۔

امریکہ

امریکی معلم اخلاق ایمرسن (۱۸۰۳ء - ۱۸۸۲ء) وحدت الوجود کا قائل تھا وہ خدا کو روح برتر و اعلیٰ کہتا تھا اور اس کا متبع فیلڈنگ ہال (۱۸۵۹ء - ۱۹۱۷ء) روح عالم ولیم جیمس (۱۸۴۲ء - ۱۹۱۰ء) امریکی ماہر نفسیات نے اپنی کتاب کثرتی کائنات مطبوعہ ۱۹۰۹ء میں خدا

کے عیسوی تخیل کی مذمت کی ماہر عضویات لوئب (۱۸۵۹ء ـ ۱۹۲۴ء) نے اپنی کتابوں میں مادیت کی پرزور تائید کی ہے جارج سنتایانا (۱۸۶۳ء ـ ۱۹۵۴ء) نے اپنی کتاب (Reasonin Science) میں اس بات کا اعتراف کیا کہ فلسفہ طبیعی میں پکا مادی ہوں ...... لیکن میں جاننے کا مدعی نہیں کہ خود مادہ کیا ہے ـ اطالوی فلسفی کردیتے (ولادت ۱۸۶۶ء) نے اگرچہ مادیت کی مخالفت کی تاہم بقائے روح اور شخصی خدا کا قائل تھا اس نے دین عیسوی ترک کردیا۔

الغرض یورپ و امریکہ میں ارباب فکر و نظر رفتہ رفتہ مذہب سے منحرف ہوتے رہے اور آخرکار اس نقطہ پر پہنچ گئے جہاں شخصی خدا ختم ہو کر قوت مجردہ اس کی جگہ لے لیتی ہے اور یہ ابتدا اس لامذہبیت کی جس نے آگے چل کر امریکہ میں ایک مستقل ادارہ کی صورت اختیار کرلی اور مذہب کا قصہ داستان پارینہ ہو کر رہ گیا۔

۱۔ اگرچہ بدھ اور جین مذاہب میں ملحد ہیں تاہم ہندوؤں کی نگاہ میں گوتم بدھ کی اتنی اہمیت ہے کہ انہیں وشنو کا اوتار مان لیا گیا جین مذہب بھی ہندو مذہب کی ایک شاخ مانا جاتا ہے لیکن چارواک فرقہ کو ہندوؤں نے ہمیشہ ذلت کی نگاہ سے دیکھا

۲۔ آر کے ماتھر ایم ۔ اے "ارتقائے انسانی صفحات ۱۸۷، ۱۸۸ کانپور ۱۹۵۲ء

۳۔ آر کے ماتھر ایم ۔ اے دنیا کی مختصر تاریخ کانپور ۱۹۵۲ء صفحات ۱۸۶ ـ ۱۸۷

۴۔ ایضاً صفحات ۱۸۶ ـ ۱۸۷ (۵) ایضاً صفحہ ۱۸۹

6 - Descortes 7 - Nicolas Freret 8 - Rousseau
9 - Yaltaire 10 - Diderot 11 - Buffon 12 - Laplace
13 - comte 14 - Henri Lovis Bergson 15 - Spinoza
16 - Goethe 17 - Beethhoven 18 - Humboldt 19 - Sphelling